محمد صلی اللہ علیہ وسلم

آغوشِ آمنہؓ سے غارِ حرا تک

It is a very good and useful for all muslims

علی اصغر چودھری

اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ
۱۳ - ای، شاہ عالم مارکیٹ لاہور

طابع — اشفاق مرزا مینجنگ ڈائریکٹر

ناشر — اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ
۱۳۔ ای، شاہ عالم مارکیٹ، لاہور

مطبع — وفاق پرنٹنگ پریس، لاہور

اشاعت

پہلی : اپریل ۱۹۸۰ء ۱۱۰۰

قیمت ۵۰ — ۱۶ روپے

فہرست مضامین

نحمدہٗ ونصلّی علےٰ رسولہ الکریم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرفِ اوّل

اللہ کا ذکر عبادت ہے اور اللہ کے حبیبؐ کا ذکر بھی عبادت ہے۔ کیونکہ ود اللہ اور اس کے فرشتے حضورؐ کی مدح و ثنا کرتے ہیں۔

ان اللہ و ملائکتہٗ یصلون علی النّبی۔

یا ایھا الذین اٰمنو صلو علیہ و سلمو تسلیما۔

(اللھم صلِ علےٰ سیّدنا و مولٰنا محمدٍ و بارک وسلّم)

مبارک ہیں وہ زبانیں جو محبوب ربّ العالمین کے ذکر سے تر ہیں۔ اللہ نے ود اپنی محبت اور اپنے حبیبؐ کے مقام کا ذکر قرآن مجید میں اس طرح کیا ہے:

"لا اُقسمُ بھذا البلد۔ وانت حِلٌّ

بھذا البلد" (سورۃ البلد۔ تیسواں پارہ)

"ہم مکّہ کی قسم اس لیے کھاتے ہیں کہ آپ اس شہر میں رہتے ہیں۔"

مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم کیا خوب فرماتے ہیں

"پس جس کی قدوسیّت اور جبروتیّت کا یہ مرتبہ ہو اس کی یاد میں جتنی گھڑیاں کٹ جائیں۔ اس کے عشق میں جتنے آنسو بہہ جائیں۔ اس

کہ محبت میں جتنی آہیں نکل جاتی ہیں۔ اس کی مدح وثنا میں جس قدر بھی زبانیں زمزمہ پیرا ہوں۔ انسانیت کا حاصل۔ روح کی سعادت۔ دل کی طہارت اور زندگی کی پاکی ہے۔"

پس مبارک ہیں وہ دل جنہوں نے اپنے عشق وشیفتگی کے لیے ربّ السمٰوات والارض کے محبوب کو چُنا اور کیا پاک ومطہر ہیں وہ زبانیں جو سیّد المرسلین اور رحمۃ العالمین کی مدح وثنا میں زمزمہ سنج ہیں۔ انہوں نے اپنے عشق وشیفتگی کے لیے اس کی محبوبیت کو دیکھا جسے خود خدا نے اپنی چاہتوں اور محبّتوں سے ممتاز کیا ہے اور ان کی زبانوں نے اس کی مدح وثنا کی جس کی مدح وثنا خود خدا کی زبان نے کی۔ اس کے ملائکہ و قدوسیوں کی زبان اور کائنات ارض کی تمام پاک روحوں اور سعید ہستیوں کی زبان ان کی شریک وہمنوا ہے۔"

لوگوں کی آنکھیں مغرب کی چکاچوند سے چندھیا گئی ہیں اور دل اُجڑ گئے ہیں۔ حالانکہ یہ دل ہی وہ بستی ہے جو گذرگاہِ جلیلِ اکبر ہے اور جب یہ ویران ہو جائے تو پھر صبر وقرار کہاں۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے۔

"پس آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں لیکن دل اندھے ہو جاتے ہیں جو سینوں میں ہیں۔"

(سورۂ حج، آیت ۴۶)

زندگی کے ہر اضطراب کا بہترین نسخہ سیرت پاک کا مطالعہ ہے۔ اگر اس کی عادت اور اس میں غور وفکر کے شغل کو اپنایا جائے تو یقین کی دولت مل جاتی ہے۔ ایمان کا نور جلوہ گر ہوتا ہے اور زندگی بامقصد ہونے کے ساتھ ساتھ پُرمسرت بھی محسوس ہوتی ہے۔

سیرت پاکؐ پر اَن گنت کتابیں خوشنما پھولوں کی مانند آراستہ ہو چکی ہیں۔ اہلِ ذوق نے حیات مقدسہ کے ہر پہلو پر بہت کچھ لکھا ہے اور حق تو یہ ہے کہ پھر بھی

حق ادا نہیں ہو سکا۔ کیونکہ رحمۃ للعالمین اور محبوب رب العالمین کی سیرت پاک کا احاطہ کرنے کا دعویٰ کون کر سکتا ہے جب کہ آپ قرآنِ ناطق ہیں۔

حضورؐ کی بعثت سے پہلے کی زندگی کے متعلق بہت کم واقعات ملتے ہیں اور وہ بھی کسی ایک کتاب میں مرتب نہیں ہیں۔ بلکہ اس گلدستہ کی آرائش کے لیے سیرت کے دلکشا اور وسیع چمن زار سے گل چینی کرنی پڑتی ہے۔ ان گلوں کی رنگینی اور مہک سدابہار ہے۔ ان کی نسیمِ عطر بیز سے آج بھی نوجوان (بالخصوص) اپنے کردار کو معطر کر سکتے ہیں۔ اس سے اُجڑے دل آباد اور بے مقصد زندگی پُر کیف ہو سکتی ہے۔

بعثت سے پہلے کی چالیس سالہ معصوم زندگی بھی ہمارے لیے مشعلِ راہ ہے۔ جس طرح طلوعِ آفتاب سے قبل صبح صادق کا اُجالا آنے والی روشنی کا اعلان کر دیتا ہے۔ تاکہ خوابِ غفلت میں پڑے ہوئے بیدار ہو جائیں اور دن نکلتے ہی اپنے اپنے کام میں لگ جائیں۔ اسی طرح طلوع سے قبل آفتابِ نبوت کا نور چالیس سال تک مکہ سے شام و یمن تک امین و صادق کے نقوش کا جلوہ دکھاتا رہا اور جن مبارک ہستیوں نے اس سے بصیرت و بصارت پائی تھی انہوں نے آفتابِ نبوت کے طلوع ہوتے ہی اس کا اقرار کر لیا۔ اور اس کی روشنی میں بھولے بھٹکے انسانوں کو راہ دکھلانے کے لیے اُٹھ کھڑے ہوئے۔

اس کتاب کے اسلوبِ بیان پر شاید کچھ جبینیں پُر شکن ہو جائیں اور مکالمات کے لیے حوالہ جات کا تقاضہ کرنے لگیں۔ لیکن یہ تو واردات کا معاملہ ہے جسے جذب و کیف کی لذت سے آشنا دل ہی محسوس کر سکتا ہے۔ یہاں حوالہ جات کی ضرورت ہی کہاں رہ جاتی ہے۔ آخر چالیس سال کی زندگی میں آپ نے صرف "کیا" اور "سنا" ہی نہیں ہے بلکہ کچھ "سوچا" اور "کہا" بھی ہوگا اور اگر اُس وقت کسی نے اسے اہمیت نہیں دی تو کیا آج بھی وجدان کا گلا گھونٹ دیا جائے۔ کیا محبت کے سوتے بند کر دیے جائیں۔ چاہت کی دھڑکنوں پر حوالہ جات کی سِل رکھ دی جائے۔

ذکرِ حبیبؐ سے مقصود عشقِ حبیبؐ ہے۔ تاکہ سوز و گداز کی بھٹی گرم رہے،

رقت کے آنسوؤں سے دل کا زنگ دُھل جائے اور محبوب کے نقوشِ پا کا سُرمہ لگا کر منزل کی طرف چلتے رہیں لیکن یہ صرف اسی صورت میں ممکن ہے جب کہ محبوبؐ کا ذکر محبت سے کیا جائے، عقیدت سے پڑھا جائے اور اس کے جمالِ جہاں آرا سے دل کو زندہ رکھا جائے۔ کیونکہ ـــــ

مجھے یہ ڈر ہے دلِ زندہ تُو نہ مر جائے
کہ زندگانی عبارت ہے تیرے جینے سے

ارائیں ہاؤس
محلہ اللہ یار۔ ٹنڈو آدم
ضلع سانگھڑ

شفاعت کا امیدوار
علی اصغر چودھری

۷ر اپریل ۱۹۷۴ء مطابق ۱۴ر ربیع الاوّل ۱۳۹۴ھ

تعارف

مولانا نعیم صدیقی

انسانیت اپنی ساری علمی ترقیوں اور مادّی کامرانیوں کے ساتھ جس اخلاقی پستی میں جا گری ہے اس کی چارہ گری جس ملّت کا فرض منصبی تھا وہ خود بُری طرح فساد و بحران کی شکار ہے۔ اس ہمہ گیر تیرہ بختی کے دور میں اگر کوئی روشنی مل سکتی ہے تو صرف قرآن کے "العلم" سے مل سکتی ہے، جسے نبی آخر الزّمان صلی اللہ علیہ وسلّم کی مبارک شخصیت کے فانوس میں آراستہ کیا گیا ہے۔

انسانی فلاح اگر ایک درجہ میں علم حق پر مبنی ہے تو دس درجوں میں اس کا دارومدار عملِ حق پر ہے۔ صداقت پر مبنی عقیدے اور اصول بجائے خود بھی سرمایۂ خیر و فلاح ہیں لیکن ان کی برکات و کرامات سوگنا بڑھ جاتی ہیں جب کسی انسانی شخصیت کے زریم آنکھوں سے دیکھے جانے والے خُلقِ حسن اور عمل صالح کا پیرایہ اختیار کرتے ہیں یہی وجہ ہے کہ الٰہی نظام ہدایت کا تقاضا ہمیشہ یہ ہوا ہے کہ "الکتاب" کے ساتھ "الرسول" کو یا "العلم" کے ساتھ معلّم و مزکّی کو مامور کیا گیا انسانیت ہمیشہ انسانی شخصیتوں اور کرداروں سے زیادہ گہرا اثر لیتی رہی ہے اور تاریخ اچھی اور بُری شخصیتوں اور روشن اور تاریک کرداروں کے تکرار ہی سے بنتی ہے۔

پس آج کے دورِ تیرہ بختی میں ہمارا بہت بڑا سرمایۂ امید سرکار خاتم النّبیین صلّی اللہ علیہ وسلّم کی ہستی درخشاں ہے جس کے اُسوہ و نمونہ کی شعاؤں سے ہم جہل خرد اور وحشتِ تہذیب کی ان تاریکیوں سے نجات پا سکتے ہیں جنہوں نے ہمارا گلا گھونٹ رکھا ہے! اور ہماری قوتیں مضمحل کر دی ہیں۔

اگر میں یہ کہوں کہ حضورؐ کی ذاتِ گرامی پورے چمنِ انسانیت کا گلِ سرسبد ہے تو اس میں نہ مبالغہ ہے نہ کوئی اندھی اور غیر شعوری عقیدت۔ بلکہ اکابر و اعاظم کی تمام صفوں کو دیکھنے کے بعد صرف انبیاء علیہم السّلام ہی کی ایک صف ایسی ہے جس کی نورانیت توجہ کو کھینچ لیتی ہے۔ اور اس صف میں محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلّم بلحاظ وجاہت و قامت اور بلحاظ تابانی و لمعانی سب سے ممتاز مقام رکھتے ہیں۔

یہ شخصیت جو ماحصل ہے تاریخ کا۔ اس کی تجلیات کو مختلف زمانوں میں مختلف درجے کے اصحاب نے الگ الگ زاویوں سے جذب کر کے اپنی نظم و نثر تحریروں کی ٹھوس علمی و تحقیقی کتابوں اور ہلکے پھلکے ادبی پیرایوں میں دوسروں تک منعکس کرنے کی جو کوششیں کی ہیں ان میں ایک کا اضافہ علی اصغر چودھری صاحب نے کیا ہے۔

چودھری صاحب کا منشاء یہ ہے کہ وہ ناولوں کے سے انداز میں اور سادہ اور عام فہم زبان میں "حکایت قدِ آں یارِ دلنواز" کو پیش کر کے اُن طبقوں کو حضورؐ کے قریب لے آئیں جن کے لیے ٹھوس علمی و تحقیقی کتابیں پڑھنا مشکل اور سمجھنا مشکل تر ہے۔

میں نے ان کے مسوّدہ کو سرسری طور پر دیکھا ہے۔ یہ تو اچھا ہے کہ اس میں کوئی خاص "ناولیت" نہیں ٹھونسی گئی ورنہ شاید رُوئے حقیقت کے خد و خال مسخ ہو جاتے۔ غالباً ناول کے سے انداز سے ان کی مراد یہ ہے کہ واقعات اور مکالمات کو اس طرح پیش کیا جائے جیسے کہ وہ قاری کے سامنے ہو رہے ہیں۔

ان خطوط پر پہلے بھی کام ہوا ہے اور بعض تحریریں جن سے میں آگاہ ہوں ان کا اجمالی ذکر کر دینا چاہتا ہوں۔ سب سے پہلے رسالہ "صوفی" (منڈی بہاؤالدین) میں کوثر چاندپوری اور بعض دوسرے اہلِ قلم کی تحریریں میری نظر سے گزریں جن میں سیرت پاکؐ یا صحابہ کرامؓ کی زندگیوں سے متعلق کوئی واقعہ کہانی کے ہلکے سے رنگ کے ساتھ پیش کیا جاتا تھا۔ ادھر گذشتہ چند برس میں بستی سے نکلنے والے

ڈائجسٹوں میں بھی اسی طرح کی چیزیں تاریخِ اسلام اور سیرتِ نبویؐ اور واقعات صحابہؓ کے متعلق کبھی کبھی شائع ہوتی رہی ہیں۔ سب سے بڑا کام طٰہٰ حسین مصری کا ہے جن کی کتاب کا اردو ترجمہ (غالباً غلاموں یا غریبوں کی آقائی کے نام سے) ہو چکا ہے۔ اس میں بعثتِ نبویؐ سے قبل کے متصلہ دور میں ان غلاموں کے احوال افسانوی پیرائے میں بیان کیے گئے ہیں جو دعوتِ حق کے پیاسے تھے۔ اور نبی اکرمؐ کی دعوتِ حق کے سامنے آنے پر اوّلین لبیک کہنے والے بنے۔ ادھر نسیم حجازی صاحب نے ایک ناول "قیصر و کسریٰ" لکھ کر اس میں بعثتِ آنحضورؐ کا تاریخی پس منظر (مذہبی بگاڑ، اخلاقی فساد، اور سیاسی بحران کو نمایاں کرتے ہوئے) پیش کیا ہے۔

علی اصغر چودھری صاحب کی کوشش اپنے ہی طرز کی ہے۔ وہ مشغلہ کے لحاظ سے مُعلّم رہے ہیں۔ اور شاید مُعلّمِ انسانیت کی سیرت کی مصوّری کے لیے مُعلّم اس لحاظ سے موزوں ثابت ہو سکتا ہے کہ وہ قوم اور اس کے بچوں کے احوال و مقامات سے آگاہ ہو کر تجربہ کی روشنی میں یہ رائے قائم کر سکتا ہے کہ کیا سکھانا ہے اور کس پیرائے میں سکھانا ہے۔

میں علی اصغر چودھری صاحب سے ہم قلمی کا برادرانہ رشتہ رکھتا ہوں وہ "سیّارہ" کے صفحات میں لکھتے رہے ہیں اور ان کے طرزِ فکر اور معیارِ تحریر پر مجھے اعتماد ہے۔ مسوّدہ کے سرسری مطالعہ سے یہ بھی اندازہ ہوا ہے کہ انہوں نے نہایت ہی ذمہ دار قسم کے سیرت نگاروں کی تحقیق و کاوش سے جابجا استفادہ کیا ہے۔ اور اپنے قلمی سفر کا ہر قدم انہوں نے کسی نہ کسی صاحبِ فکر و تحقیق کے سہارے آگے بڑھایا ہے۔

یہ میرا مجموعی سا تاثر ہے۔ ہو سکتا ہے کہ جزوی طور پر کچھ لغزشیں بھی موجود ہوں۔ کم از کم لسانی طور پر دو چار جگہ میں نے کھٹک محسوس کی مگر اس وقت میں نہ تو تنقید نگاری کا فرض ادا کرنے کا منصب رکھتا ہوں، نہ اصلاح کی مہلت۔ بمشکل سر پڑے کاموں سے ذرا سا وقت نکال کر یہ سطور لکھ رہا ہوں۔ کتاب چھپے گی۔ خود مؤلف کو

نظرِثانی کا موقع ملے گا۔ دوست احباب آراء بھیجیں گے۔ ارباب نقد و نظر پرکھیں گے۔ چھوٹی موٹی کمزوریاں اس فطری نہج سے دُور ہو جائیں گی۔ میری نگاہ تو مسوّدہ کی مجموعی حیثیت پر ہے۔ اور اس لحاظ سے میں اس کا خیر مقدم کر رہا ہوں۔

ایک مشورہ چودھری صاحب کو ضرور دینا چاہتا ہوں کہ اسمائے اعلام و اماکن کو اعراب کے ساتھ درج کریں اور پروف ریڈنگ پوری محنت سے کریں۔

کلمۂ اختتام یہ دعا ہے کہ جس حُسنِ نیّت سے چودھری صاحب نے یہ نیک کام کیا ہے خدا اس کے پیشِ نظر ان کی محنت و کاوش کے اچھے پہلوؤں کو قبول فرمائے۔ اور جہاں کہیں کوئی غلطی یا کمزوری رہ گئی ہو اس سے درگزر فرمائے۔ اس کی تائید سے چودھری صاحب کے اس حاصلِ محنت کو قبولِ عام حاصل ہو۔ اور ان کی زندگی میں بھی اور ان کے بعد بھی ہزاروں ہزار مسلمان اور غیر مسلم اس سے استفادہ حاصل کریں۔ آمین

نعیم صدیقی
۵ ستمبر ۱۹۷۵ء

۷۔ اے ذیلدار پارک
اچھرہ۔ لاہور

۱

اللہ کے حبیب ــــ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش سے اڑھائی ہزار سال پہلے مکہ ایک وادی بے آب و گیاہ تھی۔ جہاں چٹیل پہاڑیوں کے علاوہ کچھ نہ تھا۔ کہ اللہ نے اسے مرکزی حیثیت دینے کے لیے اپنے ایک دوست کو یہاں بھیجا۔ چنانچہ ایک دن آفتاب عالمتاب یہ دیکھ کر دنگ رہ گیا کہ ایک معمر شخص اپنے ساتھ ایک سن رسیدہ خاتون اور شیر خوار بچے کو لیے اس جگہ پہنچا۔ اور انہیں یکہ و تنہا ــــ بے یار و مددگار ــــ چھوڑ کر چلا گیا۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا ــــ حضرت ابراہیم علیہ السلام تھے۔ جو اپنی بیوی حضرت ہاجرہؑ اور اکلوتے فرزند حضرت اسماعیلؑ کو بحکم خداوندی الوداع کہہ کر رخصت ہونے لگے تو فرمانبردار خاتون نے پوچھا۔

"سرتاج۔ آپ ہمیں اس بیابان میں کس کے سہارے پر چھوڑ کر جا رہے ہیں؟"

خلیل اللہ نے فرمایا:

"اللہ ــــ خالقِ ارض و سما ــــ کے حوالے کر رہا ہوں یہ اُسی کا حکم ہے۔"

پاکباز خاتون نے ایک بار اپنے جلیل القدر خاوند کی طرف دیکھا معصوم فرزند کی پیشانی پر بوسہ دیا۔ کھجوروں کی زنبیل اور پانی کے مشکیزہ پر نگاہ ڈالی اور بڑے پُر وقار لہجہ میں کہا:

"اللہ بڑی قدرت والا ہے۔ وہ ہماری حفاظت کرے گا۔
ہم اس کے حکم پر راضی ہیں۔"

حضرت ابراہیم علیہ السلام رخصت ہو گئے۔ بی بی ہاجرہ نے اللہ سے لو لگا لی۔ ٹھنے کہ زنبیل خالی اور چھاگل خشک ہو گئی۔ آپ نے پانی کی تلاش میں صفا اور مروہ پر بے تابی سے کئی چکر کاٹے لیکن جب مایوس ہو کر واپس لوٹیں تو یہ دیکھ کر خوشی سے آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے کہ راج دلارے کی ایڑیوں کے نیچے ٹھنڈے اور میٹھے پانی کا چشمہ بہہ رہا ہے۔ آپ نے زم زم (ٹھہر جا۔ ٹھہر جا) کہتے ہوئے جلدی سے چشمے کے اردگرد مٹی کی ایک منڈیر سی بنا دی۔

اب خورد و نوش کا کام آبِ زمزم سے لیا جاتا تھا۔ اس سے بھوک میں سیری اور پیاس میں تسکین حاصل ہوتی تھی۔ اسی کی کشش بنو جرہم اور قنطورا کو یہاں کھینچ لائی۔ انہیں بادیہ گردی سے نجات ہوئی۔ دشت پیمائی آقامت میں تبدیل ہو گئی، اور اللہ کے دوست کا بیٹا اسماعیل علیہ السلام اس بستی کا سردار بن گیا۔ جسے آج مکّہ کے نام سے پکارا جاتا ہے۔

اسماعیل علیہ السلام نوجوان ہوئے تو پدر بزرگوار سے اس حال میں ملاقات ہوئی کہ انہیں اللہ کی راہ میں قربان کرنے کا حکم لیے ہوئے تشریف لائے۔ سن رسیدہ باپ دودھ پیتے بچے کو بیابان میں چھوڑ کر سینے پر پتھر رکھے ہوئے واپس گیا تھا۔ اب اپنے خالق کے حکم کی بجا آوری کے لیے چھری لیے ہوئے آیا ہے ——
چنانچہ مہر عالم افروز آج پھر یہ دیکھ کر مبہوت رہ گیا ہے کہ بڑھاپے کی امیدوں کا سہارا —— اسماعیل —— زمین پر پڑا ہے۔ اور بوڑھا باپ اس کے گلے پر چھری چلا رہا ہے۔ نہ باپ کی زبان پر شکوہ ہے، نہ بیٹے کو کوئی گلہ۔ باپ کو اپنے مالک کی خوشنودی ملحوظ ہے اور بیٹا کہہ رہا ہے:

"آپ مجھے ہر حال میں فرمانبردار پائیں گے۔"

اور کائنات کا ذرہ ذرہ ان عاشقوں کے صدق و صفا کو دیکھ کر دم بخود ہے۔

اللہ ربّ العزت اپنے دوست کی سچی دوستی سے راضی ہو کر قربانی کے لیے مینڈھا بھیج دیتا ہے اور حکم دیتا ہے کہ میرے ان محبوب بندوں کی یاد قیامت تک قربانی کی صورت میں زندہ رہے۔ اور اپنی نیک بندی ــــ بی بی ہاجرہ ــــ کی اس بھاگ دوڑ کو ــــ جو انہوں نے پانی کی تلاش میں کی تھی ــــ

سعی کی صورت میں حج کا لازمی رکن قرار دیتا ہے۔

یہ تھے جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے جدِّ امجد اسمٰعیل ذبیح اللہ کے پدر بزرگوار

ــــ حضرت ابراہیم علیہ السلام ــــ خلیل اللہ

اللہ جل جلالہٗ نے اپنے دوست حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے اپنے گھر

ــــ خانہ کعبہ ــــ کی جگہ تجویز کرنے کے بعد فرمایا:

"(میرا گھر بناؤ اور اس ہدایت کے ساتھ) کہ میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرو۔ اور میرے گھر کو طواف کرنے والوں اور قیام و رکوع سجود کرنے والوں کے لیے پاک رکھو۔ اور لوگوں کو حج کے لیے اذن عام دے دو۔ کہ وہ تمہارے پاس ہر دور دراز مقام سے پیدل اور اونٹوں پر سوار آئیں تاکہ وہ فائدے دیکھیں جو یہاں ان کے لیے رکھے گئے ہیں۔ اور چند مقررہ دنوں میں ان جانوروں پر اللہ کا نام لیں۔ (قربان کریں) جو اس نے تمہیں بخشے ہیں۔ خود بھی کھائیں۔ اور تنگ دست محتاج کو بھی دیں۔ اپنا میل کچیل دور کریں۔ اور اپنی نذریں پوری کریں۔ اور قدیم گھر کا طواف کریں۔"

(تفہیم القرآن جلد سوم صفحہ ۲۱۸-۲۱۹)

چنانچہ باپ بیٹا دونوں تعمیر کعبہ میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ بیٹا گارا لاتا ہے۔ اور باپ اس سے دیوار چنتا ہے۔ جب دیواروں کی اونچائی زیادہ ہو جاتی ہے تو وہ پتھر جس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام یہ دیوار بناتے ہیں حکم الٰہی سے بلند ہوتا جاتا ہے تاکہ خلیل اللہ کو پاڑ باندھنے کی ضرورت نہ پڑے۔ یہی

پتھراب مقامِ ابراہیم کے نام سے کعبہ میں موجود ہے۔

محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے جدِ امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام اس وادیِ غیر ذی زرع کی ویرانی دیکھ کر تعمیر کعبہ کے وقت یہ دعا کرتے ہیں:

"اے میرے رب۔ اس شہر کو امن کا شہر بنا دے اور اس کے باشندوں میں جو اللہ اور آخرت کو مانیں انہیں ہر قسم کے پھلوں کا رزق دے۔"

اور جواب میں ان کا رب فرماتا ہے:

"جو نہ مانے گا۔ دنیا کی چند روزہ زندگی کا سامان تو میں اسے بھی دوں گا۔ مگر آخر کار اسے عذابِ جہنم کی طرف گھسیٹوں گا۔ اور جہنم بدترین ٹھکانا ہے۔" (تفہیم القرآن۔ جلد اول، صفحہ ۱۱۱)

دونوں باپ بیٹا دیواریں بنا رہے ہیں اور ساتھ ساتھ یہ دعا بھی کر رہے ہیں:

"اے ہمارے رب۔ ہم سے یہ خدمت قبول فرما۔ تو سب کی سننے اور جاننے والا ہے۔

اے رب۔ ہم دونوں کو اپنا مسلم (مطیع فرمان) بنا۔ ہماری نسل سے ایک ایسی قوم اٹھا۔ جو تیری مسلم ہو۔ ہمیں اپنی عبادت کے طریقے بتا۔ اور ہماری کوتاہیوں سے درگذر فرما۔ تو بڑا معاف کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔

اور اے ہمارے رب۔ ان لوگوں میں خود انہیں کی قوم سے ایک ایسا رسول اٹھائیو جو انہیں تیری آیات سنائے۔

ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دے اور ان کی زندگیاں سنوارے تو بڑا مقتدر اور حکیم ہے۔"

(تفہیم القرآن۔ جلد اول، صفحہ ۱۱۲)

یہی اللہ کا وہ گھر ہے۔ جسے حضورؐ کے جدِ امجد نے تعمیر کیا اور جس کے متعلق خالق

اکبر نے فرمایا:

"بے شک سب سے پہلی عبادت گاہ جو انسانوں کے لیے تعمیر ہوئی وہ وہی ہے جو مکہ میں واقع ہے۔ اس کو خیر و برکت دی گئی اور تمام جہانوں کے لیے مرکزِ ہدایت بنایا گیا تھا۔ اس میں کھلی ہوئی نشانیاں ہیں۔ ابراہیم کا مقام عبادت ہے۔

اور اس کا حال یہ ہے کہ جو اس میں داخل ہوا وہ مامون ہوگیا لوگوں پر اللہ کا یہ حق ہے کہ جو اس گھر تک پہنچنے کی استطاعت رکھتا ہو وہ اس کا حج کرے۔ اور جو کوئی اس حکم کی پیروی سے انکار کرے تو اسے معلوم ہونا چاہیئے کہ اللہ تمام دنیا والوں سے بے نیاز ہے۔"

(تفہیم القرآن۔ جلد اول، صفحہ ۲۷۴-۲۷۵)

اللہ کے اس گھر پر سب سے پہلے حضرت اسماعیل علیہ السلام نے عقیدت کے طور پر غلاف چڑھایا۔ اس کے بعد یہ سعادت حاصل کرنے والوں میں سے عدنانؑ سب سے زیادہ مشہور ہوتے ہیں اور صدیوں بعد محمدؐ کی پیدائش سے دو سو سال قبل اسعد شاہ یمن نے خانہ کعبہ کو سرخ رنگ کے دھاری دار کپڑے کا غلاف پہنایا تھا۔ جب بیت اللہ کا انتظام قریش کے ہاتھوں میں آیا تو قبائل قریش باری باری اس پر غلاف چڑھانے لگے۔ پھر بنی مخذوم کے ایک سردار ابو ربیعہ نے یہ طے کیا کہ ایک سال وہ غلاف کعبہ چڑھائے گا اور دوسرے سال باقی قبائل قریش اس سعادت کو حاصل کریں گے۔

حضورؐ کے بچپن میں آپؐ کی ایک دادی نتیلہؓ بنت خباب کے صاحبزادے عباس بن عبدالمطلب گم ہوگئے تھے اور انہوں نے نذر مانی تھی کہ اگر میرا بچّہ مل جائے تو وہ کعبہ پر ریشمی غلاف چڑھائیں گی۔ چنانچہ بچّہ مل گیا اور انہوں نے حریر و دیبا کا غلاف چڑھایا۔ خانہ کعبہ پر یہ پہلا ریشمی غلاف تھا جس کے بعد سے اب تک ریشمی غلاف ہی چڑھایا جاتا رہا ہے۔

کعبۃ اللہ کی بدولت سارے عرب پر قریش کی سیادت و قیادت مُسلّم ہے۔
یہ امن کا گہوارہ ہے۔ اس کے متولی ہونے کی وجہ سے قریش کے قافلوں پر کسی کو
دست اندازی کی ہمت نہ ہوتی تھی۔ اس میں چاہ زمزم ـــــ جو اللہ کے حبیب
محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے جدِ امجد حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ایڑیوں کی ضرب سے برآمد ہو گیا
تھا۔ مدتوں تک ٹھنڈے اور میٹھے پانی سے لاکھوں بندگانِ خدا کو سیراب کرتا رہا لیکن
جب بنو جرہم ـــــ جو اس کے متولی تھے ظلم و ستم پر اُتر آئے۔ ان کی حرکات ناقابل
برداشت ہو گئیں اور ان کا آخری فرماں روا مضاض جرہمی بھی بے بس ہو کر رہ گیا۔
تو قریش کے ایک قبیلے بنو خزاعہ نے ان کی چیرہ دستیوں کو روکنے کے لیے ان پر حملہ کر
دیا۔ باقاعدہ جنگ ہوئی اور میدان بنو خزاعہ کے ہاتھ رہا۔
بنو جرہم مکہ چھوڑنے پر مجبور ہو گئے لیکن جاتے جاتے مضاض نے کعبے کے نذرانے
سونے کے دو ہرن جو ان نذرانوں میں شامل تھے۔ بہت سی تلواریں اور زرہیں چاہ
زمزم میں پھینک دیں اور اوپر سے پتھر اور مٹی ڈال کر اسے پاٹ دیا۔ تاکہ مکہ کے لوگ
تشنہ لب رہ جائیں اور حاجیوں کو بھی پانی میسر نہ آئے۔ یہ تھی ان لوگوں کے کردار کی
ایک جھلک جو صدیوں تک اس سے فائدہ اٹھاتے رہے۔ اور پھر اپنی ذلت کو چھپانے
اور فاتح قبیلہ سے انتقام لینے کے لیے اس کنوئیں کو پاٹ کر بھاگ نکلے۔
آہ ـــــ انسان اپنے بغض کی آگ میں خود تو جلتا ہی ہے لیکن دوسروں کو بھی
جلا کر خاک کر دیتا ہے۔

۲

اللہ کے حبیب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا عبدالمطلب میٹھی نیند سو رہے ہیں اور خواب میں سُنتے ہیں کوئی کہہ رہا ہے۔

"اُٹھ ــــ اور چاہِ زمزم کی کُھدائی کر۔"

آپؐ نیند سے بیدار ہو کر اِدھر اُدھر دیکھتے ہیں۔ مگر آواز دینے والا نظر نہیں آتا۔ آپ اسے واہمہ سمجھ کر دوبارہ سو جاتے ہیں اور دوسرے دن یہ واقعہ فراموش ہو جاتا ہے۔ لیکن دوسری رات ٹھیک اسی وقت پھر کسی پکارنے والے کی آواز سُنتے ہیں جو کہہ رہا ہے۔

"اُٹھ ــــ اور چاہِ زمزم کی کُھدائی کر۔"

آپ جاگ اٹھتے ہیں۔ مگر آواز دینے والا نظر نہیں آتا۔ آپ کچھ دیر تک سوچتے رہتے ہیں۔ پھر نیند کا غلبہ ہو جاتا ہے۔ لیکن دوسرے دن یہ خواب یاد رہتا ہے، تاہم اس سلسلہ میں کوئی فیصلہ نہیں کر پاتے۔ حتیٰ کہ تیسری رات بھی اسی طرح کا خواب دکھائی دیتا ہے۔ اور اس کے بعد طلوعِ آفتاب تک آپ کو نیند نہیں آتی۔ آپ زمزم کی کھدائی کے متعلق سوچتے رہتے ہیں اس دفعہ خواب میں آپ کو وہ جگہ بھی دکھا دی گئی ہے جہاں چاہِ زمزم موجود ہے۔

دوسرے دن آپ اپنے بیٹے حارثؓ کے ساتھ حرم کعبہ میں اس جگہ آتے ہیں جس کی نشاندہی خواب میں کی گئی تھی۔ اور اسے بغور دیکھتے ہیں۔ بظاہر چاہِ زمزم اکوئی

نشان موجود نہیں ہے۔ لیکن آپ اس جگہ کو کھودنے کا تہیہ کر چکے ہیں۔ کیونکہ تین راتوں سے متواتر یہی حکم پاتے رہے ہیں۔

آپ قریش کے سرکردہ افراد کو بُلا کر کہتے ہیں۔

"یا معشر قریش۔ حاجیوں کو پانی پلانے میں سخت تکلیف ہوتی ہے۔ اگرچہ سقایہ کا فرض ہمارے ذمّے ہے۔ لیکن آپ کو خوب معلوم ہے کہ یہ کس قدر دشوار کام ہے۔ کیونکہ اس شہر میں پانی کی قلّت ہے۔ مجھے متواتر تین راتوں سے خواب[۵] میں کہا جا رہا ہے کہ اُٹھ ــــ اور زمزم کی کھُدائی کر اور وہ جگہ بھی بتا دی گئی ہے جہاں زمزم موجود ہے۔ تم میرا ساتھ دو تاکہ ہم مل کر اسے کھود سکیں۔"

یہ سُن کر ایک آدمی اُٹھتا ہے اور نہایت لاپرواہی سے کہتا ہے۔

"اے سردار مکّہ۔ یہ خواب محض وہم ہے زمزم کا ڈھونڈھ نکالنا ممکن نہیں۔"

دوسرا بولتا ہے "سردار مکّہ۔ ہمیں وہ جگہ تو دکھاؤ۔"

اس پر مجمع میں ایک ہیجان سا پیدا ہو جاتا ہے۔ اور بیک وقت کئی آوازیں آتی ہیں "ہاں۔ ہاں۔ ہمیں وہ جگہ دکھاؤ۔"

عبدالمطلب انہیں اپنے ساتھ لے کر اس جگہ پہنچتے ہیں اور کہتے ہیں۔

"یہ ہے وہ جگہ۔ جہاں چاہِ زمزم موجود ہے۔"

حاضرین اس جگہ کو دیکھ کر سخت ناگواری محسوس کرتے ہیں۔ اور ایک آدمی کہتا ہے۔

"سردار مکّہ۔ ذرا سوچو تو سہی۔ ہم اس جگہ کو کیسے کھود سکتے ہیں جب کہ اس کے دونوں طرف ہمارے دیوتا کھڑے ہیں ان کے ہوتے ہوئے ہم اس جگہ کو کھود کر اپنی تباہی کا سامان کیونکہ پیدا کر لیں۔"

عبدالمطلب نہایت تحمل سے جواب دیتے ہیں۔

"ان کے بت یہاں سے اکھاڑ کر کسی دوسری جگہ نصب کرلو۔"

ایک آدمی سخت جھنجلاہٹ کے عالم میں کہتا ہے۔

"انہیں یہاں سے ہرگز نہیں ہٹایا جاسکتا۔ یہ اسی جگہ رہیں گے۔ زمزم کا برآمد ہونا محض ایک واہمہ ہے۔ اور اس طرح کی موہوم امیدوں پر تکیہ کرکے دیوی دیوتاؤں کو ناراض کرنا سخت حماقت ہے۔ ہم تمہارا ساتھ ہرگز نہیں دے سکتے۔ ہم اساف اور نائلہ کو ناراض نہیں کرسکتے۔"

اس پر سارا مجمع چیخ چیخ کر کہتا ہے۔

"ہم تمہارا ساتھ ہرگز نہیں دے سکتے۔ ہم اپنی تباہی مول لینے کے لیے ہرگز تیار نہیں ہیں۔"

عبدالمطلب کو اپنے خواب کی صداقت پر پورا پورا یقین ہے۔ اس لیے وہ نہایت پُراعتماد لہجہ میں کہتے ہیں۔

"اگر تم میرا ساتھ نہیں دینا چاہتے ——— نہ دو ——— تمہاری مرضی۔ میں اس جگہ کو تنہا کھودوں گا۔ پھر اگر تباہی آتی ہے تو مجھے اس کی پروا نہیں۔ تم اپنی فکر کرو۔ میں زمزم کی کھدائی ضرور کروں گا۔"

مجمع طرح طرح کی فضول باتیں کرتے ہوئے منتشر ہوجاتا ہے اور عبدالمطلب اپنے اکلوتے بیٹے حارث کو ساتھ لے کر چاہ زمزم کی کھدائی شروع کردیتے ہیں حتیٰ کہ تین روز کی مسلسل کھدائی کے بعد بنو جرہم کی پھینکی ہوئی تلواریں اور زرہیں برآمد ہونے لگتی ہیں۔ آپ خوشی سے نعرہ لگاتے ہیں اور قریش کے وہ افراد جو شروع میں اس کھدائی کے سخت مخالف تھے۔ اور جنہیں اپنے دیوی دیوتاؤں کا بے حد خوف تھا۔ قریب آجاتے ہیں اور آپ کی کامیابی کو رشک کی نگاہ سے دیکھتے ہوئے کہتے ہیں۔

"سردار مکہ۔ ہم سے غلطی ہوگئی کہ ہم نے آپ کا ساتھ نہ دیا۔ اگر آپ اجازت دیں تو ہم اب اس کھدائی میں شریک ہوجائیں۔"

عبدالمطلب "ہرگز نہیں ۔ مَیں تمہیں کسی حال میں شریک نہ کروں گا جب مَیں نے تمہیں مدد کے لیے پکارا تھا۔ تو تم نے نہ صرف انکار کر دیا تھا بلکہ میری مخالفت پر آمادہ ہو گئے تھے ۔ اب جب کہ میری محنت کا پھل نظر آنے لگا ہے تو تم اس میں حصہ دار بننا چاہتے ہو ۔ مَیں تم کو اس کام میں کبھی شریک نہ کروں گا ۔ میں اسے اکیلا ہی کھودوں گا ۔ اور سب لوگوں کے لیے وقف کر دوں گا "

لوگ اپنا سا مُنہ لے کر رہ جاتے ہیں ۔

عبدالمطلب نے کئی روز کی محنت شاقہ کے بعد چاہ زمزم کو مکمل طور پر کھود لیا ہے ۔ پانی بھی نکلنے لگا ہے ۔ اور اب لوگ جوق در جوق اسے دیکھنے کے لیے آتے اور آپس میں چہ میگوئیاں کرتے ہوتے واپس چلے جاتے ہیں ۔ وہ کہہ رہے ہیں ۔

" ہم تو عبدالمطلب کو دیوانہ سمجھتے تھے ۔ مگر وہ اپنی دُھن کے پکے نکلے ۔ ہمارا خیال تھا دیوتا انہیں تباہ کر دیں گے لیکن وہ تو کامیاب رہے ۔ شاید ہمارے دیوتا ان پر مہربان ہو گئے ہیں "

عبدالمطلب نے زرہوں اور تلواروں سے کعبہ کا دروازہ بنا دیا ہے ۔ سونے کے دونوں ہرن اس کے اندر رکھوا دیتے ہیں ۔ اور نذرانوں کی جو چیزیں صحیح و سالم ملی ہیں انہیں بھی کعبہ میں جمع کر دیا ہے ۔ ان کا وقار بڑھ گیا ہے ۔ ان کی محنت کے صدقے میں لوگوں کو ٹھنڈے اور میٹھے پانی کا کنواں مل گیا ہے جس میں کبھی کمی نہیں آتی جس کا پانی شافی امراض ہے ۔ بھوک میں سیری بخشتا ہے ۔ پیاس کو مٹاتا اور تازگی پیدا کرتا ہے ۔ یہ فیض آج تک جاری ہے اور اس میں کبھی کمی نہیں ہوتی ۔

22574381 → My cell no

۳

حضورؐ کے دادا عبدالمطلب ۔ چاہِ زمزم کی کھدائی کے بعد نقاہت سی محسوس کرتے ہیں اگرچہ اس کنوئیں کے برآمد ہونے سے ان کی شہرت کو چار چاند لگ گئے ہیں ۔ لوگوں کو بے حد فائدہ ہوا ہے ۔ حاجیوں کے لیے فراہمیِ آب کا کٹھن مسئلہ بھی حل ہو گیا ہے ۔ لیکن عبدالمطلب کو اس کھدائی کے بعد یوں محسوس ہونے لگا ہے جیسے وہ اس بھری پُری دنیا میں یکہ و تنہا ہیں ۔ وہ حرمِ کعبہ میں موجود ہیں اور دیوارِ کعبہ سے پُشت لگائے سوچ رہے ہیں ۔

" قریش کو ابھی تک اجتماعی مفاد کی قدر و قیمت کا اندازہ نہیں ہو سکا بلکہ ہر شخص کی سوچ کا محور انفرادی سود و زیاں تک ہی محدود ہے ۔ چاہ زمزم کی کھدائی سے یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ اگر میرے اپنے دست و بازو قوت سے محروم ہو گئے تو میری وقعت میں کمی آ جائے گی ۔

حارث میرا اکلوتا بیٹا بے شک بڑا فرماں بردار اور محنتی ہے ۔ لیکن اکیلا ہی تو ہے ۔ بھائی بازو ہوتے ہیں اگر اس کے بھی اور بھائی ہوتے تو ہم یہ کام آسانی سے کر سکتے تھے ۔ بیٹوں کی کثرت پر فخر و مباہات صرف قریش ہی کا خاصہ نہیں ہے بلکہ سارے عرب میں قوت و اقتدار کا انحصار بیٹوں کی کثرت پر مبنی ہے —— کاش میرے بہت سے بیٹے

ہوتے اور مَیں حسبِ منشا ہر کام اپنی ہمت اور ارادے کیمطابق سرانجام دے سکتا۔"

وہ تھوڑی دیر تک اس نہج پر سوچتے ہوئے دُور خلاؤں میں گھورنے لگتے ہیں پھر یکایک اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور دبے پاؤں کعبہ کے اندر داخل ہو جاتے ہیں۔ اب انہوں نے ایک دیوار کا سہارا لے لیا ہے اور ہاتھ اٹھا کر دعا مانگ رہے ہیں۔

"اے اللہ۔ تُو خالقِ اکبر ہے جسے جو چاہتا ہے دیتا ہے۔ تیرے خزانے میں کسی چیز کی کمی نہیں ہے۔ مَیں تجھ سے دعا کرتا ہوں مجھے دس بیٹے دے تاکہ مَیں تیرے اس گھر کی زیادہ بہتر طریقے سے خدمت کر سکوں۔ مَیں تجھ سے وعدہ کرتا ہوں کہ اگر میرے دس بیٹے میری زندگی میں ہی جوان ہو جائیں تو ایک بیٹے کو تیری راہ میں قربان کر دوں گا۔"

یہ بہت بڑی بات تھی لیکن زیادہ بیٹوں کی ضرورت کا احساس ان کے رگ و پے پر مسلّط ہو چکا تھا۔ اس لیے ایک بیٹے کی قربانی دینے کا اقرار کرتے وقت انہیں ذرا بھی جھجک محسوس نہ ہوئی۔ یہ دُعا ان کے دل کی گہرائیوں سے نکلی تھی، اس لیے قبول ہو جانے کا یقین ہو چکا تھا۔ اب ان کے چہرے پر سکون اور شادمانی کی لہریں ہویدا تھیں۔ وہ اسی عالم میں کعبہ کے باہر آئے اور آہستہ آہستہ قدم اُٹھاتے ہوئے اپنے گھر چلے گئے۔

خالق اکبر دُعاؤں کو سُنتا ہے۔ جسے جو چاہتا ہے دیتا ہے۔ اچھی اور نیک دعاؤں کو بندے کے نامۂ اعمال میں شامل کر دیتا ہے تاکہ ان کے ثواب سے محروم نہ رہے۔ دعا اگر دل کی گہرائی سے نکلے تو اثر رکھتی ہے۔ مقصد کی لگن ہو۔ معبودِ برحق پر یقین ہو۔ طبیعت میں گداز ہو تو دُعا کے قبول ہونے کا ثبوت سکون اور اطمینانِ قلب کی صورت میں اُسی وقت ظاہر ہو جاتا ہے۔

اللہ ربّ العزّت کو وہ بندے بہت پسند ہیں جو نہایت عاجزی سے دُعا مانگتے اور اپنے پروردگار کی رحمت کے امیدوار رہتے ہیں۔ جنہیں مایوسی نہیں

ستاتی۔ جن کی زبانیں اس کا ذکر کرتے ہوئے تھکاوٹ محسوس نہیں کرتیں۔ بلکہ اس سے حلاوت پاتی ہیں۔ بڑے سرکش اور نادان وہ لوگ ہیں جو اللہ سے مانگتے ہی نہیں۔ اور اگر کبھی ادھر رجوع کرتے بھی ہیں تو مانگنے کے آداب کو ملحوظ نہیں رکھتے۔ بس رواروی میں بہت کچھ کہہ جاتے ہیں اور فوراً ہی اس کا جواب نہ ملنے کی وجہ سے مایوس ہو کر بدگمانی کا شکار ہو جاتے ہیں۔

عبدالمطلب کی دُعا مقبول ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے انہیں دس بیٹے دیئے۔ جو ان کی زندگی ہی میں جوان ہوئے۔ وہ بیٹوں کی کثرت پر مغرور نہ تھے۔ مسرور تھے۔ نازاں نہ تھے۔ شاداں تھے۔ لیکن انہیں اپنی منت پوری کرنے کا خیال نہ رہا تھا۔ اس لیے ایک رات جب کہ وہ محوِ خواب تھے کسی نے انہیں پُکار کر کہا۔

"عبدالمطلب۔ اُٹھ اور اپنی منت پوری کر۔"

آپ ہڑبڑا کر اُٹھے۔۔ دیکھا تو آس پاس کوئی بھی نہیں ہے۔ اندھیری رات ہے اور سنسان کوٹھڑی جس میں آپ اپنے بستر پر پڑے ہیں۔ وہ تھوڑی دیر تک خیالات میں غلطاں رہے۔ پھر آنکھ لگ گئی۔ اور خواب میں دوبارہ کسی نے کہا۔

"عبدالمطلب اُٹھ اور اپنی منت پوری کر۔"

آپ گھبرا کر بیدار ہو گئے اور باقی رات آنکھوں میں ہی کاٹ دی۔

طلوعِ آفتاب کے بعد آپ نے اپنے بیٹوں کو بُلایا اور کہا:

"میرے بچو۔ میں نے اللہ سے اقرار کیا تھا کہ اگر میرے ہاں دس بیٹے ہوں اور وہ سب میری آنکھوں کے سامنے جوان ہوں۔ تو میں ایک بیٹا تیری راہ میں قربان کروں گا۔ خدا کا شکر ہے اس نے مجھے دس بیٹے دیئے۔ اور دسوں ہی جوان بھی ہوئے۔ آج رات مجھے خواب میں کسی نے اپنی منت پوری کرنے کا اقرار یاد دلایا ہے۔ بتاؤ تمہاری کیا رائے ہے۔"

عبدالمطلب کے بیٹوں نے باری باری کہا:

"ابو۔ ہم آپ کے حکم پر سر کٹوانے کے لیے تیار ہیں۔ ہمیں اس میں کوئی اعتراض نہیں ہے۔ آپ جس کو چاہیں قربانی کر کے اپنی منت پوری کریں۔ آپ کے حکم کی تعمیل میں جان دینا ہماری سب سے بڑی سعادت ہے۔

ہمارے دادا حضرت اسماعیل علیہ السلام نے بھی اپنے والد مکرم کے حکم پر سر جھکا دیا تھا۔ ہم بھی سر جھکاتے ہیں آپ ہمیں ہر حال میں فرماں بردار پائیں گے۔"

فرماں بردار اولاد باپ کے لیے خوشی کا پیغام لاتی ہے۔ اس کی زندگی کو رشک بہار بناتی ہے۔ کامیابی و کامرانی کے سدا بہار پھول کھلاتی ہے۔

عبدالمطلب کی اولاد فرماں بردار تھی۔ وہ خوشی سے چہک اُٹھے۔

"تم میں سے کس کو قربان کروں؟" انہوں نے پوچھا۔

"آپ جس کا نام لیں اُسے تیار پائیں گے۔" بیٹوں نے یک زبان ہو کر کہا۔

"میں قرعہ اندازی کرتا ہوں۔ جس کا نام نکلے گا وہی قربان کیا جائے گا۔"

عبدالمطلب یہ کہہ کر انہیں اپنے ساتھ کعبہ میں لے آئے۔ اور قرعہ ڈالنے والے پجاری سے اپنا مقصد بیان کیا۔ اس نے دس تیر لیے۔ ہر ایک پر ایک ایک بیٹے کا نام لکھا اور پھر ہُبل کے آستانے پر تیر رکھ کر قرعہ اندازی کی۔ خدا کی قدرت دیکھیے عبدالمطلب کے بیٹوں میں سے اُس کا نام نکلا جو انہیں سب سے زیادہ عزیز تھا۔ جو شکل و صورت اور فہم و فراست میں دوسروں سے ممتاز تھا۔

یہ جنابِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پدر بزرگوار جنابِ عبداللہ ہیں۔ جو اپنے والد کے حکم پر سر تسلیم خم کیے ہوئے ہیں۔

اِدھر قربان گاہ میں اس قربانی کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ شہر میں اس کی دھوم مچ

گئی ہے۔ اور اُدھر جناب عبداللہؓ کے ننھیالی بپھر گئے ہیں کہ ہم ایسا ہرگز نہیں ہونے دیں گے۔ ہم اپنے نواسے کو کسی قیمت پر قربان نہیں ہونے دیں گے۔ وہ ہتھیار سجائے جوق در جوق حرم کعبہ میں آ رہے ہیں۔ ان کی طرف دیکھ کر جناب عبداللہ کا ماں جایا بھائی ابوطالبؓ بھی اس قربانی کے خلاف مجسم احتجاج بن گیا ہے۔ یہ شور و شغب بڑھتا ہی جا رہا ہے۔ لوگوں کا ایک ہجوم حرم میں جمع ہو گیا ہے اور ہر شخص سردارِ مکہ عبدالمطلب کو اپنے بیٹے کی قربانی سے باز رہنے کی تلقین کر رہا ہے لیکن عبدالمطلب باآواز بلند کہہ رہے ہیں۔

"میں نے اللہ سے وعدہ کیا تھا کہ دس بیٹوں کے جوان ہونے پر ایک بیٹا اس کی راہ میں قربان کر دوں گا اب اس کا وقت آ گیا ہے۔ میں یہ اقرار ہر حال میں پورا کروں گا۔ میں عبداللہ کو ضرور قربان کروں گا ـــــ خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو ـــــ کوئی مجھے اس ارادہ کی تکمیل سے باز نہیں رکھ سکتا۔"

جناب عبداللہ کے ننھیال مرنے مارنے پر تُل گئے ہیں۔ اور معاملہ زیادہ سنگین صورت اختیار کر گیا ہے۔ ابوطالب بھی اپنے بھائی کی حمایت میں بہت فعال نظر آتے ہیں ـــــ زندگی اور موت کے اس کھیل کی انتہائی کربناک گھڑیاں گزر رہی ہیں اور بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ خونریزی تک نوبت آ جائے گی لیکن مغیرہ بن عبداللہ بن عمرو بن مخزوم جو پیرانہ سالی اور تجربہ کاری کی وجہ سے بہت معروف ہے۔ آگے بڑھ کر کہتا ہے۔

"سردارِ مکہ۔ آپ عبداللہ کا خون بہا ادا کر دیجئے۔ اس طرح آپ کی منت بھی پوری ہو جائے گی اور عبداللہ بھی موت کے گھاٹ اُترنے سے بچ جائیں گے۔"

یہ آواز مجمع میں صورِ اسرافیل کی طرح گونج اُٹھتی ہے۔ اور مختلف آوازوں کے درمیان ایک مشترک آواز سنائی دیتی ہے۔

"خون بہا ادا کر دو۔ عبداللہ کو چھوڑ دو۔"

عبدالمطلب سوچ میں پڑ جاتے ہیں۔ "یہ بھی ٹھیک ہے۔" انہوں نے کہا "میں کاہنہ سے دریافت کرتا ہوں۔"

"ہاں ہاں۔ کاہنہ کے پاس چلو۔" مجمع میں سے کئی لوگ پکار اُٹھتے ہیں۔

عبدالمطلب عبداللہ کو لیے ہوئے مکّہ کی مشہور کاہنہ کے پاس پہنچتے ہیں۔ ہجوم آپ کے ساتھ ہے۔ کاہنہ ساری باتیں سُن کر کہتی ہے۔

"عبداللہ کے عوض اونٹ ذبح کر دو۔"

عبدالمطلب "کتنے اونٹ"

کاہنہ "جتنے قرعہ اندازی میں تمہارے بیٹے کے نام نکلیں"

عبدالمطلب "مجھے منظور ہے۔"

کاہنہ قرعہ اندازی کرتی ہے اور اونٹوں کی تعداد بڑھتے بڑھتے ایک سو تک پہنچ جاتی ہے۔ کاہنہ اعلان کرتی ہے کہ عبداللہ کے عوض سو اونٹ قربان کیے جائیں۔ عبدالمطلب اطمینانِ قلب کی خاطر کاہنہ سے دوبارہ قرعہ اندازی کرتے ہیں اور اب کی دفعہ بھی عبداللہ کے عوض میں سو اونٹوں والا پانسہ نکلتا ہے۔ ان کا چہرہ خوشی سے گلنار ہو جاتا ہے۔

قربان گاہ پر سو اونٹ ذبح کر دیئے جاتے ہیں۔ عبدالمطلب کی منت پوری ہو جاتی ہے اور جناب عبداللہ زندگی کی چند بہاریں دیکھنے کے لیے زندہ رہتے ہیں۔

رحمۃ للعالمینؐ کے والد بزرگوار جناب عبداللہ کے صدقے میں انسانی شرف کا احیاء یوں ہوتا ہے کہ عرب میں اس سے پہلے دیت کے طور پر کچھ اونٹ دیئے جاتے تھے۔ اب ان کی تعداد بڑھا کر سو کر دی گئی ہے۔ اس طرح قتل و غارت گری کے انسداد کی ایک بنیاد فراہم ہو گئی ہے۔

۴

جنابِ عبداللہ حسن و جمال میں مثلِ مہتاب تھے۔ اور سیرت و کردار میں اپنی مثال آپ یوں تو مکہ میں پہلے سے ہی ان کی شہرت تھی لیکن واقعۂ نذر کی وجہ سے ان کا چرچا گھر گھر ہونے لگا۔ اور بہت سی عورتوں نے انہیں اپنی امیدوں کا محور بنا لیا۔ اگرچہ اشارہ و کنایہ سے کئی دفعہ اس بات کا اظہار ہوا لیکن جناب عبداللہ کسی کی طرف بھی ملتفت نہ ہوئے۔

مکہ کی ایک امیر عورت فاطمہ بنت مرالخثعمیہ[۲۲] نے ایک روز بڑے والہانہ انداز میں اظہارِ محبت کیا۔ اور زنانِ مصر کی طرح اِس یوسفِ مکہ کو بہکانے اور پھسلانے میں کوئی کسر باقی نہ چھوڑی لیکن جنابِ عبداللہ نے اس کی کسی بات کا اثر نہ لیا۔ فاطمہ نے سو اونٹ بطورِ عطیہ دینے کا وعدہ کر کے انہیں اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کی لیکن انہوں نے اس کی درخواست کو رد کرتے ہوئے کہا۔

"فعل حرام کا ارتکاب کرنے سے تو مرجانا ہی بہتر ہے۔
حلال کو بے شک میں بھی پسند کرتا ہوں لیکن اس کے لیے اعلان ضروری ہے۔
تو مجھے بہکاتی اور پھسلاتی ہے۔
مگر شریف آدمی کو لازم ہے کہ اپنی عزت اور دین کی حفاظت کرے"!

فاطمہ اپنا سا منہ لے کر رہ جاتی ہے۔ اور آئندہ اسے جنابِ عبداللہ کو بہکانے کی ہمت تک نہیں ہوتی۔ یہ آپ کی عزتِ نفس کا ایک تاریخی واقعہ ہے۔

عبدالمطلب اپنے اس بیٹے کے لیے مناسب رشتہ کی تلاش میں تھے۔ وہ حسب و نسب اور عزّ و شرف میں بہترین کفو کے متلاشی تھے۔ اس جستجو میں وہ بنو زہرہ کے سردار وہب بن عبد مناف بن زہرہ بن مُرّہ کے ہاں گئے انہوں نے وہب کی بیٹی آمنہ کے متعلق سُن رکھا تھا کہ وہ قریش کی تمام دوشیزاؤں میں ہر لحاظ سے افضل ہے۔ لہٰذا اپنے بیٹے عبداللہ کے لیے وہب سے آمنہ کا رشتہ مانگا جسے وہب نے بطیب خاطر قبول کر لیا۔ کیونکہ وہ جناب عبداللہ کی شہرت و نیک نامی سے بخوبی واقف تھا۔ چنانچہ[۲۳] آمنہ کا نکاح عبداللہ سے ہو گیا۔ اس وقت جناب عبداللہ کی عمر چوبیس سال تھی۔

اس مبارک جوڑے پر اللہ کی رحمتیں نثار ہوئیں اور تھوڑے ہی عرصہ میں سیدہ آمنہ نور محمدی کی امانت دار بن گئیں۔ بڑی بوڑھیوں نے اپنی روایات کے مطابق سیدہ سے کہا کہ حمل کے دنوں میں کچھ لوہا گردن میں لٹکا لیں اور کچھ بازو (ؤں) سے باندھ لیں۔ آپ نے ان کی بات مان لی۔ لیکن چند روز بعد جب معلوم ہوا کہ یہ سب چیزیں گر گئی ہیں تو دوبارہ باندھنے سے انکار کر دیا۔

۵

قریش کی شہرت[۲۴] و عظمت کا راز کعبہ کے متولی ہونے اور حصولِ معاش کے لیے تجارت کو اپنانے میں تھا۔ ان کی تجارت کا سلسلہ مشرق میں یمن اور مغرب میں شام تک پھیلا ہوا تھا۔ وہ سال میں ایک مرتبہ سامانِ تجارت لے کر شام ضرور جایا کرتے تھے۔ ان کے قافلے پورے عرب میں بلا خوف و خطر سفر کیا کرتے تھے اور کسی کو ان پر ہاتھ ڈالنے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ کیونکہ وہ پاسبانِ حرم تھے۔ جو عرب میں امن کا گہوارہ تھا۔

اس سال بھی شام کو جانے والا قافلہ روانگی کے لیے تیار کھڑا ہے۔ا عبدالمطلب نے جنابِ عبداللہ کو اس قافلہ کے ساتھ جانے کا حکم دے دیا ہے۔ اس کی خبر سیدہ آمنہ کو بھی مل گئی ہے۔ انہیں اپنے شوہر کی جدائی کا قلق تو ہے لیکن باپ کا حکم اور حصولِ معاش کا مسئلہ ہے۔ اس لیے آپ خاموش ہیں۔ جنابِ عبداللہ روانگی سے قبل سیدہ آمنہ کو الوداع کہنے کے لیے گھر آتے ہیں تو جناب آمنہ پوچھتی ہیں۔

"سرتاج۔ واپسی کب تک ہو گی؟"

عبداللہ "مکہ سے شام تک کا سفر ایک ماہ میں طے ہو گا تقریباً مہینہ وہاں بھی لگ جائے گا اس طرح اندازاً تین ماہ کے بعد واپسی ہو گی۔"

آمنہ "آہ۔ اس قدر طویل عرصہ ــــ"

عبداللہ "ہاں۔ اس قدر طویل عرصہ ــــ"

آمنہ "آپ تو سفر کی دلچسپیوں سے دل بہلا لیں گے لیکن آپ کے بغیر یہ تنہائی۔

یہ وحشت ـــ آہ ـــ میرا کیا ہوگا "

عبداللہ "مجھے تمہارے جذبات کا پورا پورا احساس ہے۔ ہماری شادی کو ابھی دو ماہ ہی گزرے ہیں۔ ہم نے ایک دوسرے کو جی بھر کر دیکھا بھی نہیں ہے۔ اس لیے جُدائی کا احساس بے چین کیے دیتا ہے "

آمنہ "آپ جائیے۔ خدا آپ کا حامی و ناصر ہو۔ میں آپ کی یاد میں کھو جاؤں گی۔"

عبداللہ "اللہ تمہیں صبر و استقامت دے۔ مجھے ہمت و استقلال سے نوازے۔ جُدائی کے یہ دن جُوں تُوں کر کے گزر جائیں گے۔ ہم انشاء اللہ جلد ہی ایک دوسرے کی دید سے شاد کام ہوں گے۔ ہماری محبت کے خاموش نغمے ہماری تنہائیوں کے مونس و غم خوار بن جائیں گے "

آمنہ "خدا آپ کو خیر و عافیت سے واپس لائے "

عبداللہ "خدا تمہارا حامی و ناصر ہو "

قافلہ روانہ ہو جاتا ہے جناب آمنہ بالاخانے کے دریچے سے ٹکٹکی باندھے اونٹوں کی قطار کو دیکھ رہی ہیں۔ جناب عبداللہ اونٹ پر سوار ہیں۔ قافلہ رفتہ رفتہ ایک لکیر کی مانند دکھائی دینے لگتا ہے۔ اور کچھ دیر کے بعد پہاڑ کی اوٹ میں چھُپ جاتا ہے ـــ سیدہ آمنہ کے دل کی دھڑکن تیز ہو جاتی ہے۔ ان کے لیے اپنے محبوب شوہر سے اس قدر طویل جُدائی کا یہ پہلا تجربہ ہے۔ اس لیے بے قرار ہو گئی ہیں۔ آنکھوں میں آنسو تیرنے لگتے ہیں اور وہ انجانی سی دُنیا میں کھو گئی ہیں۔

۶

تین ماہ کا طویل عرصہ گزر چکا ہے جناب آمنہ نے اسے جس کرب و اذیت کے عالم میں گزارا ہے اس کی چبھن کا پتہ اس وفادار بیوی سے پوچھیے جو نوجوان ہو۔ جسے اپنے شوہر سے بے حد محبت ہو۔ جس کی شادی کو صرف دو ماہ گزرے ہوں۔ اور اس کا محبوب شوہر طویل عرصہ کے لیے اس سے دور چلا گیا ہو۔

انہیں قافلہ کی واپسی کا شدید انتظار ہے وہ روزانہ بالاخانے کے دریچے سے قافلہ کی راہ تکتی ہیں لیکن مایوسی کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ آخر خدا خدا کر کے اس طویل انتظار کے دبیز پردے چاک ہوتے ہیں اور جرس کارواں کی صدا سنائی دیتی ہے۔ جنابِ آمنہ کا دل بلیوں اچھلتا ہے۔ انہیں اپنے محبوب کی دید کا شوق مضطرب کر دیتا ہے۔ وہ بے خودی کے عالم میں بالاخانہ کے دریچے سے دیکھنے لگتی ہیں۔ قافلہ فرودگاہ میں داخل ہو چکا ہے۔ ان کی آنکھیں اپنے سرتاج کو ڈھونڈتی ہیں لیکن نگاہیں ہر بار ناکام لوٹتی ہیں۔

"خدایا خیر ہو وہ نظر نہیں آتے" جنابِ آمنہ کے دل سے ہوک سی اٹھتی ہے اور انتہائی بے قراری کے عالم میں بالاخانہ سے نیچے آجاتی ہیں تاکہ کنیز کو بھیج کر جناب عبدالمطلب سے معلومات حاصل کریں۔ وہ اسی اضطراب کے عالم میں ہیں کہ گھر کا دروازہ کھلتا ہے اور جناب عبدالمطلب اندر داخل ہوتے ہیں۔

ان کا چہرہ اُترا ہوا ہے۔ پیشانی پر تھکن کے آثار ہویدا ہیں۔ قدم ڈگمگا رہے

ہیں انہیں اس حال میں دیکھ کر جناب آمنہ کا دل ڈوبنے لگتا ہے۔ جناب عبدالمطلب آہستہ آہستہ قدم اُٹھاتے ہوئے قریب آجاتے ہیں۔ ان کے لبوں پر مُہرِ خاموشی ہے۔ جناب آمنہ نے انہیں آج تک اس قدر خاموش کبھی نہ دیکھا تھا۔ ان کے چہرہ پر ہمیشہ بشاشت کی لہریں کھیلا کرتی تھیں۔ لیکن آج وہاں حُزن و ملال کی لکیریں نظر آرہی ہیں۔ جناب آمنہ کی بے تابی بڑھ جاتی ہے۔ اور آگے بڑھ کر بے اختیار پوچھتی ہیں۔

"ابّا، خیریت تو ہے — آپ اس قدر اُداس کیوں ہیں۔"

عبدالمطلب کی نگاہیں جناب آمنہ کی طرف اٹھتی ہیں۔ ان کی آنکھوں میں آنسو ہیں جنہیں دیکھ کر آمنہ کے مُنہ سے ہلکی سی چیخ نکل جاتی ہے۔

"ابّا۔ چھوٹے سردار۔"

وہ بات پوری کرنے سے پہلے ہی بے ہوش ہو کر گر پڑتی ہیں۔ سردار عبدالمطلب کی سسکیاں دیواروں سے ٹکرانے لگتی ہیں۔ گھر کے کچھ افراد یہ دل گداز منظر دیکھ کر فوراً وہاں پہنچ جاتے ہیں۔ جناب آمنہ کے مُنہ پر پانی کے چھینٹے مارے جاتے ہیں۔ پنکھے سے ہوا کی جاتی ہے۔ اور تھوڑی دیر بعد وہ آنکھیں کھول دیتی ہیں۔ سردار عبدالمطلب کی ڈبڈبائی ہوئی آنکھیں زبانِ حال سے بہت کچھ کہہ رہی ہیں۔ جناب آمنہ روتے ہوئے پوچھتی ہیں۔

"ابّا۔ چھوٹے سردار کو کیا ہوا۔"

عبدالمطلب "بیٹی وہ ہمیں روتا ہوا چھوڑ گئے ہیں۔ شام سے واپسی پر وہ یثرب[25] میں بیمار پڑے مجھے اس کی اطلاع ملی تو میں نے اسے تم سے چھپایا۔ مجھے معلوم تھا تم وہاں جانے کے لیے بے چین ہو جاؤ گی۔ میں نے حارث کو یثرب بھیجا تاکہ عبداللہ کو لے آئے۔ آہ۔ حارث کے پہنچنے سے پہلے ہی عبداللہ کو موت نے ہم سے چھین لیا۔ جب حارث وہاں پہنچا تو اسے[26] دفن بھی کر دیا گیا تھا۔ وہ اس قافلہ کے ساتھ آج ہی واپس

آیا ہے ــــــ بیٹی کاش میں یہ خبر سنانے کے لیے زندہ نہ رہتا۔"

جناب آمنہ فرطِ غم سے تصویر بن کر رہ گئی ہیں۔ ان کی آنکھیں خشک اور زبان خاموش ہے۔ وہ بے حس و حرکت کھڑی ہیں۔ سردار عبد المطلب آگے بڑھ کر انہیں شفقت سے تھپکی دیتے ہوئے کہتے ہیں۔

"صبر کرو۔ بیٹی۔ اب صبر کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے۔"

جناب آمنہ کو جیسے اس تھپکی سے ہوش آگیا ہو۔ بے اختیار رونے لگتی ہیں۔ گھر میں کہرام سا مچ جاتا ہے۔ بوڑھے سردار کا صبر آنسوؤں کے سیلاب میں بہہ نکلتا ہے۔ ان کی ہمت جواب دے جاتی ہے عبد اللہ کی تصویر ان کی آنکھوں کے سامنے مسکراتی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔ دل میں شفقت پدری کا طوفان اُٹھ کھڑا ہوتا ہے۔ اور وہ سر جھکائے گھر سے باہر نکل جاتے ہیں۔

جنابِ آمنہ اب کھوئی کھوئی سی رہنے لگی ہیں۔ کبھی بالاخانے کے دریچے سے شام کو جانے والی راہ کو تکتی رہتی ہیں۔ کبھی عروسی جوڑے کو دیکھا کرتی ہیں۔ ان کے آنسو خشک ہو چکے ہیں۔ لیکن دل کی گہرائیوں میں سردار عبد اللہ کی یاد ہر وقت تازہ رہتی ہے۔ جدائی کے زخم رستے ہیں۔ بیتے دنوں کی یاد کچوکے دیتی ہے۔ اور وہ گُم سُم سی ہو کر رہ جاتی ہیں تو سردار عبد اللہ کی کنیز برکہؓ ان کے شانوں کو آہستہ آہستہ ہلاتی اور پوچھتی ہے۔

"مالکن حضور۔ آپ چُپ کیوں ہو گئی ہیں۔ آخر کب تک یُوں اپنی جان کو ہلکان کرتی رہیں گی۔ چھوٹے سردار کے غم نے تو آپ کو دیوانہ کر دیا ہے۔"

اب جناب آمنہ کے لیے زندگی میں اگر کوئی دلچسپی ہے تو صرف سردار عبد اللہ کے ہونے والے بچے کی وجہ سے ہے۔ غم و الم کی اتھاہ گہرائیوں میں انہیں کبھی یُوں محسوس ہوتا ہے جیسے سردار عبد اللہ کہہ رہے ہوں۔

"آمنہ۔ حوصلہ رکھو۔ اور سمجھنے کی کوشش کرو کہ تمہارے کوکھ میں

کون پرورش پا رہا ہے۔"

اس پر جناب آمنہ چونک اٹھتی ہیں۔ انہوں نے کئی بار خواب میں دیکھا ہے کہ ایک بزرگ کہہ رہے ہیں۔

"آمنہ۔ نومولود کا نام احمدؐ رکھنا۔"

آمنہ کا سہاگ اجڑ گیا ہے۔ دل کی دنیا ویران ہو گئی ہے۔ ارمان حسرتوں میں بدل گئے ہیں۔ امیدیں خاک میں مل گئی ہیں۔ سنہرے خواب خوابِ پریشاں بن کر رہ گئے ہیں۔ آرزوئیں جنم لینے سے پہلے ہی دفن ہو گئی ہیں۔ غم واندوہ سے سر دبال دوش ہے۔ لیکن نومولود کے متعلق جو بشارتیں ملتی ہیں۔ ان کی وجہ سے زندہ ہیں۔ ورنہ زندگی کا لطف جاتا رہا ہے۔ وہ سردار عبداللہ کی یاد میں اکثر یہ شعر پڑھ کر رویا کرتی ہیں۔

"ہاشم کا ایک فرزند بطحائی جانب جا کر چھپ گیا۔

وہ لحد میں بہادروں کی طرح بانگ وخروش کے ساتھ جا سویا۔

موت نے اسے پکارا اور وہ چلا گیا۔

افسوس موت نے اس کا نظیر بھی دنیا میں کوئی نہ چھوڑا۔

اس کے دوست شام کے وقت اس کی لاش اٹھالے چلے۔

اور از راہِ محبت وہ نوبت بہ نوبت کاندھا بدلتے اور اس کے

اوصاف باری باری بیان کرتے تھے۔

خواہ موت نے اسے ہم سے دور ہی کر دیا۔

مگر اس میں تو شک نہیں۔ کہ وہ بہت زیادہ سخی اور

غریبوں کا بہت زیادہ ہمدرد تھا۔" (عربی سے ترجمہ)

۷

بیت اللہ امن کا گھر ہے۔ عرب بھر میں اس کی مرکزیت مسلم ہے۔ قریش کی سیادت و قیادت کعبتہ اللہ کے متولی ہونے کی وجہ سے ہے۔ اس کی مقبولیت کو دیکھتے ہوتے ابرہہ[۳۰] شاہ یمن حسد کے مارے پیچ و تاب کھاتا ہے۔ اور اسے مٹانے کا عزم صمیم لے کر ساٹھ ہزار کا لشکر لے کر عازم مکہ ہو جاتا ہے۔ اس کے ساتھ افریقہ کے ہستینڈ[۳۱] نسل کے نو ہاتھی ہیں۔ جن میں سے ایک پر وہ خود سوار ہے۔ راستے میں بنی ثقیف بدرقہ کے طور پر ابو رغال کو اس کے ہمراہ بھیج دیتے ہیں۔ جو مکہ سے تین میل ورے ہی مر جاتا ہے لیکن ابرہہ اب مکہ کی حدود میں پہنچ چکا ہے۔ اس کا مقدمتہ الجیش اہلِ تہامہ اور قریش کے بہت سے مویشی لوٹ لیتا ہے۔ جس میں سردار مکہ عبدالمطلب کے دو سو اونٹ شامل ہیں۔ ابرہہ مکہ پر حملہ کرنے سے پہلے اپنے ایک سردار حناطہ[۳۲] حمیری کو بلا کر کہتا ہے۔

"تم مکہ جاؤ۔ اس کے سردار سے ملو اور اسے کہو کہ میں کعبہ ڈھانے کے لیے آیا ہوں۔ اگر تم مقابلہ کرو گے تو تباہ ہو جاؤ گے۔ نہ تمہارے پاس فوج ہے نہ طاقت۔ اپنی زندگیوں کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔ ہمارے لشکر سے کسی قسم کا تعرض نہ کرو۔ ہم اس عمارت کو گرا کر واپس چلے جائیں گے۔ ہمیں تم سے کوئی دشمنی نہیں۔ ہمارا مقصد صرف انہدام کعبہ ہے۔ اگر تم مقابلہ کرنے سے باز رہو تو اہلِ مکہ کی جان و مال کی سلامتی کی ضمانت دی

جا سکتی ہے۔"

حناطہ "آپ کا حکم سر آنکھوں پر۔ بندہ ابھی روانہ ہو جاتا ہے۔"

حناطہ حمیری مکہ میں داخل ہوتا ہے۔ لوگوں کو ابرہہ کے لشکر کی اطلاع مل چکی ہے اس لیے بدحواس ہو رہے ہیں۔ حناطہ لوگوں سے سردار مکہ کا پتہ پوچھتا ہے تو اسے بتایا جاتا ہے کہ عبدالمطلب سردارِ مکہ ہیں۔ وہ ان سے ملتا اور کہتا ہے

"میں ابرہہ شاہِ یمن کا ایلچی ہوں۔"

عبدالمطلب "آیئے۔"

حناطہ ہمارا بادشاہ کعبہ کو مسمار کرنے کے لیے ساٹھ ہزار کا لشکر لے کر آیا ہے۔ تم اس کا مقابلہ نہ کر سکو گے۔ اسے اہلِ مکہ سے کوئی پرخاش نہیں ہے۔ وہ صرف کعبہ کو گرانا چاہتا ہے۔ اگر تم اس کی راہ میں مزاحم نہ ہونے کا وعدہ کرو تو میں تمہیں اہلِ مکہ کی سلامتی کی ضمانت دے سکتا ہوں۔

عبدالمطلب "ہم تمہارے بادشاہ سے لڑنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ کعبہ اللہ کا گھر ہے۔ وہی چاہے گا تو اپنے گھر کو بچا لے گا۔"

حناطہ "تم میرے ساتھ بادشاہ کے پاس چلو۔ اور اپنی زبان سے یہ بات کہو۔"

عبدالمطلب حناطہ کے ساتھ چل دیتے ہیں۔ ابرہہ جب ایک وجیہہ اور پُر رُعب شخصیت کو آتے ہوئے دیکھتا ہے تو سمجھ جاتا ہے کہ یہی سردار مکہ ہے۔ وہ اُٹھ کر آپ کا استقبال کرتا ہے۔ اور اپنے پاس بٹھا کر کہتا ہے۔

"سردارِ مکہ۔ میں آپ سے بہت متاثر ہوا ہوں۔ کہیئے آپ کیا چاہتے ہیں۔"

عبدالمطلب۔ "میرے جو اونٹ آپ کے سپاہی پکڑ کر لے آئے ہیں۔ وہ مجھے واپس کر دیئے جائیں۔"

ابرہہ یہ انوکھی بات سُن کر حیران رہ جاتا ہے۔ اور بے اختیار بول اُٹھتا ہے۔

"یہ بات کہہ کر آپ نے خود کو میری نظروں سے گرا دیا ہے۔ کیا آپ کو معلوم نہیں کہ میں کعبہ کو گرانے کے لیے آیا ہوں۔ جو آپ کا اور آپ کے آباؤ اجداد کا دینی مرکز ہے۔ اس کے بارے میں تو آپ نے مجھ سے کچھ نہیں کہا اور اپنے اونٹوں کا مطالبہ شروع کر دیا ہے۔"

عبدالمطلب "میں تو صرف اپنے اونٹوں کا مالک ہوں۔ اور انہیں کے بارے میں آپ سے درخواست کر رہا ہوں۔ رہا یہ گھر تو اس کا مالک رب ہے۔ وہ اس کی حفاظت خود کرے گا۔"

ابرہہ "وہ بھی اس کو مجھ سے نہ بچا سکے گا۔"

عبدالمطلب "آپ جانیں اور وہ جانے۔"

ابرہہ آپ کے اونٹ واپس کر دیتا ہے۔ اور آپ مکہ لوٹ آتے ہیں۔

اہلِ مکہ پر خوف و ہراس کی لہر دوڑ گئی ہے۔ کسی کو کچھ نہیں سوجھتا۔ ہر شخص یہی سوچ رہا ہے کہ اب کیا ہوگا۔ اتنے میں عبدالمطلب واپس آ کر اعلان کرتے ہیں کہ سب لوگ اپنے اہل و عیال کو لے کر پہاڑوں میں چھپ جائیں۔ اور شہر خالی کر دیں۔ تاکہ ان کا قتلِ عام نہ ہو۔ لوگ بدحواسی میں اپنے گھر خالی چھوڑ کر پہاڑوں میں چھپ گئے ہیں۔ اور عبدالمطلب چند سربرآوردہ قریشیوں کے ساتھ حرم میں داخل ہو جاتے ہیں۔

خانہ کعبہ میں اس وقت تین سو ساٹھ بُت رکھے تھے۔ اندرونی دیواروں پر حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہم السلام کی تصویریں بنی ہوئی تھیں۔ ان کے ہاتھوں میں پانسے کے تیر دکھائے گئے تھے۔ سب سے بڑا بُت ہبل تھا جسے جوفِ کعبہ میں نصب کیا گیا تھا۔ یہ عقیقِ احمر کا انسانی شکل کا ایک مجسمہ تھا۔ اس کا بایاں ہاتھ ٹوٹا ہوا تھا۔ لیکن قریش نے اس کی بجائے سونے کا ہاتھ لگوا دیا تھا۔ اس کے سامنے سات تیر رکھے رہتے تھے۔ جن سے پجاری قرعہ اندازی کیا کرتے تھے۔ اساف اور نائلہ زمزم کی جگہ پر تھے۔ قریش ان کے پاس قربانیاں دیا کرتے تھے۔ قریش کا ایک بُت مناف

تھا۔ اس کے علاوہ ان کے ہر گھر میں چھوٹے موٹے کئی بُت موجود تھے۔ اور کوئی گھر اصنام اور اصنام پرستی سے خالی نہ تھا۔ پجاریوں نے یونانیوں کی طرح باقاعدہ علم الاصنام کا جال پھیلا رکھا تھا۔ جب کوئی آدمی سفر کو جاتا تو اپنے گھر میں رکھے ہوئے بے جان اور بے حس معبود کو بطور تبرک مسح کر کے جاتا۔ اور جب واپس لوٹتا تو سب سے پہلے اسے مسح کرتا۔ ان کا ایک بُت عزیٰ[34] بھی تھا۔ لات اور منات بھی ان کے معبود تھے۔ جنہیں یہ خدا کی بیٹیاں کہا کرتے تھے۔ اور انہیں یقین تھا کہ یہ ان کی شفاعت کریں گی۔ مکہ میں بُت پرستی کا بانی عمرو[36] بن لحی تھا جس نے بنو جرہم سے کعبۃ اللہ کی تولیت چھین لی تھی۔ اس وقت سائبہ[37]۔ وصیلہ[38]۔ بحیرہ[39] اور حامیہ[40] کی رسمیں زوروں پر تھیں۔ لیکن ان معبودوں کے ہوتے ہوئے بھی جب ابرہہ کا لشکر دکھائی دیا تو سب خانہ کعبہ کے پردوں اور گنڈوں کو تھام کر کھڑے ہو گئے۔ سب خداؤں کا خدا یاد آ گیا۔ اور رب کعبہ سے فریاد کرنے لگے۔ چنانچہ عبدالمطلب[41] نے دعا کی۔

" خدایا بندہ اپنے گھر کی حفاظت کرتا ہے۔ تو بھی اپنے گھر کی حفاظت کر۔ کل ان کی صلیب اور ان کی تدبیر تیری تدبیر کے مقابلے میں غالب نہ آنے پائے۔ اگر تو ان کو اور ہمارے قبیلے کو اپنے حال پر چھوڑ دینا چاہتا ہے تو جو تو چاہے کر۔ صلیب کی آل اور اس کے پرستاروں کے مقابلے پر آج اپنی آل کی مدد فرما۔ اے میرے رب تیرے سوا میں ان کے مقابلے میں کسی سے اُمید نہیں رکھتا۔ اے میرے رب اب ان سے اپنے حرم کی حفاظت کر۔ اس گھر کا دشمن تیرا دشمن ہے۔ اپنی بستی کو تباہ کرنے سے ان کو روک۔"

اس دُعا کے بعد عبدالمطلب اور ان کے ساتھی پہاڑوں میں روپوش ہو جاتے ہیں۔

دوسرے دن کا آفتاب ابرہہ کو میتھ ہاتھی پر سوار کعبہ کی طرف ساٹھ ہزار

لشکر کے ساتھ بڑھتے ہوئے دیکھ کر حیران رہ گیا۔ کعبہ کی حفاظت کے لیے کوئی انسان موجود نہیں ہے۔ شہر خالی پڑا ہے اور ابرہہ بڑی آن بان سے بڑھتا آ رہا ہے۔

ابرہہ کا ہاتھی جوں ہی ایک خاص حد میں داخل ہوتا ہے۔ یکایک بیٹھ جاتا ہے۔ اسے آنکس مارے جاتے ہیں۔ بھالوں سے کچوکے دیئے جاتے ہیں۔ وہ زخمی ہو جاتا ہے مگر کعبہ کی سمت ایک قدم تک نہیں اٹھاتا۔ لیکن اگر اُلٹے پاؤں پھرایا جائے تو بھاگنے لگتا ہے ——— آہ! انسان کعبہ کی قدر اور ربِ کعبہ کی قدرت سے غافل ہے۔ لیکن ہاتھی اس کو خوب جانتا ہے۔ انسان سرکش اور باغی ہے۔ مگر ہاتھی میں سرکشی اور بغاوت کی ہمت نہیں ہوتی۔ وہ مار کھاتا ہے لیکن آگے نہیں بڑھتا۔ گویا زبانِ بے زبانی سے کہہ رہا ہے۔ کم بختو! میں اتنا طاقت ور ہونے کے باوجود ایک اِنچ آگے بڑھنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ تم کون ہو۔ جو کعبہ کو مسمار کرنے کا ارادہ رکھتے ہو۔ مجھے دیکھو عبرت حاصل کرو۔ اور واپس لوٹ جاؤ۔ جو کچھ میں دیکھتا ہوں۔ نہ تم اسے دیکھ سکتے ہو۔ نہ میں تمہیں بتا سکتا ہوں۔ لیکن ابرہہ اور اس کی سپاہ تو مقابلے میں میدان کو خالی دیکھتی ہے۔ کوئی متنفس نظر نہیں آتا۔ ہاتھی کو بار بار کچوکے دیئے جاتے ہیں۔ وہ چنگھاڑنے لگتا ہے۔ لیکن آگے نہیں بڑھتا۔

اتنے میں آسمان پر پرندوں کے جھنڈ کے جھنڈ دکھائی دیتے ہیں۔ جو چونچوں میں کنکریاں لیے ہوتے ہیں۔ وہ چشم زدن میں ابرہہ کے لشکر پر چھا کر سنگ ریزوں کی بارش شروع کر دیتے ہیں۔ یہ سنگ ریزے قہرِ الٰہی کے تیر ہیں۔ جس پر گرتے ہیں اس کا جسم گلنا شروع ہو جاتا ہے۔ اور تڑپ تڑپ کر سخت اذیت کے عالم میں جان دے دیتا ہے۔ ابرہہ کا جسم ٹکڑے ٹکڑے ہو کر گر رہا ہے۔ جہاں سے کوئی ٹکڑا اگرتا ہے وہاں سے پیپ اور لہو بہنے لگتا ہے۔ لشکر افراتفری کے عالم میں یمن کی طرف بھاگتا ہے۔ اس بھگدڑ میں کوئی ادہر گرتا ہے۔ کوئی اُدہر۔ لوگ گر رہے ہیں۔ تڑپ رہے ہیں، مر رہے ہیں اور قریش پہاڑوں میں پناہ لیے ان کا تماشہ دیکھ کر ربِ کعبہ کی قدر اور قدرت کے قائل ہو رہے ہیں۔ چنانچہ ابو قیس بن الاسلت

کہتا ہے۔

"اٹھو اور اپنے رب کی عبادت کرو۔

اور مکہ و منیٰ کی پہاڑیوں کے درمیان بیت اللہ کے کونوں کو مسح کرو۔ جب عرش والے کی مدد تمہیں پہنچی۔

تو اس نے بادشاہ کے لشکروں کو اس حال میں پھیر دیا کہ کوئی خاک میں پڑا تھا اور کوئی سنگسار کیا ہوا تھا۔"

یہ واقعہ عام الفیل کے نام سے مشہور ہے۔ اس کا ذکر قرآن مجید میں سورۃ فیل کے نام سے موجود ہے۔ اس کا اثر لوگوں پر اس قدر ہوا تھا کہ کئی سال تک وہ خدائے وحدہٗ لاشریک[۴۳] کی عبادت کرتے رہے۔ لیکن رفتہ رفتہ پجاری، مہنت اور مجاور سب کو دیوی دیوتاؤں کے آستانوں پر لے آئے اور کسی کو توحیدِ خالص کا خیال تک نہ رہا۔ بلکہ ہر ایک نے بے جان، بے حس اور بے زبان معبودوں کی چوکھٹ پر سر جھکا دیا۔

۸

یہ عام الفیل ہے۔ ابرہہ کی تباہی کو صرف پچاس دن گزرے ہیں۔ لوگ ابھی تک اس عظیم تباہی کی داستانیں سنایا کرتے ہیں۔ موسمِ بہار اپنے جوبن پر ہے۔ جنگل میں جڑی بوٹیاں سرسبز ہیں۔ طرح طرح کے پھول دعوتِ نظارہ دے رہے ہیں۔ کہیں کہیں روئیدگی بھی نظر آنے لگی ہے۔ ہواؤں میں مستی کی سی کیفیت ہے۔ وادی مکہ پر بہار ہے۔

آج دوشنبہ ہے۔ ربیع الاوّل کی نو تاریخ! چاشت کا وقت ہے۔ مکہ کا بوڑھا سردار کعبۃ اللہ کے طواف میں محو ہے۔ اس پر وارفتگی کی سی کیفیت طاری ہے۔ اس عالم میں اس کی نگاہیں اچانک حرمِ کعبہ کے دروازہ کی طرف اٹھتی ہیں۔ ان کے مرحوم بیٹے سردار عبداللہ کی کنیز برکہ دیوانہ وار بھاگتی چلی آرہی ہے۔" وہ زیرِ لب گنگناتے ہیں۔

برکہ بالکل قریب آجاتی ہے۔ اس کا سانس پھولا ہوا ہے۔ چہرہ گلنار ہو رہا ہے۔ وہ سردارِ مکہ کو کچھ پوچھنے کا موقعہ دیئے بغیر بے اختیار پکار اٹھتی ہے۔

"سردار۔ مبارک ہو۔ مالکن حضور کے ہاں چاند سا بیٹا پیدا ہوا ہے۔ ہاں بیٹا پیدا ہوا ہے۔ بہت ہی خوبصورت۔"

وہ ایک ہی سانس میں سب کچھ کہہ جاتی ہے۔ خوشی کے مارے اس کے پاؤں زمین پر ٹکتے ہی نہیں۔ وہ کچھ سنے بغیر کہے جارہی ہے۔

"سردار۔ مالکن حضور نے آپ کو بلایا ہے۔ جلدی چلیے۔ میں جا

رہی ہوں۔

آہا۔ بچہ کتنا پیارا ہے۔

چاند سا چہرہ۔ سرگیں آنکھیں۔ نہایت صاف ستھرا بدن۔

سردار۔ اس سے عجیب بھینی بھینی خوشبو کی لپٹیں آرہی ہیں۔

مالکن حضور کا سارا کمرہ مہک اُٹھا ہے"

اتنا کہہ کر وہ بھاگتی ہوئی واپس چلی جاتی ہے۔ معلوم ہوتا ہے اس میں بجلیاں

سی کوند رہی ہیں۔

بوڑھے سردار کے لیے وفورِ مسرت سے سانس لینا دوبھر ہو گیا ہے۔ آنکھوں

میں خوشی کے آنسو تیرنے لگے ہیں۔ وہ بے اختیار آگے بڑھ کر کعبہ کا غلاف تھام لیتے ہیں۔

اور بلند آواز سے کہتے ہیں۔

"یا اللہ تیرا شکر کس زبان سے ادا کروں۔ تُو نے مرحوم عبداللہ کے گھر میں

میں چراغ روشن کیا ہے۔

آمنہ کو بیٹے سے نوازا ہے۔ مجھے بڑھاپے میں سہارا دیا ہے۔

یا اللہ تو اس کی حفاظت فرما"

وہ تھوڑی دیر تک زیرِ لب دُعا کرتے رہتے ہیں۔ پھر تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے

سیّدہ آمنہ کے گھر کی طرف چل دیتے ہیں۔

آج کعبہ معمول سے زیادہ حسین اور بیت اللہ بے حد پُرجلال دکھائی دیتا ہے۔ ہواؤں

میں کیف و مستی کی لہریں ہیں۔ فضا خُمار آلود ہے۔ آسمان جاذبِ نظر اور ماحول پُرکشش

ہے۔ اور جناب عبدالمطلب کا وجدان بیدار ہے۔ وہ حرمِ کعبہ کی سرگوشیاں سُنتے ہیں

جو کہہ رہا ہے۔

"آج وہ پیدا ہوا ہے۔ جس کے انتظار میں کائنات صدیوں بے تاب

رہی ہے۔ جس کی جھلک دیکھنے کو ستارے مضطرب۔ ماہتاب بے قرار اور

آفتاب سدا گردش میں رہا ہے - جس کے پاؤں چومنے کے لیے زمین کا ذرہ ذرہ چشم براہ ہے -

اولادِ آدم لاکھوں سال سے جس کی منتظر رہی ہے - نفوسِ قدسی جس کی شہادت دیتے چلے آئے ہیں - وہ غریبوں کا ملجا - یتیموں کا ماوا ہے! انسانی شرف کو اس سے جلا ملے گی - انسانیت کا احیا ہو گا - مظلوم اس کے سائے میں پناہ لیں گے - سرکشوں کی گردنیں جھک جائیں گی - جہالت کی تاریکی دُور ہو گی - جس کے نور سے ارض و سما کا گوشہ گوشہ منور ہو گا - جس کی روشنی میں بھٹکے ہوئے راہ پائیں گے -

سردارِ مکہ آپ کو مبارک ہو - رحمۃ اللعالمین کا نور آپ کے گھر میں ضوفشاں ہوا ہے -"

سردار عبد المطلب سیّدہ[۲۷] آمنہ کے گھر میں داخل ہوتے ہیں - ایسی بھینی بھینی خوشبو ان کا استقبال کرتی ہے جس سے وہ آج تک ناآشنا تھے - وہ اس کمرے سے باہر ہی رُک جاتے ہیں جس میں سیّدہ آمنہ پلنگ پر دراز ہیں - انہیں بوڑھے سردار کے آنے کی اطلاع ملتی ہے تو بر کہ کے ذریعہ مبارک باد کا پیغام بھیجتی ہیں اور ساتھ ہی اندر آنے کے لیے کہتی ہیں - جناب عبد المطلب کمرے کے اندر قدم رکھتے ہیں - ان کی بہُو ایسے موقعہ پر بھی صحت مند نظر آتی ہیں - وہ آگے بڑھ کر نومولود کو گود میں اُٹھا لیتے ہیں - نہایت خوبصورت چہرہ - سرگیں آنکھیں - چمکتی ہوئی پیشانی - اور معطر بدن دیکھ کر خوشی سے جھوم اٹھتے ہیں - فرطِ محبت سے بچے کی پیشانی پر بوسہ دیتے ہیں - پھر سینے سے لگائے ہوئے بیت اللہ میں آجاتے ہیں - اور وہاں تھوڑی دیر تک دعا مانگنے کے بعد واپس چلے جاتے ہیں -

ہاشم کے گھرانے میں عبد اللہ کے یتیم بیٹے کی ولادت پر خوشی کی لہر دوڑ جاتی ہے - ابولہب[۲۸] کی لونڈی ثوبیہ[۲۹] یہ خبر سُنتے ہی اپنے آقا کے پاس بھاگتی ہوئی جاتی ہیں اور اسے بھتیجے کی خوشخبری دیتی ہے - متمول چچا فرطِ مسرت سے کہتا ہے -

"ثوبیہ تم نے مجھے بھتیجے کی خوشخبری دی ہے۔ میں تمہیں آزادی کا پروانہ دیتا ہوں۔ جاؤ تم آج سے آزاد ہو۔"

ثوبیہ پر شادیٔ مرگ کی سی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ اسے شکریہ ادا کرنے کے لیے الفاظ نہیں ملتے۔ اس لیے صمٌ بکمٌ کھڑی آقا کا منہ تک رہی ہے۔ ابولہب اس کی یہ حالت دیکھ کر بے اختیار مسکرا دیتا ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد جب اس کی یہ حالت بدل جاتی ہے تو آقا سے پوچھتی ہے۔

"آقا، کیا آپ نے واقعی مجھے آزاد کر دیا ہے؟"

ابولہب :۔ "ہاں۔ اپنے بھتیجے کے صدقے میں تجھے آزاد کر دیا ہے۔"

ثوبیہ "میں آپ کا شکریہ کس طرح ادا کروں۔"

ابولہب "جب تک آمنہ اپنے بیٹے کے لیے دائی کا بندوبست نہ کر سکے۔ تم اس کو دودھ پلاؤ۔"

ثوبیہ "میں نے دو سال قبل آپ کے حکم سے آپ کے ننھے بھائی حمزہؓ کو دودھ پلایا تھا۔ اب آپ کے بھتیجے کو بھی خوشی سے پلاؤں گی۔

ابولہب "میں تمہیں اس کی مزدوری بھی دوں گا۔"

ثوبیہ "خدا آپ کا بھلا کرے۔ آپ نے مجھے نئی زندگی بخش دی ہے۔"

سیّدہ آمنہ تین روز تک اپنے لال کو دودھ پلانے کے بعد اسے ثوبیہ کے سپرد کر دیتی ہیں۔ سردار عبدالمطلب کو ہر طرف سے مبارکباد کے بے شمار پیغام ملتے ہیں۔ وہ سات دن کے بعد قربانی کرتے ہیں اور قریش کو دعوت دیتے ہیں۔ مہمانوں کی خاطر تواضع پُرتکلف کھانوں سے کی جاتی ہے۔ خوشی کی مروجہ رسوم کے ساتھ جشنِ ولادت نہایت دھوم دھام سے منایا جاتا ہے۔ جب لوگ دعوت سے فارغ ہوتے ہیں تو ایک آدمی پوچھتا ہے۔

"سردار۔ آپ نے اپنے پوتے کا نام کیا رکھا ہے۔

عبدالمطلب :۔ "محمّد۔"

لوگ یہ نام سُن کر متعجب ہوتے ہیں۔

"بہت عجیب و غریب نام ہے۔ ایک آدمی کہتا ہے"۔

"ہاں۔ بہت ہی عجیب و غریب۔ دوسرا بول اٹھتا ہے"۔

اتنے میں کوئی پوچھتا ہے۔" سردار۔ آپ نے مروجہ خاندانی ناموں کو چھوڑ کر یہ نام کیوں پسند کیا ہے۔

عبدالمطلب:۔" میں چاہتا ہوں کہ میرا بچہ دنیا بھر کی تعریف کا مرکز ہو آسمان پر بھی اس کی تعریف ہو اور زمین پر بھی۔

خالق کو بھی پیارا ہو اور مخلوق کو بھی۔

۹

بنو سعد کا ایک چھوٹا سا قافلہ مکہ کی طرف رواں دواں ہے۔ اس میں عورتیں زیادہ اور مرد کم ہیں۔ کچھ اونٹوں پر سوار ہیں۔ کچھ پیدل ہیں۔ ان کے ساتھ بکریاں بھی ہیں۔ وہ پڑاؤ کرتے اور مویشیوں کو چراتے ہوئے مکہ کی طرف چلے آ رہے ہیں۔ ان کے اپنے علاقہ میں تقریباً قحط سالی ہے۔ اس لیے جانور کمزور اور اہلِ قافلہ دُبلے ہیں۔ اس قافلہ کے آخر میں ایک عورت اپنے شیرخوار بچے کو لیے ہوئے ایک سفید گدھے پر سوار ہے جو بے حد مریل سا نظر آتا ہے۔ اس کی رفتار سست ہے اور بار بار پٹنے کے باوجود بھی اس کے قدم بدستور سست ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ دُبلی پتلی بکریاں ہیں۔ جن کے تھن سُوکھے ہوئے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے ان میں دُودھ کا نام تک نہیں ہے۔ اس کا خاوند بکریوں کو ہانکتا ہوا آ رہا ہے۔ ان دونوں کے چہرے پژمردہ سے ہیں۔ جن پر مایوسی کی جھلک نظر آتی ہے۔ یہ مکہ سے ایک منزل ورے ہی تھک ہار کر رہ جاتے ہیں۔ ان کا گدھا اور اونٹ آگے بڑھنے سے عاجز ہیں۔ اس لیے قافلہ ان کا انتظار کیے بغیر اپنا سفر جاری رکھتا ہے اور عورت تھکے ہارے لہجے میں کہتی ہے۔

"ہم بڑے بدنصیب ہیں، جو منزل کے قریب پہنچ کر پیچھے رہ گئے ہیں۔ ہمارے ساتھی آج ہی شہر میں داخل ہو کر اچھے اچھے گھرانوں کے بچے دُودھ پلانے کے لیے حاصل کر لیں گے اور ہم رہ جائیں گے۔ خدا جانے ہمیں کوئی ملے گا بھی یا نہیں۔"

اس کا خاوند نہایت افسردگی کے عالم میں کہتا ہے۔

"ہمارا گدھا کمزور اور بکریاں دُبلی ہیں۔ یہ تیز رفتار قافلے کا ساتھ کیسے دے سکتے ہیں۔ یہ قسمت کی بات ہے۔ تم کوئی فکر نہ کرو۔ کسی نہ کسی گھر تک ہماری رسائی ہو ہی جائے گی۔ تم عبداللہ کا خیال رکھو جو دودھ نہ ملنے کی وجہ سے دن رات روتا رہتا ہے۔"

عورت کہتی ہے۔

"ہاں۔ میری چھاتیاں خشک ہو رہی ہیں۔ عبداللہ میرا لاڈلا دودھ نہ مل سکنے کی وجہ سے کمزور ہو گیا ہے۔ لیکن کیا کریں اگر مکہ سے کوئی بچہ نہ ملا تو مزدوری کے بغیر ہمارا گذارہ بہت مشکل ہو گا۔"

یہ کہہ کر عورت خاموش ہو جاتی ہے۔ اس کی نگاہیں اُداس ہیں۔ اس کا شوہر بھی پریشان دکھائی دیتا ہے۔ وہ ایک رات راستے میں گزار کر دوسرے دن مکہ پہنچتے ہیں۔ ان کے ساتھی شہر کے باہر خیمے لگا کر محوِ آرام ہیں کچھ عورتیں شہر میں جا چکی ہیں کچھ خوش و خرم نظر آتی ہیں۔ وہ مکہ کے اونچے گھرانوں کے بچے حاصل کرنے میں کامیاب ہو چکی ہیں۔

قریش کے متمول گھرانوں کی عورتیں اپنے بچوں کو دودھ خود نہیں پلاتی تھیں۔ بلکہ دیہات سے دائیوں کی جو ٹولیاں مزدوری کے لیے آتیں ان کے حوالے کر دیتی تھیں تاکہ کھلی ہوا میں بچوں کی پرداخت ہو، وہ صحت مند اور تندرست رہیں۔ اور فصیح عربی بولنا سیکھ جائیں۔ یہ دائیاں اس کے صلہ میں منہ مانگی مزدوری پاتی تھیں۔ یہ ان کا ذریعہ معاش تھا۔ دائیاں خود گھروں میں جا کر اپنی خدمات پیش کرتیں اور مائیں اپنی پسند کی دائیوں سے معاملہ طے کر لیتی تھیں۔

اس قافلہ کی دائیاں وقت پر پہنچ گئی تھیں۔ اس لیے انہیں بچے حاصل کرنے میں کوئی دقت نہ ہوتی۔ البتہ ابھی تک اس شہر میں ایک بچہ ایسا بھی موجود ہے جس کی طرف کسی نے توجہ نہیں کی۔ یہ سیدہ آمنہ کا دُرِ یتیم ہے۔ دائیاں امیر گھرانوں کا رُخ

کرتی ہیں۔ تاکہ زیادہ مزدوری حاصل کرسکیں۔ لیکن جنابِ آمنہ تو بیوہ ہیں۔ دائیوں کو ان کے ہاں سے مُنہ مانگے دام ملنے کی امید نہیں ہے۔ سردار عبداللہ کا ورثہ صرف دو اونٹ اور ایک کنیز ہے۔ اس لیے کسی دائی نے ان کا دروازہ کھٹکھٹانے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی۔ وہ ایک یتیم بچے کو لینے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ انھوں نے اس کی پرورش کو بے سود سمجھا ہے۔

وہ اپنے اپنے خیموں میں واپس آکر باتیں کر رہی ہیں اور دیر سے پہنچنے والی دایہ سے ٹھٹھول کرتے ہوئے کہتی ہیں۔

"ہم نے تمہارے لیے عبداللہ کا یتیم بچہ چھوڑ دیا ہے۔ جاؤ اسے تم گود میں لے لو۔"

یہ بے چاری ان کی باتیں سُن سُن کر پریشان ہو رہی ہے۔ اتنے میں اس کا شاوند حارث[52] خیمہ گاڑنے سے فارغ ہو کر کہتا ہے۔

"حلیمہ[53] تم کیوں پریشان ہو رہی ہو۔"

حلیمہ "قافلہ دو چار روز تک واپس روانہ ہو جائے گا لیکن میری گود خالی ہے۔"

حارث "پھر کیا کیا جائے۔"

حلیمہ "خالی ہاتھ لوٹتے ہوئے تو مجھے شرم آتی ہے۔ میرا خیال ہے کہ اس یتیم کو ہی گود لے لوں۔"

حارث اس یتیم کو لے کر کیا کریں گے۔ اس کا دادا ہمیں کیا دے گا۔ اس کی ماں کے پاس رکھا ہی کیا ہے جو ہمیں دے گی۔"

حلیمہ "لیکن خالی ہاتھ لوٹنے سے تو یہی بہتر ہے کہ اس یتیم کو لے جائیں۔"

حارث (کچھ دیر تک سوچنے کے بعد) "اچھا تمہاری مرضی جاؤ تم اسے لے آؤ ہو سکتا ہے اللہ اس میں برکت دے۔"

دوسری عورتیں ان کی یہ باتیں سُن سُن کر مذاق اُڑاتی ہیں۔ لیکن حلیمہ طوعاً و کرہاً جنابِ آمنہ کے گھر کی طرف روانہ ہو جاتی ہے۔

وہ دروازہ کھٹکھٹاتی ہے۔ برکہ باہر نکل کر پوچھتی ہے۔

"تم کون ہو؟"

حلیمہ:۔ "میں بنو سعدیہ کی دایہ ہوں۔"

برکہ:۔ "اندر آجاؤ۔"

حلیمہ اندر داخل ہوتی ہے۔ سیدہ آمنہ کا روشن چہرہ اسے بے حد پُرکشش معلوم ہوتا ہے۔ وہ سلام کرکے ایک چوکی پر بیٹھ جاتی ہے۔

سیدہ آمنہ:۔ "کیا تم میرے بچے کو دودھ پلانے پر راضی ہو؟"

حلیمہ:۔ "ہم غریب ہیں۔ ہمارے جانور بھی کمزور ہیں۔ اس لیے ہم بہت دیر سے یہاں پہنچے ہیں۔ اس عرصے میں میرے ساتھ والی دائیوں نے سب بچے لے لیے ہیں۔ اب میں ہی باقی رہ گئی ہوں۔ مجھے معلوم ہے آپ کا بچہ یتیم ہے۔ ہمیں زیادہ مزدوری ملنے کی امید بھی نہیں ہے لیکن میں نے سوچا ہے کہ خالی ہاتھ واپس جانے سے اس یتیم کو لے جانا ہی بہتر ہے۔"

سیدہ آمنہ کے دل سے ایک ہوک سی اٹھتی ہے۔ سردار عبداللہ کی تصویر آنکھوں کے سامنے آجاتی ہے۔ بیتے دنوں کی یاد بے چین کر دیتی ہے۔ اور وہ گم سم سی ہو کر رہ جاتی ہیں۔ برکہ آہستہ آہستہ آپ کا شانہ ہلاتی ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد آپ کی یہ کیفیت باقی رہتی ہے۔ برکہ حلیمہ سے مخاطب ہو کر کہتی ہے۔

"مالکن حضور کو چھوٹے سردار کی وفات کا سخت صدمہ ہے۔ جب کبھی ان کی یاد آتی ہے تو ایسی ہی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔"

حلیمہ کے دل میں سیدہ آمنہ کی عظمت کا نقش ثبت ہو جاتا ہے۔ ان کی صورت اور سیرت نے اسے بے حد متاثر کیا ہے۔

جناب آمنہ کو دور دور سے یہ ملال تھا کہ دائیوں نے دوسروں کے بچے تو ہنسی خوشی گود لے لیے ہیں۔ لیکن ان کے دُرِّ یتیم کی طرف کسی نے توجہ نہیں کی ہے۔ انہیں

اپنی بیوگی اور عسرت کا شدت سے احساس ہوتا ہے۔ لیکن حلیمہ کو دیکھ کر رفتہ رفتہ تازگی سی آجاتی ہے اور اس سے مخاطب ہو کر کہتی ہیں۔

"حلیمہ تم اس بچے سے مطمئن رہو۔ یہ بڑی شان والا ہوگا۔ تم اسے نہیں جانتیں"

حلیمہ:۔ "میں بچے کو دیکھوں تو سہی"

سیدہ آمنہ جناب محمدؐ کے چہرہ سے کپڑا ہٹاتی ہیں۔ حلیمہ چاند سا مکھڑا دیکھ کر بے حد خوش ہوتی ہے۔ اور آگے بڑھ کر بے اختیار آپؐ کو اٹھا لیتی ہے۔

"سبحان اللہ، کس قدر خوبصورت اور پیارا بچہ ہے۔ میں نے دوسرے بچے بھی دیکھے ہیں مگر ان میں یہ بات کہاں۔ ان جیسا پیارا اور صاف ستھرا تو ان میں سے ایک بھی نہیں تھا"

حلیمہ یہ کہہ کر جناب محمدؐ کو بے اختیار سینے سے لگا لیتی ہے۔ جناب آمنہ کا چہرہ خوشی سے چمکنے لگتا ہے۔ بڑھ کر دیوانہ وار لپکتی ہے اور جناب محمدؐ کی پیشانی پر بوسہ دیتے ہوئے کہتی ہے۔

"حلیمہ۔ خدا کی قسم تم نے ایسا پھول سا بچہ کبھی نہ دیکھا ہوگا۔ کیا تمہیں ان سے بھینی بھینی خوشبو آتی ہوئی محسوس نہیں ہوتی"

حلیمہ:۔ "ہاں۔ ہاں۔ ایسی خوشبو تو کبھی میں نے زندگی میں نہیں سونگھی"

سیدہ آمنہ:۔ "اس لیے تو میں کہتی ہوں کہ میرا بچہ بڑی شان والا ہوگا تم اسے یتیم سمجھ کر اپنا دل چھوٹا نہ کرو۔ چند دنوں کے بعد تمہیں خود بخود معلوم ہو جائے گا کہ میرا لاڈلا کس قدر بابرکت ہے"

حلیمہ کی چھاتیاں سوکھ گئی ہیں۔ اس کا اپنا بچہ عبداللہ دودھ کی کمی کی وجہ سے دن رات چیختا چلاتا ہے۔ لیکن جوں ہی اس نے اپنا دایاں پستان جناب محمدؐ کے منہ میں ڈالا اسے یوں محسوس ہوا گویا دودھ کی نہر بہنے لگی ہے۔ وہ حیرت زدہ سی رہ گئی ہے۔ اس نے سیدہ آمنہ کے لال کو پرورش کے لیے بخوشی گود میں لے لیا ہے

اور اب رخصت ہونا چاہتی ہے۔

جناب آمنہ فرماتی ہیں۔

"میں اپنے بچے کو خدائے ذوالجلال کی پناہ میں دیتی ہوں۔

اس شتر سے جو پہاڑوں پر چلتا ہے۔

یہاں تک کہ میں اسے شتر پر سوار دیکھوں۔

اور دیکھوں کہ وہ غلاموں اور درماندہ لوگوں کے ساتھ حسن سلوک کرنے والا ہے۔"

حلیمہ نے محسوس کیا جیسے اس کا وجدان کہہ رہا ہو۔

"حلیمہ۔ تیری سعادت اور خوش بختی کا کیا کہنا۔

تو دنیا کی سب سے بڑی نعمت لیے جا رہی ہے۔

تیری گود میں جناب محمدؐ ہیں۔ جن کے ہوتے ہوئے تجھے کسی چیز کی کمی نہ ہو گی۔ تجھے ساری کائنات سلام کہتی ہے۔

تجھ پر سلامتی ہو اور تو کائنات کے راج دلارے کو لوریاں دیتی ہے۔"

۱۰

قافلہ ابھی تک مکّہ میں ہی ہے۔ دائیاں اپنے اپنے خیموں میں ایک دوسری سے سرگوشیوں میں محو ہیں۔ ایک کہہ رہی ہے۔

"تم نے حلیمہ کی بکریوں کو دیکھا ہے۔ ان کے تھن دُودھ سے بھر گئے ہیں"

دوسری کہتی ہے۔

"ان کی اونٹنی کا بھی یہی حال ہے"

ایک خیمے میں چند مرد بحث و تکرار میں مصروف ہیں۔ ایک کہتا ہے۔

"حارث کل دن بھر اپنی بکریوں کو سامنے والی پہاڑی پر چراتا رہا۔ وہاں جھڑبیریاں بکثرت ہیں۔ ان کے پتّے کھانے کی وجہ سے اس کی بکریوں کے تھن دُودھ سے بھرے ہوئے نظر آتے ہیں"

دُوسرا کہتا ہے۔

"میری بکریاں بھی وہاں ہی چرتی رہیں، لیکن ان کے تھن بدستور سُوکھے ہوئے ہیں۔ مَیں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ اس نے اپنی بکریوں کو جس باؤلی سے پانی پلایا ہے اس میں کوئی خاص تاثیر ہے۔ مَیں بھی آج شام اپنی بکریوں کو وہاں لے جاؤں گا۔"

سہ پہر گزرنے پر ایک آدمی اپنی بکریاں حارث کی بکریوں کے پاس لے جاتا ہے۔ تاکہ وہ بھی ان کے ساتھ مل کر چرتی رہیں۔

دوسرا شخص شام کو اسی باؤلی سے اپنی بکریوں کو پانی پلاتا ہے جہاں حارث کی بکریاں پانی پیتی ہیں، لیکن غروب آفتاب کے بعد جب دودھ نکالا جاتا ہے تو ان کے منہ لٹک جاتے ہیں۔ امیدوں پر اوس پڑ جاتی ہے۔ اور ایک دوسرے کو دزدیدہ نگاہوں سے دیکھنے لگتے ہیں۔ دونوں ایک دوسرے سے شرمسار ہیں۔ ان کے سب اندازے غلط ثابت ہوئے ــــ نہ پانی کی تاثیر کام آئی ہے۔ نہ جھڑبیریوں کے پتوں نے کرشمہ دکھایا ہے۔ ان کی بکریوں کا دودھ آج بھی معمول کے مطابق ہے۔ اس میں چند بوندوں کا اضافہ بھی نہیں ہوا ہے۔

ان میں سے ایک شخص دبے پاؤں خیمہ میں داخل ہو کر اپنی بیوی سے کہتا ہے۔

"تم ذرا حلیمہ کے ہاں جاؤ اور دیکھو بھلا اس کی بکریوں نے آج کتنا دودھ دیا ہے۔"

"کیوں" وہ پوچھتی ہے۔

خاوند — "ہم نے سارا دن اپنی بکریوں کو اسی جگہ چرایا ہے جہاں حارث کی بکریاں پھرتی ہیں۔ اسی باؤلی سے پانی پلایا ہے جہاں اس کی بکریاں پانی پیتی ہیں۔ لیکن ہماری بکریوں کا دودھ آج بھی اتنا ہی ہے جتنا پہلے ہوا کرتا تھا۔"

بیوی — "میں ابھی جاتی ہوں۔"

وہ روانہ ہو جاتی ہے اور تھوڑی دیر کے بعد واپس آکر کہتی ہے۔

"غضب ہو گیا"

خاوند — "کیوں"

بیوی — "آج تو ان کے تمام برتن دودھ سے لبالب بھرے ہوئے ہیں اور بکریوں کے تھن اب بھی دودھ سے بھرپور نظر آتے ہیں۔ ان کی اونٹنی کا بھی یہی حال ہے۔ حلیمہ کا اپنا بیٹا عبداللہ خوب دودھ پی کر میٹھی نیند سو رہا ہے۔ حالانکہ اس سے پیشتر وہ رات رات بھر چیختا اور سارا سارا دن روتا رہتا تھا۔ دودھ کی چند بوندیں ہی اسے نصیب ہوتی تھیں۔ لیکن آج تو ماجرا ہی عجیب

ہے۔ وہ یتیم بچہ بھی سیر ہو کر سو رہا ہے۔ حلیمہ اور اس کے خاوند حارث
کے چہروں پر مسرت دکھائی دیتی ہے۔"

خاوند "ہونہہ ———"

بیوی "وہ بچہ۔ واہ واہ۔ بڑا ہی خوبصورت اور پیارا ہے۔ میں تو سمجھتی ہوں
یہ سب اسی کی برکت ہے ——— ہائے میرے نصیب پھوٹ گئے
میں نے امیر گھرانے کو دیکھا اور اسے حقیر جانا۔ لیکن اس کی برکت سے حارث
نہال ہو گیا ہے۔ دونوں میاں بیوی نہال نظر آتے ہیں۔ ان کی بکریاں
بھی مزے سے جگالی کر رہی ہیں۔"

خاوند "ہونہہ ———"

بیوی "میں کہتی ہوں تم لاکھ بکریاں چراؤ۔ دیوی دیوتاؤں کو راضی کرو۔ نذرانے
دو۔ ٹونے ٹوٹکے کرو۔ لیکن اس سے کچھ نہ ہو گا۔
یہ محمدؐ کی برکت ہے۔ تم کیا کر لو گے۔"

اس کا شوہر مُہر بہ لب ہے۔ اس کی سمجھ میں نہیں آتا کہ کرے تو کیا کرے۔ یہ ماجرا
پہر رات گزرنے تک سب خیموں میں موضوعِ گفتگو بن چکا ہے۔ لوگ حلیمہ کی قسمت پر
رشک کرنے لگے ہیں۔ کل تک وہ اسے بدنصیب سمجھتے تھے۔ آج اسے خوش نصیب کہتے
ہیں۔ حارث کی بکریاں منمناتی ہیں۔ گویا کہہ رہی ہوں۔

"نصیب اس کے ہیں۔ جس کے ہاں محمدؐ ہیں۔
ہمیں دیکھو۔ ان کی برکت سے ہم نہال ہیں۔ دودھ سے ہمارے تھن بھر
گئے ہیں۔ تم یہ نہ سمجھو کہ ہم منمنا رہی ہیں۔ نہیں۔ نہیں ایسا نہیں ہے۔ ہم تو
ان کے گن گا رہی ہیں۔ انہیں سلام کہہ رہی ہیں۔ ان کا شکر ادا کر رہی ہیں۔
ان کے آجانے سے ہمیں نئی زندگی ملی ہے۔"

حلیمہ اس قافلہ کے ساتھ تین روز تک مکہ میں رہتی ہے۔ وہ روزانہ جناب آمنہ
کے ہاں آتی ہے۔ ماں اپنے لاڈلے کی دید سے شادکام ہو کر حلیمہ سے باتیں کرتی ہے۔ برکہ

ننھے حضورؐ کی بلائیں لیتی اور لوریاں دیتی ہے۔ اور یوں جنابِ محمدؐ کی برکت سے سب مسرور دکھائی دیتے ہیں۔

چوتھے روز قافلہ اپنے اپنے گھروں کو روانہ ہو جاتا ہے۔ حلیمہ جنابِ محمدؐ کو سینے سے لگائے گدھے پر سوار ہے۔ وہ دُبلا پتلا گدھا آج قافلے میں سب سے آگے ہے۔ اس کی رفتار میں بلا کی تیزی ہے۔ دوسری سواریاں انتہائی کوشش کے باوجود اس کا ساتھ دینے سے قاصر ہیں۔ اہلِ قافلہ اس غیر متوقع اور انوکھی تبدیلی کو دیکھ کر متحیر ہیں۔ ایک عورت پوچھتی ہے۔

"حلیمہ۔ یہ کیا وہی گدھا ہے جس پر تم سوار ہو کر آئی تھیں۔"

حلیمہ:۔ "ہاں۔ وہی ہے۔ کیا تم اسے پہچانتی نہیں۔"

عورت:۔ "مگر آج تو بہت تیز بھاگ رہا ہے۔"

حلیمہ:۔ "ہاں۔ یہ محمدؐ کی برکت ہے۔"

اہلِ قافلہ اب اس بات کو بخوبی سمجھ چکے ہیں کہ یہ سب کچھ جنابِ محمدؐ کی برکت کا کرشمہ ہے۔ اب اُنہیں اپنی محرومی کا شدّت سے احساس ہوتا ہے۔ لیکن اس وقت وہ کر بھی کیا سکتے تھے۔ یہ سعادت جس کے نصیب میں تھی اسے مل چکی ہے۔ کسی کی کوشش کا اس میں کیا دخل ہے۔

۱۱

محمدؐ بنو سعد کے خیموں میں پرورش پا رہے ہیں۔ ان کی برکت سے حارث کے دن پھر گئے ہیں۔ دودھ کی کثرت ہو گئی ہے۔ قحط کا اثر جاتا رہا ہے۔ جناب محمدؐ کی نشوونما دوسرے ہم عمر بچوں سے کہیں زیادہ سرعت پذیر ہے۔ دو سال کی عمر میں دودھ پینا چھوڑ دیا ہے۔ چلنے لگ گئے ہیں۔ حلیمہ کو آپؐ کی پرداخت میں کبھی کسی پریشانی کا سامنا نہیں ہوا۔ آپؐ[۴] نے حلیمہ کی گود میں پرورش پائی ہے۔ حارث کے کندھوں پر سواری کی ہے۔ اپنی رضاعی بہن شیما[۵] اور بھائی عبداللہ کے ساتھ کھیل کود کر دل بہلایا ہے۔ بکری کے چھوٹے چھوٹے بچوں کو کلیلیں کرتے دیکھ کر لطف اٹھایا ہے۔ بڑے ہو کر شیما کے ساتھ جنگل میں چلے جاتے ہیں۔ اور اس کے ساتھ بکریاں بھی لے آتے ہیں۔ بنو سعد کی زبان فصاحت و بلاغت میں ضرب المثل ہے۔ آپ یہی زبان سیکھتے اور بولتے ہیں۔ دیہات کی صاف ستھری فضا میں آپؐ[۱۵] خوب تندرست ہو گئے ہیں۔

ایام رضاعت ختم ہونے کے بعد حلیمہ آپؐ کو لے کر مکہ میں آتی ہے۔ لیکن وبا کا زور ہے اس لیے جنابِ محمدؐ کو واپس لے جانے پر اصرار کرتی ہے۔ اسے آپؐ کی برکت سے مستفیض ہوتے رہنے کی آرزو ہے۔ جناب آمنہ اس کے بار بار اصرار اور وبا کے اندیشہ سے جناب محمدؐ کو دوبارہ اس کی گود میں دے دیتی ہیں تاکہ مزید کچھ وقت وہاں گزار سکیں۔ حلیمہ کو اس سے بے حد مسرت ہوتی ہے۔ شیما کو ساتھی مل گیا ہے۔ محمدؐ پھر اسی صحرا میں آ گئے ہیں۔ وہی دلکش فضا ہے۔ کہیں ریت کے ٹیلے ہیں۔ کہیں لقِ و دق

ریزے اور چمکتے پتھر ہیں، وہی ہمجولی ہیں۔ آپؐ سارا سارا دن سنگ ریزوں سے
کھیلنے، ریت پر پھسلنے اور ساتھیوں کے ساتھ خوب دوڑیں لگاتے ہیں۔ حتیٰ کہ اس
کھیل کُود میں چار سال کا عرصہ گزر جاتا ہے۔

ایک روز جناب محمدؐ اپنے رضاعی بھائی عبداللہ کے ہمراہ چراگاہ میں موجود ہیں۔
سفید کپڑوں والے دو آدمی آتے ہیں اور آپؐ کو لٹا کر آپؐ کا سینہ چاک کر دیتے ہیں۔
عبداللہ خوف کے مارے بھاگ جاتا ہے اور اپنی امی سے یہ سارا ماجرا کہتا ہے۔ حلیمہ اور
حارث انتہائی گھبراہٹ کے عالم میں وہاں پہنچتے ہیں۔ دیکھتے ہیں کہ جناب محمدؐ
نہایت اطمینان سے ایک ٹیلے پر کھڑے ہیں۔ حلیمہ آپؐ کو سینے سے لگا لیتی ہے اور پوچھتی
ہے۔

" بیٹا تمہیں کیا ہوا؟ "

محمدؐ۔ " میرے پاس سفید کپڑوں والے دو آدمی آئے تھے۔ انہوں نے
لٹا کر میرا سینہ[59] چاک کیا۔ خون کی ایک پھٹکی نکالی۔ سینہ صاف کیا اور
اسے دھو کر سی دیا۔ مجھے تو اس سے کوئی تکلیف نہیں ہوئی۔"

حلیمہ حیران ہے۔ حارث پریشان ہے۔ وہ آپؐ کو اپنے ساتھ خیمہ میں لے آتے
ہیں۔ اور حارث کہتا ہے۔

"حلیمہ میری بات مانو اس بچے کو فوراً اس کی ماں کے پاس پہنچا دو۔
مجھے یقین ہے اس پر آسیب کا اثر ہے۔ ایسا نہ ہو کہ یہ کسی حادثہ کا شکار
ہو جائے۔ اور ہم مصیبت میں پڑ جائیں۔"

حلیمہ اثبات میں سر ہلا دیتی ہے۔ اسے جناب محمدؐ کی برکت کا احساس بھی ہے۔ آپ کے
آنے سے ان کے دن پھر گئے تھے۔ وہ خوش حال ہو گئے تھے۔ لیکن شق الصدر کا یہ واقعہ
ان کے لیے خوف و ہراس کا باعث بن کر رہ گیا ہے۔ وہ جناب محمدؐ کو لیے جلد ہی مکہ پہنچ
جاتی ہے۔ جناب آمنہ کو اپنے بیٹے کے آجانے کی بے حد خوشی ہوتی ہے۔ لیکن حلیمہ سے
پوچھتی ہیں۔

"حلیمہ تم نے ابھی دو ماہ پیشتر اصرار کر کے کہا تھا کہ میں محمدؐ کو دوبارہ اپنے پاس لے جاؤں گی تا کہ کچھ عرصہ اور کھلی فضا میں پرورش پائے۔"

حلیمہ:۔ "سیدہ اس پر آسیب کا اثر ہے۔ دو آدمیوں نے ان کا سینہ شق کیا تھا۔ مجھے اندیشہ ہے کہیں تکلیف بڑھ نہ جائے۔"

سیدہ آمنہ:۔ "اللہ کی قسم۔ ان پر شیطان کا اثر ہرگز نہیں ہو سکتا۔ میرا بیٹا تو بڑی شان والا ہے۔"

حلیمہ:۔ "بہر حال اب آپ انہیں اپنے پاس ہی رکھیں۔"

سیدہ آمنہ حلیمہ کو مزدوری کے علاوہ انعام بھی دیتی ہیں۔ اور حلیمہ خوش ہو کر واپس چلی جاتی ہے۔

۱۲

ہر ماں کو اپنے بچے سے پیار ہوتا ہے۔ یہ کوئی انوکھی بات نہیں ہے۔ لیکن برکہ
جناب محمدؐ سے اس قدر پیار ہے کہ دیکھنے والوں کو رشک ہوتا ہے۔ سیدہ آمنہ اس
سے بیحد خوش ہیں۔ وہ سارا سارا دن جناب محمدؐ کو بہلاتی ہے۔ کھلانے پلانے نہلانے
دھونے اور کپڑے پہنانے میں بے حد خوشی محسوس کرتی ہے۔ سیدہ آمنہ کو سردار
عبداللہ کے صدمے نے نڈھال کر دیا ہے۔ اس لیے ہر وقت مغموم رہتی ہیں۔ وہ جناب
محمدؐ کی معصوم اداؤں کو دیکھتی ہیں اس سے ان کو خوشی تو ہوتی ہے، لیکن مرحوم شوہر
کی یاد کا لاوا لہریں لینے لگتا ہے اور بے چین سی ہو کر رہ جاتی ہیں۔ انہیں زندگی بے کیف
محسوس ہوتی ہے۔ وہ گھنٹوں ٹکٹکی باندھے دور خلاؤں میں دیکھا کرتی ہیں۔ برکہ کو یہ
بلیہ کو بہت دکھ ہوتا ہے۔ وہ بہلانے کی کوشش کرتی ہے۔ مگر ناکام رہتی ہے۔

شوہر کی جدائی کے زخم اس قدر گہرے ہو گئے ہیں کہ ان سے اٹھنے والی ٹیسوں نے
سیدہ آمنہ کو سردار عبداللہ کی خاکِ گور کا مرہم حاصل کرنے پر مجبور کر دیا ہے۔ وہ اپنی کنیز
برکہ اور اپنے نورِ نظر جناب محمدؐ کے ساتھ دو اونٹوں کو لے کر یثرب کی طرف روانہ ہو
جاتی ہیں اور وہاں پہنچ کر جناب عبدالمطلب کے ننھیال بنو نجار کے ہاں دار النابغہ میں
ٹھہرتی ہیں۔ مرحوم شوہر کی قبر کو دیکھ کر زخم مندمل ہونے کی بجائے گھاؤ کی صورت اختیار کر
لیتے ہیں۔ فراق کی آگ سلگ اٹھتی ہے اور سیدہ آمنہ اندر ہی اندر گھلنے لگتی ہیں۔ ان کی
زبان خاموش اور آنکھیں خشک ہیں لیکن دل روتا ہے۔

دارالنابغہ[۶۱] میں ان کا قیام ایک ماہ تک رہتا ہے۔ وہ پہروں سردار عبداللہ کی قبر کو دیکھا کرتی ہیں۔ تصوّر میں ان سے محوِ کلام رہتی ہیں۔ میزبان انہیں یُوں گم سم دیکھ کر پریشان ہو جاتے ہیں۔ ان کا خیال ہے شاید سیّدہ پر آسیب کا اثر ہے۔ وہ ٹونے ٹوٹکے جھاڑ پھونک کا بندوبست کرنا چاہتے ہیں لیکن برکہ کہتی ہے۔

"ان کی یہ حالت کسی آسیب یا بیماری کا نتیجہ نہیں ہے۔ بلکہ یہ سب کچھ چھوٹے سردار کی موت کی وجہ سے ہے۔"

عورتیں یہ سُن کر متعجب ہو جاتی ہیں۔ اور ایک دوسرے سے سرگوشیوں میں کہتی

"آہ ــــ باوفا ــــ بیوی!"

جناب محمدؐ جو اس وقت تک حارث کو ابو کہا کرتے تھے۔ مرحوم سردار عبداللہ کی قبر دیکھ کر بے چین ہو گئے ہیں۔ انہیں اپنے ابو کو دیکھنے اور ان سے باتیں کرنے کی آرزو بے قرار کر دیتی ہے۔

"کاش میرے ابو زندہ ہوتے۔ میں ان کو دیکھتا۔ ان سے باتیں کرتا۔ وہ مجھے آغوش میں لے لیتے۔ کندھوں پر سوار کر لیتے۔"

جناب محمدؐ کے دل سے ہوک سی اُٹھتی ہے۔ وہ اپنی معصوم ماں کی زندگی ہوئی سسکیاں سُنتے ہیں تو دل بھر آتا ہے۔ والدہ کا اُداس چہرہ ان کے جذبات میں طلاطم پیدا کر دیتا ہے۔ وہ کبھی برکہ کو دیکھتے ہیں جو انہیں محبّت سے تھپتھپاتی ہے اور دلاسہ دیتی ہے۔ کبھی ماں کو پکارتے ہیں۔

"امّی آپ کو کیا ہوا ہے۔ آپ روتی کیوں ہیں؟"

اور کبھی سردار عبداللہ کی قبر کی طرف اُداس نگاہوں سے ٹکٹکی باندھ دیتے ہیں۔

برکہ انہیں اس اُداس ماحول سے دُور لے جاتی ہے۔ بنو نجار کی ایک لڑکی انیسہ[۶۲] جو آپؐ کی ہم عمر ہے آپؐ کے ساتھ کھیلا کرتی ہے۔ سامنے قلعہ پر ایک سفید پرندہ آ کر بیٹھا کرتا ہے جسے بچے پتھر مار مار کر اُڑاتے رہتے ہیں۔ آپؐ اسے دیکھ کر خوش

ہوتے ہیں - آپؐ نے بنو نجار کی باولی میں تیرنا بھی سیکھ لیا ہے - اور اس سے خوب لطف اٹھاتے ہیں - کبھی سنگ ریزے جمع کر کے مینار بناتے ہیں کبھی دوڑتے ہیں کبھی ٹیلوں جھاڑیوں اور کھجور کے درختوں کو دیکھا کرتے ہیں - ان کے ہم جولی آپس میں لڑتے جھگڑتے بھی ہیں - لیکن جناب محمدؐ کو اس سے کوئی سروکار نہیں - آپؐ کو لڑنا جھگڑنا پسند ہی نہیں ہے - اس لیے سب آپؐ سے کھیلنا پسند کرتے ہیں -

ایک ماہ کے قیام کے بعد سیدہ آمنہ مکہ کو واپس روانہ ہو جاتی ہیں - دل تو نہیں چاہتا کہ سردار عبداللہ سے دُور چلی جائیں - لیکن بہرحال اپنے گھر کو واپس آنا ہی پڑتا ہے - سردار عبداللہ کی جدائی نے دل و دماغ کو پارہ پارہ کر دیا ہے - یوں تو آپ بیمار رہنے لگی ہیں ، لیکن غمِ دل کا اظہار نہیں کرتیں - اور خاموشی سے صدمے سہتے ہوتے جب مقام ابواءؔ پر پہنچتی ہیں تو نزع کا عالم طاری ہو جاتا ہے -

سردار عبداللہ بھی پردیس میں فوت ہوئے تھے - سیدہ آمنہ کا آخری وقت بھی پردیس میں آگیا ہے - برکہ حیران ہے - جناب محمدؐ اپنی والدہ کے قریب بیٹھے ہیں - ماں کی نگاہیں لاڈلے بیٹے کی بلائیں لے رہی ہیں -

" میرا نورِ نظر پردیس میں بے یار و مددگار رہ جائے گا "

جناب آمنہ انتہائی نحیف آواز میں کہتی ہیں -

انہیں کراہتے ہوتے دیکھ کر جناب محمدؐ بے چین ہو گئے ہیں - آنکھوں سے آنسو بہنے لگے ہیں - ماں کا سینہ شق ہو رہا ہے - برکہ کی آنکھوں سے اشک جاری ہیں - رہگذر میں تین معصوم جانیں سخت کرب کے عالم میں ہیں - کوئی مونس و غمخوار نہیں ہے -

دیکھتے ہی دیکھتے سیدہ آمنہ کی آنکھیں پتھرا جاتی ہیں - برکہ کی چیخیں جناب محمدؐ کو رُلاتی ہیں - وہ " میری امی - ہائے میری امی " کہہ کر سیدہ آمنہ کے جسدِ بے رُوح سے لپٹ جاتے ہیں - ننھی سی جان رو رو کر ہلکان ہو رہی ہے - باپ کو دیکھا تک نہ تھا - ماں کا سہارا بھی جاتا رہا ہے - برکہ آمنہ کے لال کو سینے سے لگائے ہچکیاں لے رہی ہے -

کبھی ان کی پیشانی چومتی ہے۔ کبھی روتی اور چلاتی ہے۔ اسی کرب و اذیت کے عالم میں بستی والوں کی مدد سے جناب آمنہ کو دفن کر دیا جاتا ہے۔ اور بڑی ہمت و جانفشانی سے جناب محمدؐ کو لیے ہوئے مکہ پہنچتی ہے۔ جناب عبد المطلب اپنے یتیم پوتے کو بے اختیار سینے سے لگا لیتے ہیں۔ ان کی آنکھوں سے آنسو رواں ہیں۔ سردار عبد اللہ کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ سیدہ آمنہ کے انتقال نے سردار عبد المطلب کو مضمحل کر دیا ہے۔

۱۳

جناب محمدؐ اب اپنے دادا کی کفالت میں ہیں۔ جنہیں اپنے پوتے سے بے حد محبت ہے۔ وہ جب خانہ کعبہ کے زیر سایہ اپنی سرداری کی گدی پر بیٹھتے ہیں تو جناب محمدؐ کو اپنے ساتھ اس گدی پر بٹھاتے ہیں اور پیار سے آپؐ کی پیٹھ تھپتھپاتے رہتے ہیں۔ حالانکہ قریش میں سے کسی کو اس کی جرائت نہیں ہوتی کہ سردار مکہ کے ساتھ اس گدی پر بیٹھ سکے اور خود سردار مکہ کے بیٹے بھی ان سے دور بیٹھتے ہیں۔ دادا کی یہ شفقت دوسروں کے لیے باعث رشک ہے لیکن گھر کی چار دیواری میں جناب محمدؐ کو اپنی یتیمی اور محرومی کا شدت سے احساس ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ دیکھتے ہیں کہ ان کے ایک ہم عمر چچا عباسؓ کی متمول ماں نبیلہ اپنے شاوند عبدالمطلب سے اپنے شہزادے کے لیے طرح طرح کی فرمائشیں کرتی ہیں۔ دوسرے ہم عمر چچا حمزہ کی ماں ہالہ بنت وہیب بھی اپنے لاڈلے کے چونچلے برداشت کرنے اور باپ سے تقاضے کرتی ہے۔ لیکن خود جناب محمدؐ کی طرف سے تقاضے اور فرمائشیں کرنے والا کوئی نہیں ہے۔ نہ ماں ہے نہ باپ۔ ان کے دل سے ہوک سی اٹھتی ہے۔ ماں کی یاد ستاتی ہے اور بے اختیار یتیمیؐ کا احساس غالب آ جاتا ہے۔

اگرچہ جناب عبدالمطلب خود بھی رقیق القلب اور جہاندیدہ ہیں۔ انہیں اپنے بیٹے عبداللہ کی نشانی ۔۔ محمدؐ ۔۔ سے بے حد محبت ہے۔ وہ آپؐ کی دل جوئی کیا کرتے ہیں لیکن مرد ہی تو ہیں۔ ماں کی ممتا کا نعم البدل تو نہیں ہو سکتے۔ پھر نہیں اکثر اوقات فرصت بھی

کم ہی ملتی ہے۔ کیونکہ قریش کے جھگڑے جھمیلے۔ متعدد بیویوں کی ضروریات اور کثیر اولاد کی کفالت میں فراغت کہاں ملتی ہے کہ باپ کے پیار کی کمی پوری کر سکیں۔ ہاں۔ اس گھر میں برکہ موجود ہے، جو اس عہدِ طفلی میں آپؐ کی سب سے بڑی مونس ہے۔ جسے آپؐ کے دلی جذبات کا بخوبی احساس ہے۔ جس نے آپؐ کو لوریاں دی ہیں۔ جس نے آپؐ کی والدہ کو بہلانے کی کوشش کی ہے۔ وہی آپؐ کی ہمدم ہے۔

اس نوعمری میں دادا کا وجود بہرحال سب سے بڑا سہارا ہے۔ لیکن دو سال گزرنے پر جب کہ آپؐ کی عمر آٹھ سال ہو چکی ہے۔ آپؐ کے دادا کا بیاسی سال کی عمر میں انتقال ہو جاتا ہے۔ آپؐ پر غم کا کوہِ گراں گر پڑتا ہے۔ جنازے میں آپؐ بھی شامل ہیں۔ روتے روتے ہچکیاں بندھ گئی ہیں۔ "ہائے میرے دادا۔ میں کیا کروں"

آپؐ بے اختیار پکار اٹھتے ہیں۔ خود تڑپ رہے ہیں۔ اوروں کو تڑپا رہے ہیں۔ دادا کے جنازہ سے لپٹ لپٹ جاتے ہیں۔ آنسوؤں کا سیلاب جاری ہے۔ دل غم سے چور ہے۔ ماں کی موت کا گھاؤ پھر سے تازہ ہو گیا ہے۔ رنج والم سے تڑپ رہے ہیں۔

کائنات کا ذرّہ ذرّہ سوگوار ہے۔ ہوائیں اداس اور فضا بوجھل ہے۔ دادا کا جسم لحد میں چھپ گیا ہے۔ آپؐ دھاڑیں مار مار کر رو رہے ہیں۔ آج لطف و کرم اور محبت و شفقت کا سورج غروب ہو گیا ہے۔ آج باپ کی آغوش سے محروم رہنے والے جناب محمدؐ دادا کی آغوش سے بھی محروم ہو گئے ہیں۔ جذبات و احساسات میں کرب و اذیت کی چھریاں سی چل رہی ہیں۔ لوگ جس قدر تسلی دیتے ہیں طبیعت میں سوز و گداز اتنا ہی بڑھتا ہے۔ بچپن میں ماں باپ کی جدائی کا وہ غم نہ ہوا تھا جو آج لڑکپن میں دادا کے جدا ہو جانے سے پیدا ہوا ہے۔ ہوا کا ایک مغموم جھونکا پاس سے یہ کہتا ہوا گزر جاتا ہے۔

"پیارے محمدؐ۔ یتیمی کا داغ اس لیے دیا گیا ہے کہ آپؐ کو یتیموں کا غمخوار ہونا ہے۔ اداسی اس لیے محیط ہے کہ غمزدوں کی دلجوئی کرنی پڑے گی۔ ماں باپ اور دادا کے سہارے اس لیے ٹوٹ رہے ہیں کہ سب سہاروں کا سہارا خالقِ اکبر ——— آپؐ کو اپنی پناہ میں لے چکا ہے۔"

دادا نے موت کی گھڑیوں میں پیارے پوتے کی کفالت جناب ابوطالب کے ذمہ لگا دی ہے۔ جو جناب عبداللہ کے ماں جائے بھائی ہیں۔ جس قدر شفقت کی توقع ان سے کی جاسکتی ہے دوسروں سے اس کی امید نہیں ہوسکتی۔ جناب محمدؐ اب ابوطالب کی تحویل میں ہیں۔ جو پختہ عمر اور شفیق ہیں۔ ان کی بیوی فاطمہ اسدیہ مہربان ہیں ان کا ایک ہی کم سن بچہ طالبؑ[۶۸] ہے۔ چچا نے آپؐ کو اپنی آنکھوں کا تارا بنا لیا ہے۔ چچی نے ماں کی کمی پوری کر دی ہے۔ خالق اکبر نے آپؐ کو اس قدر محرومی کا داغ دے کر اب اچھا ٹھکانا دے دیا ہے۔ ابوطالب اگرچہ دوسرے بھائیوں کے مقابلے میں غریب ہیں لیکن جناب عبداللہ کی نشانی کو بے حد محبت سے گلے لگا لیا ہے۔ ہر وقت اپنے ساتھ رکھتے ہیں۔ فاطمہؑ[۶۹] آپ کے خورد و نوش کا بے حد خیال رکھتی ہے۔ کھیلنے کے لیے طالب موجود ہے۔

آپؐ چچا کی سرپرستی میں جوان ہو رہے ہیں۔ طفولیت سے نکل کر لڑکپن میں داخل ہو گئے ہیں۔ بدن تندرست ہے۔ احساس و شعور میں وسعت آ گئی ہے۔ غیر معمولی صلاحیتیں ابھر رہی ہیں۔ سعادت مندی، شرافت، پاکبازی اور ذہانت نے دوسروں کو بے حد متاثر کیا ہے۔ اور یوں ابوطالب کے گھر سے نکل کر اس روشن چراغ کا نور آہستہ آہستہ دوسروں کی توجہ کا مرکز بنتا جا رہا ہے۔

۱۴

مکہ مکرمہ قحط کی لپیٹ میں ہے۔ خشک سالی نے لوگوں کی کمر توڑ دی ہے۔ جھاڑیاں سوکھ گئی ہیں۔ درخت مرجھا گئے ہیں۔ نخلستان حسرت و یاس کی تصویر ہیں۔ پانی کنوؤں کی تہہ میں اُتر گیا ہے۔ بہتے ہوئے چشمے اور رستے ہوئے سوتے تشنہ لب ہیں۔ بکریوں کا دودھ خشک اور گوشت سُوکھ گیا ہے۔ ان پر صرف کھال منڈھی ہوئی نظر آتی ہے اونٹوں کے کوہان دب گئے ہیں۔ قافلوں کی گھنٹیاں خاموش اور ساربانوں کی زبانیں گنگ ہیں۔ کاروبار مندا پڑ گیا ہے۔ یاس کے عفریت ہر طرف منڈلاتے پھرتے ہیں۔ وحشت کا دور دورہ ہے۔ لوگوں کے چہرے اترے ہوئے ہیں۔ بچّوں کے بلبلانے کی آوازیں دلخراش چیخوں میں تبدیل ہو گئی ہیں۔ ماؤں کے سینے فگار اور آنکھیں اشکبار ہیں۔ لوگ دیوتاؤں کے آستانوں پر گڑگڑا رہے ہیں۔ غرض عجیب نفسا نفسی کا عالم ہے۔

گرمیوں کی چلچلاتی ہوئی دوپہر ہے۔ حرارت کی شدّت سے زمین و آسمان تپ رہے ہیں۔ لوگ گھروں میں دبک گئے ہیں۔ گلیاں سنسان اور بازار ویران ہیں۔ حتیٰ وحوش و طیور کی آواز تک سنائی نہیں دیتی۔ بلا کی تمازت ہے۔ کچھ قیلولہ میں ہیں۔ کچھ پر بھوک کی وجہ سے غنودگی سی طاری ہے۔ کچھ ہجومِ افکار سے پریشان ہیں۔

اسی شہر مکہ میں سردار عبدالمطلب کے بیٹے ابو طالب کا گھر ہے۔ وہ ایک چھ...
سے کمرے میں ہیں۔ جو مکینوں کی نفاست کا آئینہ دار ہے۔ وہ تکیے کا سہارا لیے

پلنگ پر نیم دراز ہیں۔ ان کے پلنگ کے بالمقابل ایک اور پلنگ ہے۔ جس پر نو دس برس کا ایک معصوم بچہ محوِ استراحت ہے۔ چہرے پر پسینے کے موتی ڈھلک رہے ہیں۔ بالوں کی لٹیں بار بار کروٹیں بدلنے سے بکھر جاتی ہیں۔ مگر جمالِ جہاں آرا اس سے اور نکھرتا ہے۔ ابوطالب کی نظریں اس پُرنور چہرے کا طواف کر رہی ہیں۔ جس پر معصومیت ہالہ کیے ہوتے ہے۔ ان کی نگاہیں کبھی اس بدرِ منیر سے اُٹھتی ہوئی نوری کرنوں کا تعاقب کرتی ہیں اور کبھی چہرے رُخِ روشن پر مرکوز ہو جاتی ہیں۔ کمرے میں مکمل خاموشی اور دُور دُور تک سناٹا طاری ہے۔

یہ ابوطالب کے پیارے بھتیجے۔ دُعائے خلیل اور نویدِ مسیحا۔ جانِ آمنہ اور جگر گوشۂ عبداللہ ہیں۔ دادا نے ان کا نام محمدؐ رکھا ہے۔ اور یہ ہر لحاظ سے محمدؐ ہیں۔

محمدؐ محوِ خواب ہیں۔ اور ابوطالب اپنے خیالات میں غلطاں۔ اس عالم میں ان کے ذہن میں ایک تصویر اُبھرتی ہے۔ یہ دھیمی سی آہ بھر کر چونک اُٹھتے ہیں۔ اور خیالات کی لہریں ماضی کی ورق گردانی کرنے لگتی ہیں۔

"محمدؐ میرا بھتیجا اپنے باپ کی جیتی جاگتی تصویر ہے۔ آہ عبداللہ میرا ماں جایا بھائی اپنے فرزند کی جھلک تک نہ دیکھ سکا۔ آمنہ بھی زیادہ دنوں تک زندہ نہ رہ سکی۔ عبداللہ کی موت نے ہی اسے رُوحِ حیات سے محروم کر دیا تھا۔

ابّو سردار عبدالمطلب ـــــ اپنے اس پوتے کو دیکھ دیکھ کر جیتے تھے۔ اس کا نام انہوں نے انوکھا تجویز کیا تھا۔ مگر وہ بھی زیادہ دنوں تک اس معصوم مکھڑے کی بلائیں نہ لے سکے۔ اور اب اس دُرِّ یتیم کی سرپرستی مجھ ناتواں کے حصے میں آئی ہے۔

اللہ مجھے اس کی توفیق دے۔ ابھی تو اس نے زندگی کی دس بہاریں ہی دیکھی ہیں..."

اسی اثنا میں کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ ابوطالب کے حسین تصورات کا تار و پود

منتشر ہو گیا۔ اور آپ دروازہ کھول کر باہر نکلے۔ دیکھا تو چند آدمی کھڑے ہیں۔ ایک نے آگے بڑھ کر کہا۔

"مکرم بھائی۔ یہ سب آپ کے الطاف و اکرام کے اُمیدوار ہیں۔"

"آیئے!" آپ نے پوچھا "کیا بات ہے؟"

جلہمہ بن عرفطہ نے کہا۔

"قحط اور خشک سالی نے ہماری زندگی اجیرن کر دی ہے۔ ہماری سب کوششیں ناکام ہو چکی ہیں۔ اور ہم آپ کے پاس استمداد کے لیے حاضر ہوئے ہیں۔"

"یہ مدد نہیں دُعا کا معاملہ ہے" ابوطالب نے کہا۔ "آپ دُعا کریں۔"

اس پر ایک بوڑھا بول اُٹھا۔

"ہمارے دیوتا ہم سے ناراض ہو گئے ہیں۔ انہوں نے ہماری نذر و نیاز کو ٹھکرا دیا ہے۔ ہماری منّتیں بے نتیجہ ثابت ہوئی ہیں۔ ہماری آہ و زاری پہ بھی انہیں ترس نہیں آتا۔ ہم خطاکار ہیں ــ آہ ہمارے معبود ہم سے روٹھ گئے ہیں۔ اب ہم اپنا دکھڑا سنانے کے لیے تمہارے پاس آئے ہیں۔ تم ہمارے بھائی ہو۔ اور سردار عبدالمطلب کے منظورِ نظر ہو۔ کعبہ کی تولیت تمہارے خاندان میں ہے۔ سقایہ[۱] اور رفادہ[۲] کا شرف بھی آپ لوگوں کو ہی حاصل ہے۔ رب کعبہ تمہاری بات ضرور مانے گا۔ تم ہمارے لیے بارش کی دُعا کرو۔ اور ہمیں قحط سے نجات دلواؤ۔"

ابوطالب ابھی اس کا جواب بھی دینے نہ پائے تھے کہ ایک نوجوان بولا۔
"میں نے ان سے کہا تھا کہ لات[۱] و منات[۲] اور عزیٰ[۳] کے استھانوں

پر چلو۔ ان کی قربان گاہوں پر سُرخ اونٹوں کی قربانی دے کر اپنی پیشانیاں چوکھٹ پر رکھ دو۔ اور اس وقت تک سر نہ اٹھاؤ جب تک کہ وہ فریاد نہ سُن لیں۔ اگر اس طرح بھی کام نہ بنے تو کسی انسان کی بھینٹ چڑھاؤ۔ لیکن یہ بوڑھا ہمیں تمہارے پاس لے آیا ہے۔ کہتا تھا تم کہاں جا رہے ہو۔ حالانکہ تمہارے درمیان باقیہ، ابراہیم علیہ السلام اور سُلالہ اسماعیل علیہ السلام موجود ہیں۔ جب ہم نے اس سے پوچھا کہ تمہاری مراد کون ہے۔ تو اس نے تمہارا نام لیا۔ اب ہم تمہارے پاس جمع ہوئے ہیں۔ کیونکہ جنگل سوکھ گئے ہیں۔ ہمارے ریوڑ اور زن و فرزند سب قحط میں مبتلا ہیں۔ چلو۔ ہمارے لیے مینہ مانگو"

یہ سب باتیں سُن کر ابو طالب ایک ثانیہ تک سر جھکائے کھڑے رہے۔ پھر بغیر کچھ کہے سُنے اندر چلے گئے۔ لوگوں میں چہ میگوئیاں ہونے لگیں۔ مگر انہیں زیادہ دیر تک انتظار کی زحمت نہ اٹھانی پڑی۔ ابو طالب دوبارہ باہر آئے۔ لیکن اب ان کے ساتھ ایک لڑکا بھی تھا، جس کے ارد گرد اور لڑکے تھے۔ مگر یہ تو گویا ستاروں میں آفتاب تھا۔

یہ جناب محمدؐ تھے دُعائے خلیل اور نوید مسیحا۔ جانِ آمنہ اور جگر گوشۂ عبداللہ۔ عبدالمطلب کے نُورِ نظر اور ابو طالب کے پیارے بھتیجے۔ جن کا چہرہ بدرِ منیر کی طرح روشن، خوب صورت آنکھوں میں سُرخ ڈورے۔ بالوں میں مانگ نکلی ہوئی۔ چاندی کی طرح چمکتی ہوئی فراخ پیشانی۔ خم دار ابرو۔ لمبی مژگان۔ بلند بینی جس پہ نُور کی ایک شعاع کھیل رہی تھی۔ انہوں نے مجمع پر نظر ڈالی۔ اور دھیرے سے مُسکرا دیئے۔ لوگوں نے درِ دنداں سے روشنی کی ہلکی ہلکی کرنیں پھوٹتی ہوئی دیکھیں اور ماہِ جبیں کو دیکھتے ہی رہ گئے۔

ابو طالب اُن کو لیے ہوئے خانہ کعبہ میں آئے۔ لوگوں کا ہجوم آپؐ کے جلو میں تھا۔ آپؐ نے حرم میں پہنچ کر محمدؐ کی پُشت دیوارِ کعبہ سے لگا دی اور کہا۔

"بھتیجے اللہ سے بارش کی دعا کرو [۳]
وہ تمہارے صدقے میں ویرانی کو شادمانی، قحط کو فراوانی سے بدل دے گا"

بلا کی گرمی پڑ رہی تھی۔ آسمان سے آگ برستی ہوئی محسوس ہوتی تھی جس کی تمازت سے ہر شے جھلس رہی تھی۔ دیوارِ کعبہ بھی انتہائی گرم تھی۔ لوگ گرمی سے بیتاب اور مضطر تھے۔ ان کی نگاہیں محمدؐ کی طرف لگی ہوئی تھیں اور بیم و رجا کے عالم میں کھڑے تھے۔ ابوطالبؑ ٹکٹکی باندھے اپنے بھتیجے کو دیکھ رہے تھے۔ اتنے میں محمدؐ نے ایک ملتجی کی طرح اپنی انگشتِ شہادت آسمان کی طرف اٹھائی۔ اور دور خلاؤں میں نظریں گاڑ دیں۔ دل ہی دل میں دعا کی۔ پھر ان کے لب ہلتے ہوئے دکھائی دیئے۔ ایک لمحہ کے بعد انہوں نے انگلی سے اشارہ کیا اور نظریں جھکا لیں۔ لوگ بے چینی سے آسمان کو تک رہے تھے۔ دور دور تک کہیں بادل کا نشان تک نہ تھا۔ لیکن جناب محمدؐ کے اشارہ کو تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ اُفق سے بادلوں کے ٹکڑے نمودار ہوئے۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے سارے آسمان پر کالی گھٹائیں محیط ہو گئیں۔ معلوم ہوتا تھا کارکنانِ قضا و قدر صرف اشاروں کے منتظر تھے۔ جونہی محمدؐ کی انگشتِ شہادت اُٹھی وہ بلا توقف حرکت میں آ گئے۔

کارخانۂ قدرت میں یہ اشارہ خالقِ اکبر کی طرف سے گویا کُن کا اعلان تھا جس کے بعد فیکون کا نظارہ چشم زدن میں دنیا کے سامنے آ گیا۔ گھٹائیں جھوم اٹھیں۔ فضا پر وجد طاری ہو گیا۔ محمدؐ ابھی اپنے گھر تک نہیں پہنچے تھے کہ بارش شروع ہو گئی۔ اور کچھ زیادہ دیر نہ گزرنے پائی تھی کہ وادیٔ مکہ میں جل تھل ہو گیا۔

بھیڑیں ممیانے لگیں۔ پرندے چہچہا اُٹھے۔ ہواؤں میں سوندھی سوندھی خوشبو رچ گئی۔ نخلستان نکھر گئے۔ درختوں پر جوبن آ گیا۔ گھاس لہلہانے لگی۔ اور مردہ وادی جی اُٹھی۔ لوگ نہال ہو گئے۔ کوچہ و بازار میں چہل پہل ہو گئی۔ اُمنگوں کے چراغ جل اُٹھے۔ اور گھر گھر میں ابوطالب کے بھتیجے کے چرچے ہونے لگے۔ یہ دعائے محمدؐ کا کرشمہ تھا جس کا اعلان بارش کا قطرہ قطرہ اور گھاس کا پتہ پتہ کر رہا تھا۔

ہواؤں کی سرمستی ۔ پتوں کی سرسراہٹ ۔ پرندوں کی نغمہ خوانی ۔ بکریوں کی ممناہٹ اور سبزے کی مہک زبانِ حال سے پکار پکار کر کہہ رہی تھی ۔

"پیارے محمدؐ ۔ ہم آپؐ پر قربان ۔
آپؐ نے ہمیں زندہ کر دیا ۔
اے آمنہ کے لال ۔ آپؐ پر لاکھوں سلام ہوں ۔
ہم آپؐ کی نعت خوانی سے شادکام ہیں ۔"

۱۵

مکہ نیند سے بیدار ہو رہا ہے۔ گلی کوچے اونٹوں کے بلبلانے، بکریوں کے ممنانے اور چرواہوں کے ٹٹکارنے سے گونج اٹھے ہیں۔ چوپایوں کی گھنٹیاں فضا کو مترنم کر رہی ہیں جیسے نور کے تڑکے میں خود فطرت حمد کے نغمے الاپ رہی ہو۔ ہلکا ہلکا غبارِ راہ دھند کی مانند اٹھتا اور بادل کی طرح تحلیل ہو جاتا ہے۔ گویا ایک مرمریں چادر ہے جو ہوا کے دوش پر اڑتی ہوئی آتی اور گرفت میں آنے سے پہلے ہی غائب ہو جاتی ہے۔ کچھ گلے پو پھٹتے ہی جنگل کی طرف جا چکے ہیں۔ ان کے گڈریے قدوقامت اور سن و سال میں بڑے ہیں۔ جب کہ کچھ طلوعِ آفتاب کے بعد روانہ ہو رہے ہیں۔ کیونکہ ان کے چرواہے نوعمر لڑکے ہیں۔

ایسا ہی ایک ریوڑ شہر کی ایک سنسان سی گلی سے نمودار ہوتا ہے۔ گھنٹیوں کی آواز کانوں میں رس گھولتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔ بکریاں ہوائے شوق میں محوِ خرام ہیں۔ ان کے قدموں سے اُٹھنے والے غبار کے دھندلکوں میں تین نوعمر لڑکے نظر آتے ہیں۔ جو کبھی کبھی ایک لمبی سی چھڑ سے بھاگنے یا بھٹکنے والی بکریوں کو دوبارہ ریوڑ میں دھکیل دیتے ہیں۔ ایک نے سر پہ ہلکی سی گٹھڑی اٹھا رکھی ہے۔ معلوم ہوتا ہے اس میں خورد و نوش کا سامان ہے۔ دوسرے دونوں کے ہاتھوں میں چھڑیں ہیں۔

غبارِ راہ کے تحلیل ہوتے ہی ان کے چہرے صاف دکھائی دینے لگتے ہیں۔ سب خوبصورت ہیں اور نقوش بتا رہے ہیں کہ ایک ہی خانوادے کے چشم و چراغ ہیں۔ جو

یقیناً شرافت اور وجاہت کا نقیب ہے۔ لمبی چھڑ والا لڑکا دوسروں کی نسبت پُروقار نظر آتا ہے۔ اس کا چہرہ بھی اوروں سے زیادہ دلکش اور جاذبِ نگاہ ہے۔ اس کے نپے تُلے قدم سنجیدگی کے آئینہ دار ہیں۔ آنکھوں میں تجسس اور پیشانی پر تدبر کے آثار ہیں۔ تینوں آپس میں باتیں کرتے ہوئے بکریوں کو ہانک رہے ہیں۔

یہ سب خاندانِ بنو ہاشم کے لاڈلے ہیں اور لمبی چھڑ والے ابوطالب کے بھتیجے محمدؐ ہیں۔ جو فکرِ معاش میں اپنے چچاؤں کی بکریاں چَراتے ہیں۔

مکّہ سے کچھ دُور جانے کے بعد بکریوں کو چرنے کے لیے آزاد چھوڑ دیا جاتا ہے۔ جو قرب و جوار میں پھیلی ہوئی جھاڑیوں میں اِدھر اُدھر بکھر جاتی ہیں۔ اور تینوں لڑکے ایک چھوٹی سی پہاڑی پر بیٹھ کر آپس میں باتیں کرنے لگتے ہیں۔ لیکن تھوڑی دیر بعد محمدؐ وہاں سے اُٹھ کر کہیں جانا چاہتے ہیں۔ ایک لڑکا پوچھتا ہے۔

"محمدؐ کہاں جا رہے ہو"

محمدؐ جواب دیتے ہیں۔ "بکریاں دُور جا رہی ہیں۔ دوسری طرف جا کر بیٹھتا ہوں۔"

لڑکا کہتا ہے:۔ "تم ان کی فکر نہ کرو"

"کیوں" محمدؐ پوچھتے ہیں۔

لڑکا:۔ "ہماری آواز سُن کر یہ خود بخود واپس آ جائیں گی۔ آؤ ہم کھیلیں"

محمدؐ:۔ "تم کھیلو میں ان کی پاسبانی کے لیے جا رہا ہوں"

محمدؐ یہ کہہ کر اپنی چھڑ لیے ہوئے دوسری طرف روانہ ہو جاتے ہیں۔ وہ چلے جاتے ہیں تو ایک لڑکا کہتا ہے۔

"ہمارے عم زاد بھی عجیب ہیں۔ کھیل کود سے انہیں کوئی دلچسپی ہی نہیں۔"

اس پر دوسرا کہتا ہے "انہیں تنہائی پسند ہے"

"ہاں" ایک کہتا ہے۔ "ہر وقت کچھ سوچتے رہتے ہیں"

"انہیں سوچنے دو" دوسرا جواب دیتا ہے۔ "آؤ ہم کھیلیں"

دونوں لڑکے کھیل کود میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ اور محمدؐ ان سے کافی دُور ببول کے ایک درخت کے نیچے بیٹھ جاتے ہیں۔ بکریاں چرنے میں محو ہیں۔ ان کے گلے کی گھنٹیاں دُور دُور تک بجتی ہوئی سنائی دیتی ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے گویا فضا میں جلترنگ بج رہے ہیں۔ محمدؐ کی نگاہیں نیلگوں آسمان اور بلند و بالا پہاڑیوں پر مرکوز ہیں۔ تاہم کبھی کبھی ایک نظر سے بکریوں کو بھی دیکھ لیتے ہیں لیکن اس سے ان کی محویت میں کوئی فرق نہیں آتا۔ رفتہ رفتہ ان پر استغراق کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ اور اس عالم میں فضا سے محو راز و نیاز ہو جاتے ہیں۔ پہاڑیاں زبانِ بے زبانی سے کہتی ہیں۔

"یا محمدؐ۔ ہمیں غور سے دیکھیے اور سوچیے ہمارا بنانے والا کون ہے۔"

نیلگوں آسمان سرگوشیاں کرتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔

"پیارے محمدؐ۔ دیکھیے مجھے خالقِ اکبر نے کس طرح بے سہارا پھیلا دیا ہے۔ اس ساری کائنات کا پیدا کرنے والا تو بہت بڑا اور سب پر قادر ہے۔"

صحرا کا ذرّہ ذرّہ کہہ رہا ہے۔

"یا محمدؐ۔ ہم سب کا خالق یقیناً سب سے اعلیٰ و ارفع ہے۔ اسی نے وسیع آسمان بنایا۔ اسی نے بلند پہاڑیاں پیدا کیں۔ اور اسی نے ہم حقیر ذرّوں کی تخلیق کی۔ وہی آپؐ کا پیدا کرنے والا ہے۔ اسے تلاش کیجیے۔"

محمدؐ کی نگاہوں کے سامنے دیوی دیوتاؤں کے بے شمار بُت اُبھر آتے ہیں۔ ہئیت و وجاہت میں ایک دوسرے سے مختلف بے جان۔ بے حس پتھر کی مورتیاں جن کے استھانوں پر بڑے بڑے سردار سجدہ ریز ہیں۔ کچھ محوِ رقص ہیں۔ کچھ نذر گزار ہیں۔ کوئی قربانیاں پیش کر رہا ہے۔ کچھ برہنہ طواف کر رہے ہیں۔ کچھ ہاتھ جوڑے آنکھیں بند کیے خود بُت بنے بیٹھے ہیں۔ کہیں ساز بجنے کی آواز ہے۔ کہیں خوشبو کی لپٹیں ہیں۔ کہیں جھنڈے لہرا رہے ہیں۔ کہیں بے تابی و بے چینی اور کرب و اضطراب کا اظہار ہے۔ کہیں مایوسی اور کہیں اُمید جھلکتی ہے۔ مگر یہ بے زبان۔

بے حس اور بے جان مورتیاں مدتوں سے اسی طرح کھڑی ہیں۔
"آخر یہ سب کچھ کیا ہے" محمدؐ کی زبان سے بے اختیار نکل جاتا ہے۔
"یہ مورتیاں تو بے حس ہیں۔ انہیں انسان نے خود تراشا ہے۔ لیکن انسان کو کس نے بنایا ہے؟" وہ انہی خیالات میں کھو جاتے ہیں۔
اتنے میں ان کے ہم عمر چند گڈریے اپنے ریوڑوں کو لیے ہوئے اس طرف آنکلتے ہیں۔ اور آپؐ کو دیکھ کر رفتہ رفتہ قریب آجاتے ہیں۔
"محمدؐ۔ کیا سوچ رہے ہو؟" ایک لڑکا پوچھتا ہے۔
آپؐ چونک اٹھتے ہیں۔ اور خیالات کی لہریں پریشان ہو جاتی ہیں۔ آپؐ اس کی طرف دیکھتے ہوئے فرماتے ہیں۔
"میں سوچ رہا تھا کہ آسمان کس نے پھیلایا۔ پہاڑیاں کیسے بن گئیں اور صحرا کے ذرّے کس طرح وجود میں آئے۔"
لڑکا یہ سن کر پریشان سا ہو جاتا ہے اور سہمے ہوئے لہجے میں کہتا ہے۔
"یہ سب ہمارے دیوتا ہیں ان کے متعلق ایسا نہیں سوچنا چاہیئے"
آپؐ زیر لب تبسم فرماتے ہیں۔ اور لڑکے کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہتے ہیں۔
"میرا دل اس بات کو نہیں مانتا۔"
لڑکا بھونچکا سا رہ جاتا ہے۔ اس کے لیے یہ انتہائی خطرناک بات ہے۔ وہ حیرت اور بے چینی کے عالم میں کہتا ہے۔
"محمدؐ۔ ایسی بات نہ کہو۔ دیوتا ناراض ہو جائیں گے۔"
"پھر کیا ہوگا" آپؐ پوچھتے ہیں۔
"پھر ہمیں نقصان ہوگا۔ وہ ہمیں برباد کر دیں گے" لڑکا جواب دیتا ہے۔
آپؐ نہایت پُراعتماد لہجے میں فرماتے ہیں۔
"یہ بے جان اور بے حس چیزیں ہمیں کسی طرح نفع یا نقصان پہنچا

سکتی ہیں۔ تم خود ہی سوچو۔ مجھے تو اس بات پر قطعاً اعتبار نہیں۔"

اتنے میں دوسرا لڑکا بھی قریب آجاتا ہے اور چھوٹتے ہی کہتا ہے۔

"آج بنو کنانہ کے ہاں راگ رنگ کی مجلس ہے۔ چلو رات کو وہاں چلیں۔"

محمدؐ ابھی تک خاموش ہیں۔ لیکن پہلا لڑکا بضد ہو کر کہتا ہے۔

"ہاں۔ ہاں۔ محمدؐ۔ آج ضرور وہاں چلیں گے۔ آخر سارا دن جنگل میں بکریاں چرانے کے بعد اس مجلس کا لطف اٹھانے میں کیا ہرج ہے؟"

محمدؐ بلا توقف فرماتے ہیں۔

"میرے دل میں کبھی اس قسم کی خواہش ہی پیدا نہیں ہوئی۔ تم بے شک جاؤ۔"

پہلا لڑکا بول اٹھتا ہے۔

"محمدؐ۔ اگر ایک رات ایسی محفل میں گزارو تو اس قسم کی ہزاروں خواہشیں تمہارے دل میں بھی خود بخود پیدا ہونے لگیں گی۔"

دوسرا لڑکا اس کی تائید میں کہتا ہے۔

"تم سارا سارا دن جنگل میں بکریاں چراتے ہو یا ان ہونی باتیں سوچتے رہتے ہو۔ اس لیے تم ایسی مجلسوں کے لطف سے واقف نہیں ہو۔ آج ہم تمہیں ضرور اپنے ساتھ لے جائیں گے۔"

محمدؐ نوجوان ہیں۔ اور نوجوانی اپنے ساتھ اُمنگوں اور ولولوں کو لے کر آتی ہے۔ اس عمر میں طوفانوں کا آغاز ہوتا ہے۔ طرح طرح کی آرزوئیں مچلتی ہیں تجسس اور جستجو کی بجلیاں کوندتی ہیں۔ آگے بڑھنے اور کچھ کر گزرنے کا جذبہ شعلہ جوالہ بن جاتا ہے۔ ذرا سی تحریک پر ہزاروں خوابیدہ خواہشیں جاگ اٹھتی ہیں۔ اور کھیل کود کی خاطر اپنے رفیقوں کے ساتھ چل پڑنا بالکل فطری تقاضا بن جاتا ہے۔

ساتھیوں کی اس تحریک نے جنابِ محمدؐ کو راگ رنگ کی محفل میں جانے پر آمادہ کر

لیا۔ اور طے یہ پایا کہ بکریاں اپنے عم زاد ــــ طالب ــــ کے سپرد کر کے رات کو بنو کنانہ کی چوپال میں جائیں گے۔

"اگر تم اصرار کرتے ہو تو میں تمہارے ساتھ چلوں گا" محمدؐ دو ٹوک فیصلہ کر دیتے ہیں۔

ساتھی آگے بڑھ جاتے ہیں اور فطرت آپؐ کو تنہا دیکھ کر سرگوشیوں میں کہتی ہے۔

"یا محمدؐ۔ آج آپؐ بکریوں کی پاسبانی کر رہے ہیں۔ کل آپؐ کو جہانبانی کرنی پڑے گی۔ بکریوں کی دیکھ بھال میں آج آپؐ جس دل سوزی سے کام لیتے ہیں ہے، امت کی نگرانی کے لیے کل اس سے زیادہ جگر سوزی سے کام لینا پڑے گا۔ یہ کھیل تماشے تو دوسروں کے لیے ہیں۔ آپؐ تو پاسبانِ بنی آدم ہیں۔"

۱۶

بنو کنانہ کی ایک چوپال میں محفل رقص و سرود کا ہنگامہ زوروں پر ہے۔ شراب کے دور چل رہے ہیں۔ کنیزیں ناچ رہی ہیں۔ سازندے اپنی دھن میں مست ہیں۔ فضا پر سحر طاری ہے۔ تماشائی بے خود ہو چکے ہیں۔ شرم و حیا اور ننگ و ناموس کی دھجیاں بکھر گئی ہیں۔ ایسی محفلیں عربوں کی روحِ حیات ہیں۔ یہیں فتنے جنم لیتے ہیں۔ کیونکہ فخر و غرور کی بولیاں اور حسن و عشق کی داستانیں بسا اوقات قتل و غارت میں تبدیل ہو جاتی ہیں۔ اور پھر پشت در پشت یہ سلسلہ جاری رہتا ہے؛ تاہم عربوں کی مہمان نوازی، فیاضی، بہادری اور شعر و شاعری کے جوبن کا نکھار ایسی ہی محفلوں میں نظر آتا ہے۔

عیش و نشاط کی محفلیں جب آراستہ ہوتی ہیں تو داستان گوئی اور ہرزہ سرائی اس کا اہم جزو ہوتا ہے۔ داستان گو اپنے فن کا مظاہرہ کرتے ہوئے ساری ساری رات حرف و حکایت میں گزار دیتا ہے۔ اور لوگ سنتے سنتے آنکھوں میں رات کاٹ دیتے ہیں۔ کبھی کبھی رقص و سرود اور مے نوشی سے اسے دوآتشہ بھی کر لیا جاتا ہے تاکہ ذرا پھیکا نہ ہونے پائے۔

محمدؐ نوجوانی کے ولولے اور ساتھیوں کے اصرار پر اس مجلس میں شرکت کے لیے تیار تو ہو گئے تھے، لیکن جب ادھر کا رخ کیا اور تھوڑی دور گئے تو راستے میں ایک گھر سے گانے کی آواز سنائی دی۔ آپؐ رک گئے۔ گیت میں بلا کی شیرینی اور آواز میں قیامت کا جادو تھا۔ آپؐ نے چاہا کچھ دیر تک یہ گیت سنیں، لیکن جب آواز کا ر

کانوں کی راہ سے دماغ میں پہنچا تو نیند کا خمار غالب آگیا اور وہیں بیٹھے بیٹھے سو گئے۔ فطرت خود تھپکیاں دے کر سُلا رہی تھی۔ کیونکہ یہ کھیل تماشے تو دوسروں کے لیے ہیں۔ حضورؐ کی شان اس سے اعلیٰ و ارفع ہے۔

بنو کنانہ کی محفلِ طرب آراستہ ہے۔ اس محلّے کے ایک گھر سے گیت کی آواز بدستور ترنم ریز ہے لیکن حضورؐ ان دونوں سے بے نیاز سرِ راہ محوِ خواب ہیں۔ معصومیت ہالہ کیے ہوتے ہے جسے دیکھ دیکھ کر ابلیس اپنے سر پہ خاک ڈالتا اور نزسہ کرتا ہوا چلا جاتا ہے۔ اور حضورؐ میٹھی اور گہری نیند کی آغوش میں دنیا و مافیہا سے بے نیاز ساری رات گزار دیتے ہیں۔ حتّٰی کہ سورج کی شعاعیں رُخِ روشن کا طواف کرنے لگتی ہیں۔ اور ان کی حرارت سے آنکھ کھُل جاتی ہے۔ آپؐ کپڑے جھاڑ کر اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور واپس ریوڑ کی طرف چل دیتے ہیں۔ راستے میں اسی لڑکے سے ملاقات ہوتی ہے جس نے آپؐ کو اس پر اکسایا تھا۔ وہ بیتابی سے پوچھتا ہے۔

”محمدؐ تم کہاں تھے۔ میں نے ساری محفل میں تمہیں ڈھونڈا مگر تم کہیں نظر نہیں آئے۔ کہو مجلس کا لطف آیا؟“

حضورؐ بے نیازی سے جواب دیتے ہیں۔

”میں وہاں جا رہا تھا کہ راستے میں ایک گھر سے گانے کی آواز سن کر ذرا سی دیر کے لیے رُکا اور وہیں نیند آگئی۔ ابھی وہاں سے اُٹھ کر آ رہا ہوں۔“

لڑکا بے اختیار مسکراتا اور کہتا ہے۔

”اچھا آج رات آجانا۔ دیکھو یہ موقع ہاتھ سے نہ جانے دینا کیونکہ آج آخری رات ہے۔“

”میں نہیں جاؤں گا۔“ حضورؐ فیصلہ کن انداز میں فرماتے اور آگے بڑھ جاتے ہیں۔ لڑکا حیرت سے آپؐ کو دیکھتا اور پھر یہ کہتا ہوا چلا جاتا ہے۔

”یہ بھی عجیب نوجوان ہیں جو راگ رنگ کی محفلوں میں شامل نہیں ہوتے۔“

حضورؐ اپنی بکریوں کی طرف جا رہے ہیں اور فطرت چپکے چپکے کہہ رہی ہے ۔

"پیارے محمدؐ کیا یہ ساری کائنات کھیل تماشہ ہے ۔ کیا زندگی کا مقصد راگ رنگ کے سوا اور کچھ نہیں ہے ۔ لوگ کہتے ہیں عیش و نشاط ہی زندگی کی روح ہے ۔ لیکن ان لوگوں کے خالق اور مالک سے پوچھیے حقیقت کیا ہے ۔ اس قادرِ مطلق کو تلاش کیجیے اور اس کا پیغام سنیئے پھر زندگی کا راز خود بخود معلوم ہو جائے گا ۔ اس پر سوچیے اور سوچتے ہی رہیئے ۔ یہ کھیل تماشے تو دوسروں کے لیے ہیں ۔"

نوعِ انسانی کے سب سے بڑے گلہ بان محمد صلی اللہ علیہ وسلم دن بھر جنگل میں بکریوں کی رکھوالی کرتے جھڑ بیریوں کے بیر کھاتے ۔ اونٹوں کی مہار پکڑ کر چلتے ۔ بکری کے بچوں سے پیار کرتے فطرت کی سرگوشیوں کو سنتے اور رات کو تھکے ماندے سو جاتے ۔ انہیں اس کی کوئی خبر نہ ہوتی کہ شہر میں کون آتا ہے اور کیا ہوتا ہے ۔

۱۷

آج قافلوں کی فرودگاہ میں غیر معمولی گہما گہمی ہے۔ اونٹوں کے بلبلانے کی آوازیں دھماکوں کی طرح سُنائی دے رہی ہیں۔ جس کے ساتھ ان کے گلے میں پڑی ہوئی گھنٹیوں کی صدائے بے ہنگم عجیب بے تکی سی محسوس ہوتی ہے۔ لوگ افراتفری کے عالم میں ادھر اُدھر بھاگ رہے ہیں۔ بعض سروں پر گٹھر اٹھاتے ہوئے ہیں۔ بعض گدھوں سے باربرداری کا کام لے رہے ہیں۔ کہیں غلاموں کی چیخ و پکار ہے۔ کہیں آقاؤں کے ہاتھ تیزی سے کوڑے گھماتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ بے بس غلام، جن پر شڑاک شڑاک کوڑے پڑ رہے ہیں۔ گدھوں سے بدتر اور اونٹوں سے کم تر سمجھے جاتے ہیں۔ بیچارے اپنی ننگی پیٹھوں پر وزنی سامان اٹھائے لڑکھڑاتے ہوئے فرودگاہ کی طرف چلے جا رہے ہیں۔ ان کے قدم بوجھل، دماغ مختل، چہرے زرد اور جسم پسینے سے شرابور ہیں اس پر بھی بے رحم آقاؤں کی جبینیں پُرشکن ہیں۔ اور زبانیں یاوہ گوئی میں قینچی کی طرح چل رہی ہیں۔

کہیں جوڑ توڑ ہو رہا ہے۔ کہیں مول تول کی باتیں ہیں۔ کہیں جنس کی پرکھ کی جا رہی ہے۔ کسی کو مسلا جا رہا ہے۔ کوئی سونگھ رہا ہے۔ کوئی چکھ رہا ہے۔ کوئی صرف دیکھ رہا ہے۔ کسی کی آنکھیں بند ہیں، لیکن دماغ سوچ اور اُنگلیاں گنتی میں ہیں کہیں وزن ہو رہا ہے۔ کچھ اونٹوں پر سامان لادا جا چکا ہے۔ کچھ بلبلا رہے ہیں۔ کہیں چمکدار جھولیں ہیں۔ کہیں خوبصورت عماریاں اپنی چھب دکھا رہی ہیں۔ کوئی زنبیلوں

نجومیوں اور بچپا گلوں کی جانچ پڑتال کر رہا ہے۔ کہیں دخت رز کے رسیا جام وسبو اور ساغر و مینا کو سنبھالے ہوئے ہیں۔ کہیں چند عورتیں جو غالباً کنیزیں ہیں نظر آتی ہیں۔ چند بچے دکھائی دیتے ہیں، لیکن ہر کوئی منہ اٹھائے اپنی اپنی دھن میں مگن ہے۔

دن ڈھلتے ہی یہ سارا ہنگامہ شروع ہو گیا تھا۔ جوں جوں سورج پر زردی پھیل رہی ہے مختلف راہوں سے چھوٹے چھوٹے قافلے فرودگاہ میں داخل ہو رہے ہیں۔ ہر شخص اسی کوشش میں ہے کہ غروبِ آفتاب سے پہلے پہلے سفر کے لیے تیار ہو جائے۔ یہ قریش کا تجارتی قافلہ ہے جو ملک شام کو جانے والا ہے۔ اسے پہر رات گزرنے پر روانہ ہونا ہے۔

قریش کے ایسے قافلے ہر سال سامانِ تجارت کے ساتھ شام جاتے اور وہاں سے اسلحہ، اناج، ظروف اور پارچات وغیرہ ضروریاتِ زندگی خرید کر لایا کرتے ہیں یہ ان کا معمول ہے۔ یہی ان کی گزربسر کا سب سے بڑا ذریعہ اور شہرت کا سبب ہے۔ اسی کے طفیل وہ تجربات حاصل کرتے اور مشاہدات کی دولت سے مالا مال ہو جاتے ہیں۔ اسی میں ان کی سیادت کا راز ہے۔ اس کارواں میں ابوطالب کے اونٹوں کی قطار بھی شامل ہے۔ وہ خود تو اس وقت قافلوں کی فرودگاہ میں ہیں، لیکن ان کے پیارے بھتیجے محمدؐ بکریوں کی پاسبانی کر رہے ہیں۔ آپؐ کے کانوں میں پیارے چچا کی روانگی کی بھنک پڑ جاتی ہے اور آپؐ بے چین ہو جاتے ہیں۔

"عمِ محترم جا رہے ہیں ــــ مجھے اکیلا چھوڑ کر ــــ وہ چلے جائیں گے۔
دور ــ بہت ہی دور ــ اور میں اکیلا رہ جاؤں گا۔"

یہ سوچ کر آپؐ پر اداسی طاری ہو جاتی ہے۔

"نہیں ـ نہیں میں ان کے بغیر نہیں رہ سکتا۔ میں ان کو دیکھے بغیر کیسے رہ سکوں گا۔ ان کے بعد کون مجھ سے پوچھے گا ــــ بیٹے محمدؐ ـ تم خوش تو ہو ــــ میری آنکھیں انہیں دیکھنے کو ترس جائیں گی۔ ان کی میٹھی

ان کے بغیر مجھے کیوں کر چین نصیب ہو گا۔
رہے ابو کی شفقت۔ میری امی کا پیار اور میرے دادا کی محبت۔ ان
سب کا ٹھنڈا اور میٹھا چشمہ تو اب میرے چچا جان ہیں۔
اگر وہ چلے گئے تو میری دنیا ویران ہو جائے گی۔ میں ان سب سے محروم
رہ جاؤں گا۔"
حضورؐ یہ سوچ سوچ کر بے چین ہو گئے۔ انہوں نے بکریوں کو باڑے میں بند کیا
اور گھر میں کسی کو بتائے بغیر سیدھے قافلے کی فرودگاہ میں چلے آئے۔ اور چچا کو ڈھونڈنے
لگے۔ ابوطالب نے انہیں دور سے آتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ حضورؐ قریب آگئے۔ وہ
اداس تھے۔ ابوطالب نے بیتابی سے پوچھا۔
"محمدؐ۔ تم اداس نظر آتے ہو۔"
"ہاں!" محمدؐ سسکی بھرتے ہوئے بولے۔
"کیوں" ابوطالب نے بے چینی سے پوچھا۔
"آپ جا رہے ہیں" محمدؐ کی آواز گلے میں اٹک گئی اور آپؐ خاموش ہو گئے۔
"پھر کیا ہوا بیٹے" ابوطالب پر کرب کی کیفیت طاری ہو گئی۔
"میں آپ کے ساتھ جاؤں گا"۔ یہ کہتے ہوئے محمدؐ کی آنکھیں پُرنم ہو گئیں۔
ابوطالب نے شفقت سے آپؐ کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ تھپکی دی۔ اور بولے۔
"بیٹے دُور دراز کا سفر ہے اور راستے دشوار گذار۔ تم اس کی تکلیفوں کو برداشت
نہ کر سکو گے اس لیے گھر پر ہی رہو۔"
محمدؐ نے دُکھ بھرے لہجے میں کہا۔
"آپ کے ساتھ رہ کر مجھے کسی تکلیف کی پروا نہیں۔"
ابوطالب نے آپؐ کی پیشانی کو بوسہ دیا۔ اور گال تھپتھپاتے ہوئے کہا۔
"تم ابھی بچے ہو بیٹے۔ کیوں اپنی جان کو ہلکان میں ڈالتے ہو۔ میں تمہارے
لیے شام سے طرح طرح کے تحفے لاؤں گا۔"

"مجھے کسی تحفے کی ضرورت نہیں ہے چچا جان۔ میں آپ کے بغیر نہیں رہوں گا۔ میں آپ کے ساتھ جاؤں گا۔ ضرور جاؤں گا۔ مجھے چھوڑ کر نہ جائیں۔"

یہ کہتے ہوئے محمدؐ کی خوبصورت آنکھوں کے سرخ ڈورے آنسوؤں کے سیلِ رواں میں ڈوب گئے۔

ابو طالب کا دل بھر آیا۔ پیارے بھتیجے کے آنسوؤں نے قلب وجگر میں ہلچل سی مچا دی۔ عبداللہ کی تصویر آنکھوں میں پھر گئی۔ اور اس دُرِّ یتیم کی اشکباری ابو طالب کی سب مصلحتوں پر غالب آگئی۔ وہ کچھ کہنا ہی چاہتے تھے کہ محمدؐ بے اختیار ان سے لپٹ گئے اور سسکیاں بھرتے ہوئے بولے۔

"چچا جان۔ خواہ کچھ بھی ہو۔ میں ضرور آپ کے ساتھ جاؤں گا۔"

ابو طالب نے پیارے بھتیجے کو آغوش میں لے لیا اور ان کی چاندی جیسی پیشانی چومتے ہوئے کہا۔

"بیٹے۔ میں تمہیں ضرور اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔ خواہ مجھے کتنی ہی تکلیف کیوں نہ اٹھانی پڑے۔ تم بے فکر رہو۔ تمہارے بہتے ہوئے آنسوؤں نے مجھے مجبور کر دیا ہے۔"

کائنات کے راج دلارے محمد صلی اللہ علیہ وسلم خوشی کے عالم میں چچا سے لپٹ گئے اور فضا میں مسکراہٹیں پھیل گئیں۔

۱۸

رات کا پچھلا پہر ہے۔ فضا میں خنکی ہے۔ کارواں محوِ سفر ہے اور گھنٹیوں کی آواز ترنم ریز ــــ اتنے میں حدی خواں کی آواز بلند ہوتی ہے۔ سوئی ہوئی پہاڑیاں جاگ اٹھتی ہیں۔ ریت کا ذرہ ذرہ ہمہ تن گوش ہو جاتا ہے۔ وادیوں میں دُور دُور تک گونج سنائی دیتی ہے۔ اونٹوں کی رفتار میں تیزی آجاتی ہے۔ کجاوے جھولتے ہیں اور نیند کے ماتوں کی مخمور نگاہیں اپنے ماحول کا جائزہ لینے لگتی ہیں۔

ستارے جھکے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ اگرچہ ان میں چشمک جاری ہے۔ لیکن اپنی ٹمٹماتی ہوئی ضو میں ہر ستارہ قافلہ کو مجسّم آنکھ بن کر دیکھ رہا ہے۔ ان ستاروں نے ہزاروں ایسے کارواں دیکھے ہیں جو بڑی آن بان سے اس راہ سے گزرے ہیں۔ مگر یہ کارواں ان سب سے منفرد ہے۔ اس کے ایک محمل پر وہ سو رہا ہے، جس کے انتظار میں لاکھوں سال سے ستاروں نے راتیں آنکھوں میں کاٹی ہیں۔ اور دن میں لوگوں کی نظروں سے چھپ چھپ کر اسے ڈھونڈا ہے۔ آسمان کے ستارے کائنات کی آنکھ کے اس تارے کو دیکھنے کے لیے ایک دوسرے کے پیچھے لپکتے اور فضاؤں میں آنکھ مچولی کھیلتے ہوئے نگاہوں سے غائب ہو جاتے ہیں۔

جو آج تارہ ہے کل بدرِ منیر ہوگا۔ پرسوں آفتاب رسالت کی ضوفشانیوں سے جلوہ گر ہوگا۔ اور کائنات کا ذرہ ذرہ انوار و تجلیات سے مستنیر ہو جائے گا۔

یہ ہیں جناب محمدؐ۔ ابوطالب کے بھتیجے۔ جانِ آمنہ اور جگر گوشۂ عبداللہ۔ وہ

سو رہے ہیں۔ محمل سبک رفتار ہے۔ گیا وہ جھول رہا ہے۔ حدی خواں کی آواز بلند ہو چکی ہے۔ اور فطرت کی آنکھ سب کو یکساں دیکھ رہی ہے۔

نور کے تڑکے میں محمدؐ کی آنکھ کھلتی ہے۔ وہ اپنے ارد گرد دیکھتے ہیں اور دن کی روشنی کے ساتھ ساتھ دید کا یہ شوق بڑھتا ہی جاتا ہے۔ اونچے اونچے پہاڑ جن پر روئیدگی کا نشان تک نہیں ہے۔ حدِ نگاہ تک پھیلے ہوتے ہیں۔ ایک طرف صحرا کی وسعتیں ہیں جن کا ذرہ ذرہ مہر عالم تاب پر آنکھ مارتا ہے۔ اونٹوں کی لمبی قطاراں بسیط پنہائیوں میں گم ہوتی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ یوں جوں سورج اوپر آتا ہے کہیں کہیں نخلستان اور ریوڑ دکھائی دیتے ہیں۔ اکا دکا مسافر ـــ بے ترتیب جھونپڑیاں ـــ بلبلوں کی مانند خیمے اور سانپ کی لکیر کی طرح کے راستے نظر آتے ہیں۔ رفتہ رفتہ آفتاب کی تمازت بڑھ گئی ہے۔ چند شتر سواروں نے سایہ کے لیے اپنی چادریں پھیلا دی ہیں۔ حدی خواں کی آواز کافی دیر سے خاموش ہے۔ اب اونٹوں کو تیز تیز ہنکایا جا رہا ہے۔ تاکہ دوپہر سے پہلے پہلے اگلی منزل پر پڑاؤ کیا جائے۔

سب سے پچھلی قطار میں ایک ساربان حیرت سے ٹکٹکی باندھے پہلی قطار کی طرف دیکھ رہا ہے۔ اس کا منہ فرطِ استعجاب سے کھلا ہوا ہے۔

دوسرا اسے دیکھ دیکھ کر حیران ہو رہا ہے۔

"کیوں بوکھلا گئے ہو" وہ پوچھتا ہے۔

"کیا تم دیکھتے نہیں" پہلا جواب دیتا ہے۔

"کیا دیکھوں" وہ بھنا اٹھتا ہے۔

پہلا ساربان بیزاری سے کہتا ہے۔

"تم دیوانے تو نہیں ہو گئے ہو کہ تمہیں اپنے گرد و پیش کا ہوش نہیں رہا ہے۔"

"پہیلیاں کیوں کہتے ہو" دوسرے کے چہرے پر ناگواری اور تجسس کے آثار ہویدا ہیں۔

"وہ دیکھو" پہلا ساربان اشارہ کرتے ہوئے کہتا ہے۔

"ابوطالب کے اونٹوں کی قطار میں سرخ جھولی والی ناقہ کے اوپر ایک ہلکا سا سایہ نظر آتا ہے۔ جو سرِ من سوار کا احاطہ کیے ہوئے ہے اور محض دھبہ سا معلوم ہوتا ہے۔ حالانکہ نہ وہاں کوئی چادر تنی ہوتی ہے۔ نہ سائبان ہے۔ نہ آسمان پر بادل۔"

دوسرا ساربان آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھتا ہے۔ اور حیرت سے انگشت بدنداں رہ جاتا ہے۔

"تم سچ کہتے ہو یار ۔۔۔ یہ کیا بات ہے" وہ پوچھتا ہے۔

"یہی میں سوچ رہا ہوں" اسے جواب ملتا ہے۔

"اس پر سوار کون ہے۔"

"ابوطالب کا بھتیجا محمدؐ"

دوسرا ساربان کچھ سوچ کر کہتا ہے۔

"معلوم ہوتا ہے ہمارے دیوتا اس پر مہربان ہو گئے ہیں۔ اسی لیے تو سایہ ۔۔۔۔"

پہلا ساربان اس کی بات کاٹتے ہوئے بول اٹھتا ہے۔

"ہم نے دیوی دیوتاؤں کو بہت سے لوگوں پر مہربان ہوتے دیکھا ہے۔ ان کے ہاں اولادیں ہوئیں۔ پیداوار بڑھی۔ ریوڑ پھیلے۔ جنگوں میں فتح ہوئی۔ انہوں نے جامِ صحت نوش کیے۔ لونڈی، غلاموں کی بھرمار ہوئی۔ مال و دولت نے قدم چومے۔ مگر ہم نے آج تک ایسا سایہ کسی پر نہیں دیکھا۔ یہ کوئی بات ہی دوسری ہے۔ کیا تم نہیں جانتے یہ وہی لڑکا ہے جس کی دعا سے قحط سالی میں بارش ہوئی تھی۔ حالانکہ دیوی دیوتاؤں کے استھانوں پر پوری قوم سجدہ ریز تھی۔ اور قربانیوں کی کوئی انتہا نہ تھی۔ یہ عجیب لڑکا ہے۔ ابوطالب کی قسمت جاگ اٹھی ہے۔"

دوسرا ساربان تھوڑی دیر تک محمدؐ کے ناقہ کو ٹکٹکی باندھ کر دیکھتا ہے۔ اور پہلے سے مخاطب ہو کر کہتا ہے۔

"تم سچ کہتے ہو۔ ابوطالب کے ساتھ ہم کئی بار تجارت کے لیے شام گئے اور واپس آئے ہیں۔ لیکن اس کے اونٹوں کی رفتار اس قدر تیز ہم نے آج تک نہیں دیکھی تھی۔ جس قدر اس وقت ہے۔ دُبلے پتلے اور مریل اونٹوں میں بجلیاں کوندتی ہوئی محسوس ہوتی ہیں۔ ان پر سامان بھی سب سے زیادہ ہے۔ لیکن وہ رفتار میں پورے کارواں سے بڑھ کر ہیں۔ میں سمجھتا ہوں یہ اس لڑکے کی برکت ہے۔"

"ہاں یہ لڑکا بے شک عجیب و غریب ہے۔ حلیمہ سعدیہ کی بکریاں اس کی گواہ ہیں۔ جن کا دودھ اس لڑکے کی بدولت اس قدر بڑھ گیا تھا کہ پورے قبیلے میں چہ میگوئیاں ہونے لگی تھیں۔ مجھے تو یقین ہے اب کی بار ابوطالب کا منافع بھی دوسروں سے کہیں زیادہ ہوگا۔"

"میرا بھی یہی خیال ہے۔" پہلا ساربان جواب دیتا ہے اور پھر دونوں خاموش ہو جاتے ہیں۔

محمدؐ محویت کے عالم میں اپنے گرد و پیش کی ہر چیز کو غور سے دیکھتے چلے جا رہے ہیں اور ماحول سرگوشیاں کرتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔

پہاڑیاں کہہ رہی تھیں۔

"پیارے محمدؐ۔ زندگی کی راہیں ہماری گھاٹیوں سے کہیں زیادہ دشوار اور پُرپیچ ہیں۔ آپؐ اس سفر میں ہر پست و بالا کو دیکھ لیں: تاکہ آپؐ کے قدموں میں لغزش نہ آئے۔ زندگی کا سفر مضبوط جسم، بلند حوصلے اور عقل مکتہ رس کے محمل پر سوار ہو کر ہی بخیر و خوبی طے کیا جا سکتا ہے۔ ایسے سفر کی صعوبتوں سے ہراساں نہ ہونا۔"

صحرا کی وسعت سربستہ رازوں سے پردہ اٹھاتی ہوئی کہتی ہے۔

"یا محمدؐ میری وسعتیں کم اور زندگی کے اسرار زیادہ ہیں۔ آپؐ تاجر کو دیکھیے وہ اپنے نقد و جنس اور زادِ راہ کو کس طرح جان سے زیادہ عزیز رکھتا ہے۔ اس پر غور کیجیے جس نے مجھے وسعت بخشی ہے۔ اس نے آپؐ کو ان گنت قوتیں دے رکھی ہیں۔ انہیں پہچانیے اور ان سے کام لیجیے۔ کیونکہ آپؐ تو نوعِ انسان کو ابدی تجارت کے اسرار و رموز سمجھانے پر مامور ہیں۔"

ہوا کی سرسراہٹیں کہہ رہی ہیں۔

"پیارے محمدؐ ان تمام چیزوں کو غور سے دیکھیے، یہ سب آپؐ سے ہمکلام ہونے کے لیے بیتاب ہیں۔ ان کے پاس آپؐ کے لیے بے شمار پیغام ہیں۔ اس لیے واپسی تک ان پیغامات کا سرمایہ جمع کیجیے۔ کیونکہ آپؐ تو عطر ساز ہیں۔ آپؐ کو ہر شے سے عطر کشید کرنا ہے۔ دیکھیے ہماری باتوں میں عطر کی بُو ہے۔ اسے اولادِ آدم کے ہر فرد تک پہنچا دیجیے۔"

۱۹

بُصریٰ سے تین چار میل دور سے ہی پہاڑیوں میں ایک دلکشا مقام ہے۔ جس میں بحیرہ راہب کی خانقاہ ہے۔ اس میں بہت سے راہب رہتے ہیں۔ ان کا شغل ذکر فکر اور عبادت ہے۔ یا مسافروں کی خدمت کرنا۔ بحیرہ عمر رسیدہ بزرگ ہے۔ لذاتِ نفسانی کو کچل کر قلبِ مصفیٰ کا مالک بن گیا ہے۔ تزکیۂ نفس کی وجہ سے باطنی قوت رکھتا ہے۔ اس نے راہ نوردوں کے قیام و طعام کا معقول بندوبست کر رکھا ہے۔ چنانچہ اکا دُکا مسافروں کے علاوہ قافلے بھی بُصریٰ میں داخل ہونے سے پیشتر اکثر یہیں قیام کرتے، سستانے، سامان کا جائزہ لیتے اور پھر شہر میں داخل ہوتے ہیں۔

آج بھی وہ حسبِ معمول اپنی خانقاہ کے بالاخانے پر بیٹھا نسیمِ سحر کا لطف اٹھا رہا ہے۔ مشرق سے آنے والی رہگذر دُور تک دکھائی دیتی ہے۔ اتنے میں ایک قافلہ گھاٹی سے نکل کر سامنے آیا تا ہے۔ اور اس کی نگاہیں اس پر مرکوز ہو جاتی ہیں۔ لیکن جب سرخ جھول والی ناقہ پر نظر پڑتی ہے تو چونک اٹھتا ہے۔ اسے اس پر ایک ہلکا سا سایہ محیط دکھائی دیتا ہے۔ اور جہاں سے ناقہ کا گزر ہوتا ہے۔ شجر و حجر سب سجدہ ریز ہو جاتے ہیں۔ اس نے یہ بھی اندازہ کر لیا ہے کہ اہلِ قافلہ اس کے مشاہدہ سے بالکل کورے ہیں۔ کیونکہ وہ کشف و کرامات سے بہرہ ور نہیں ہیں۔ اور یہ معاملہ قلب کی صفائی اور باطنی قوت سے تعلق رکھتا ہے۔ اسلئے بحیرہ راہب ہی سایہ اور حجر و شجر کے سجدہ ریز ہونے کو دیکھ سکتا ہے۔

قافلہ خانقاہ کی اوٹ میں رک جاتا ہے۔ لوگ سامان اتارنے میں محو ہو جاتے ہیں۔ تاکہ یہاں قیام کیا جا سکے۔ اتنے میں ایک راہب آکر کہتا ہے کہ آج سب اہلِ قافلہ کی دعوت بحیرہ کے ہاں ہے۔ یہ انوکھی بات تھی آج تک کبھی بحیرہ نے اس قسم کی دعوت نہیں کی تھی۔ لیکن اہلِ قافلہ کو اتنا سوچنے کی فرصت کہاں تھی۔ اور اس کی ضرورت بھی کیا تھی۔ کھانے کے دوران بحیرہ جی بھر کر جنابِ محمدؐ کو دیکھتا اور چند باتیں بھی پوچھتا ہے۔ اور جب لوگ کھانے سے فارغ ہو جاتے ہیں تو دریافت کرتا ہے کہ اس بچے کا وارث کون ہے۔ اسے بتایا جاتا ہے کہ ابو طالب اس کے وارث ہیں تو انہیں تنہائی میں لے جا کر کہتا ہے کہ میں نے زبور، توریت اور انجیل میں نبی آخر الزماںؐ کے متعلق جو نشانیاں پڑھی ہیں وہ سب آپ کے بھتیجے میں موجود ہیں۔ یہ یقیناً نبی آخر الزماںؐ ہیں۔ ان کی حفاظت کریں کیونکہ یہودی ان کے دشمن ہیں مبادا کوئی گزند پہنچائیں۔ ابو طالب یہ سن کر حیرت زدہ سے رہ جاتے ہیں۔

۲۰

آج بُصریٰ کے بازاروں میں بڑی رونق ہے۔ دُور دُور تک کاروانِ قریش کی دھوم مچی ہوئی ہے۔ وادیٔ مکّہ کی کھجوریں، کھالیں اور دلفریب دستکاریاں خریداروں کو دعوتِ نظّارہ دے رہی ہیں۔ شامی تاجر بھی اناج، اسلحہ، پارچات اور دوسری مصنوعات کے ڈھیر لیے بیٹھے ہیں۔ کہیں جنس کے بدلے جنس کا سودا ہے۔ کہیں درہم و دینار کی باتیں ہیں۔ دونوں طرف سے خرید و فروخت اور داد و ستد کا بازار گرم ہے۔ ہر سوداگر اپنے مال کی تعریف میں رطب اللسان ہے۔ قریش کو اپنی قادر الکلامی کا غرّہ ہے اور شامیوں کو سودے بازی پہ ناز۔ اس لیے بھاؤ چکانے کا معاملہ ہنوز ابتدائی مراحل میں ہے۔ آڑھتی اور گماشتے سوچ بچار کے عالم میں ہیں۔

شامی سوداگروں کی ٹولیاں کاروانِ قریش میں گردش کرتی ہوئی آتی ہیں۔ اور ہر چیز کو غور سے دیکھتے ہوئے دُبلے پتلے اونٹوں کی ایک قطار کے پاس آ کر رُک جاتی ہیں۔ جو بھورے اور بادامی ٹیلوں کی مانند بے ترتیبی سے دُور تک پھیلی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔ سامانِ تجارت کے ڈھیر ایک ہی جگہ لگے ہوئے ہیں۔ جہاں ایک نوعمر لڑکا اور ایک جہاندیدہ سوداگر اس کی نمائش میں مصروف ہیں۔ یہ جنابِ محمدؐ اور ان کے چچا ابوطالب ہیں۔ جنہوں نے سامان کو کچھ اس ترتیب سے سجا رکھا ہے کہ ہر تاجر کی نگاہ اس پر مرکوز ہو کر رہ جاتی ہے۔ اور بڑھ بڑھ بولیاں

لگتی ہیں۔ ردّوکد کا شور برپا ہے۔ لمبی قباؤں، عباؤں اور توندوں والے شامی سوداگر آپس میں اُلجھتے اور طعنہ زنی کرتے ہیں۔ غیظ و غضب میں بعض کے منہ سے کف تک جاری ہو جاتا ہے۔ ایک دوسرے پر کمینہ، جھوٹا اور دغاباز ہونے کا الزام لگاتے ہیں۔ کوئی ابوطالب کے سامانِ تجارت کے عیب گنتا ہے۔ دُوسرا اسے اندھا، احمق اور بیوقوف کہہ کر جنس ناشناس کہتا ہے۔ کچھ چپکے چپکے سرگوشیاں کرتے ہیں۔ کچھ مال دیکھتے، سونگھتے، مسلتے، اُلٹ پلٹ کر جائزہ لیتے اور پھر ہٹ کر آپس میں صلاح مشورہ کرنے لگتے ہیں۔

ادھر یہ ہو رہا ہے۔ ادھر ابوطالب اپنے مال کی نمائش کے ساتھ ساتھ ہر اعتراض کا مختصر لیکن مسکت جواب دیتے ہیں۔ اور جب تک گاہک قائل نہیں ہو جاتا دوسرے سے مخاطب نہیں ہوتے۔ ان کے ساتھی حیرت زدہ ہیں کہ اس دفعہ ابوطالب کے مال میں وہ کون سی بات ہے جس کی وجہ سے گاہک شہد کی مکھیوں کی طرح پرے باندھ کر آتے ہیں۔ اور اسے حاصل کرنے کی خاطر آپس میں لڑتے جھگڑتے ہیں۔ حالانکہ ان کا مال ابوطالب کے مال کے مقابلہ میں کسی طرح بھی گھٹیا نہیں ہے۔ لیکن شامی سوداگر ہیں کہ ان کی نظروں میں یہ جچتا ہی نہیں۔ قریشی تاجر ابوطالب کے مال کی خریداری کو حسد اور رشک سے دیکھتے اور دم بخود رہ جاتے ہیں۔

محمدؐ چچا کے ساتھ سامان کی نمائش میں نہایت سرگرم ہیں۔ وہ جوڑ توڑ ہوتے دیکھتے ہیں۔ گاہکوں کی باتیں غور سے سنتے ہیں۔ بھاؤ تاؤ کے اتار چڑھاؤ کی طرف توجہ دیتے ہیں۔ ان کی آنکھ مشتری کے چہرے پر پیدا ہونے والے تاثرات کو بغور دیکھتی ہے۔ اور دماغ ان کی باتوں کا خلاصہ تیار کرتا جا رہا ہے۔ ان کے سامنے طرح طرح کے انسانی چہرے اور معاملات کے رنگ برنگے پہلو موجود ہیں۔ جن کا مشاہدہ غور و فکر کی نئی نئی راہیں کھول رہا ہے۔ اور قلب و نظر کی دنیا میں وسعتوں کے چمن زار پھیلتے جا رہے ہیں۔

ابوطالب کا سارا مال فروخت ہو چکا ہے اور وہ مکّہ لے جانے کے لیے سامانِ تجارت کی خریداری میں محو ہیں۔ لیکن کاروانِ قریش کے تاجروں کو کئی دن کی جھک جھک کے بعد

ابوطالب کے مقابلے میں بہت کم منافع ہوا ہے۔ محمدؐ نے اپنا مال فروخت کرنے کے بہت سے گُر سیکھ لیے ہیں۔ گاہکوں سے نپٹنا اب آسان نظر آتا ہے۔ تحمل و بردباری کی اہمیت کا بخوبی اندازہ ہو گیا ہے۔

"تجارت بکریاں چرانے سے زیادہ دلچسپ مشغلہ ہے۔ میں اب اپنے چچا کا ہاتھ بٹایا کروں گا۔"

یہ سوچتے ہوئے حضورؐ کے چہرے پر مسرت کی لہریں دوڑ جاتی ہیں۔

ابوطالب نے مال خرید لیا ہے۔ محمدؐ ہر جگہ ان کے ساتھ ہیں۔ انہوں نے خریداری کے اسرار و رموز کو اپنی حد تک خوب سمجھ لیا ہے۔

وہ اپنے چچا کے ساتھ سامان باندھ رہے ہیں۔ اور ایک بوڑھا تاجر انہیں اس قدر مستعدی، نفاست اور سلیقے سے کام کرتے ہوئے دیکھ کر ان کے قریب آ جاتا ہے۔ اور ابوطالب سے پوچھتا ہے۔

"کیا یہ تمہارا بیٹا ہے؟"

"ہاں" ابوطالب جواب دیتے ہیں۔

"تم خوش قسمت ہو۔ اس بچے کی پیشانی پر تدبر اور معاملہ فہمی کے آثار ہویدا ہیں۔ اس کے چہرے میں بلا کی دلکشی اور آنکھوں میں غضب کی کشش ہے۔ اس [illegible] اور اس سن و سال کے بچے میں عجیب مقناطیسی قوت ہے۔ سنجیدگی اور زبان و بیان کی شیرینی صاف صاف بتا رہی ہے کہ یہ لڑکا غیر معمولی صلاحیتوں کا مالک ہے۔ اور ایک نہ ایک دن ستارہ بن کر چمکے گا۔ تم اس کی حفاظت کرو۔ میں تم سے سچ کہتا ہوں میں نے یہ بال دھوپ میں سفید نہیں کیے ہیں۔ میں نے قیصر و کسریٰ کے درباروں میں گمنام شہزادوں کو دیکھا ہے مگر تمہارا یہ لاڈلا اتی ہونے کے باوجود فہم و فراست میں ان سے کہیں زیادہ بیدار ہے۔"

ابوطالب مسرور ہو جاتے ہیں۔ محمدؐ کی نگاہیں جھک جاتی ہیں۔ اور بوڑھا تاجر آپؐ

کا ہاتھ چومتے ہوئے کہتا ہے۔

"جیتے رہو۔ میرے بیٹے۔"

کاروانِ قریش شام کے مختلف شہروں میں خرید و فروخت کرنے کے بعد آج مکّہ کی طرف محوِ خرام ہے۔ ابوطالب سود و زیاں کی بھول بھلیوں سے نکل کر مطمئن ہو جاتے ہیں۔ انہیں توقع سے بڑھ کر منافع ہوتا ہے۔ ان کے ساتھی بجھے بجھے سے نظر آتے ہیں۔ انہیں اپنے مال اور معاملات پر ناز تھا۔ لیکن ابوطالب کے مقابلے پر آج سب کچھ ہیچ ہے۔ محمدؐ مشاہدات کی دولت سے مالا مال ہیں۔ انہوں نے تجربات کی جنس گرانمایہ کا ایک وافر ذخیرہ جمع کر لیا ہے۔ اس لیے اب واپسی پر رہگذر کا چپہ چپہ پہلے سے کہیں زیادہ پُرکشش اور بامعنی معلوم ہوتا ہے۔

مکّہ میں دن ڈھلے قافلے کی آمد کی اطلاع ملتی ہے۔ اور ایک غلغلہ سا مچ جاتا ہے۔ لوگ اپنے اعزہ و اقربا کے استقبال کے لیے فرودگاہ کی طرف چل دیتے ہیں۔ بنو ہاشم کے گھرانے سے عباس اور حمزہ کے ساتھ طالب بھی آ رہا ہے۔ محمدؐ کے والد کی کنیز ام ایمن جنہے آپؐ نے بارہا امی کی موت کے بعد امی کہہ کر پکارا ہے۔ والہانہ انداز میں چلی آ رہی ہے سامنے میں قافلہ گھاٹی سے نمودار ہوتا ہے۔ کچھ لوگ خوشی سے نعرے لگاتے ہیں۔ کچھ دیوانہ وار ناچتے ہوئے قافلہ کی طرف بھاگتے ہیں۔ ام ایمن کی نگاہیں محمدؐ کو ڈھونڈ رہی ہیں۔ وہ اپنی آنکھ کے تارے اور کلیجے کی ٹھنڈک کو بے تابی سے تلاش کر رہی ہیں۔ انہیں جگر گوشۂ عبداللہ سے بے پناہ پیار ہے۔ انہوں نے جانِ آمنہ کو لوریاں دی ہیں۔ اور اس دُرِّ یتیم کی بلائیں لی ہیں۔ اسی تجسس کے عالم میں ان کی نظریں محمدؐ پر پڑتی ہیں۔ تنفس کی رفتار بڑھ جاتی ہے۔ اور رگ و پے میں مسرت کی لہریں دوڑ جاتی ہیں۔

قافلہ فرودگاہ میں داخل ہوتا ہے۔ اونٹ بٹھاتے جاتے ہیں، جو بلبلاتے ہیں۔ اللہ کی یہ مخلوق بھی عجیب ہے کہ بٹھاؤ تو بلبلائیں اٹھاؤ تو بلبلائیں۔ سامان لادو تو بلبلانے لگیں اور سامان اتارو تو بھی بلبلانے سے باز نہ آئیں۔ گویا بلبلانا ان کا اوڑھنا بچھونا ہے۔ فرودگاہ میں کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی لوگ نہایت مستعدی سے سامان

اتارنے میں مصروف ہیں تاکہ غروب آفتاب سے پیشتر ہر شے کو ٹھکانے لگایا جا سکے۔ ابو طالب کے بیٹے طالب اسی تگ و دو میں ہیں۔ وہ خود بھی محوِ کار ہیں۔ محمدؐ انتہائی پھرتی سے کام میں مشغول ہیں۔ عباس اور حمزہ جو محمدؐ کے ہم عمر چچا ہیں ان کے معاون ہیں اور جوانوں کی طرح مشقت کر رہے ہیں۔

دیکھتے ہی دیکھتے شب کی سیاہی پھیلنے لگتی ہے اور رفتہ رفتہ یہ سارا ہنگامہ خاموشی کی نذر ہو جاتا ہے۔ مگر دوسرے دن طلوعِ آفتاب کے ساتھ ہی خرید و فروخت شروع ہو جاتی ہے اور گاہکوں کی یلغار کا سلسلہ تیسرے روز تک ختم ہو جاتا ہے۔ محمدؐ ایک کامیاب تاجر بن کر ابھرتے ہیں۔ اگرچہ ابھی ان کی مسیں تک نہیں بھیگی ہیں۔ ابو طالب کو اس سے دلی مسرت ہوتی ہے۔ کیونکہ اب حصولِ معاش میں تجربہ کار بھتیجے کا سہارا مل جاتا ہے۔ لوگ اس اُمّی اور کم سِن تاجر کی صلاحیتوں کے معترف ہو چکے ہیں۔ اور کئی روز تک ان کے متعلق چہ میگوئیاں ہوتی رہتی ہیں۔ جن سے متاثر ہو کر مکّہ کے ایک اور کم سن تاجر جو سرخ و سپید چہرے والے ہیں اور عمر میں محمدؐ سے دو سال چھوٹے ہیں۔ آپؐ کے قریب آجاتے ہیں۔ انہیں دوستی کا ہاتھ بڑھاتے ہوئے بے حد خوشی محسوس ہوتی ہے۔ یہ قبیلہ بنو تمیم کے چشم و چراغ اور ابو قحافہ کے بیٹے ابو بکرؓ ہیں۔[۸۶]

آج مکہ کا ذرّہ ذرّہ پکار کر کہہ رہا ہے۔

"پیارے محمدؐ بکریوں کی پاسبانی کسی دوسرے کے سپرد کر دیجئے اور نوعِ انسانی کی پاسبانی کے لیے تجارت کا مشغلہ اختیار کیجیے۔ کیونکہ کلامِ عنبر بار اور سخن عطر بیز کی یہی درس گاہ ہے۔"

۲۱

عراق کا پایۂ تخت، حیرہ[۳۰] قرب و جوار میں عروس البلاد کی حیثیت رکھتا ہے۔ اور عرب کے کونے کونے تک اس کی شہرت پہنچ چکی ہے۔ خورنق اور سدیر کے محلات ضرب المثل بن گئے ہیں۔ نعمان[۳۱] اکبر شاہِ حیرہ نے ان کے معمار کو قلعہ کی دیوار سے اس لیے گرا کر مروا دیا تھا کہ وہ اس سے اعلیٰ یا اس کی مثل کوئی قلعہ یا محل تعمیر نہ کر سکے۔ یہ اس کی پیشانی پر کلنک کا ٹیکہ تھا جسے اس کی بہادری اور جوانمردی مٹانے سے قاصر ہے۔

ابو قابوس[۳۲] نعمان بن منذر رابع شاہ حیرہ اگرچہ کریہہ المنظر ہے، لیکن گورخر کے شکار کا دلدادہ۔ شراب و کباب کا رسیا اور عیش و نشاط کی محفلوں کا شوقین ہے۔ اس کی دھوم دُور دُور تک مچی ہوئی ہے۔ یہی وہ شاہ حیرہ ہے جس کی دختر نیک اختر حرقا کے حُسن و جمال کی داستانیں سُن کر کسریٰ پرویز شہنشاہِ ایران نے اسے اپنے حرم کی زینت بنانا چاہا تھا۔ اور نعمان نے دوستی کے باوجود یہ کہہ کر انکار کر دیا تھا کہ ہم عرب غیر عربوں کو لڑکیاں نہیں دیا کرتے۔ حالانکہ اسے بعد میں اسی غیرت مندی کی سزا میں کسریٰ نے بھرے دربار میں ہاتھی کے پاؤں تلے ڈلوا دیا تھا، جس کا انتقام لینے کے لیے عرب پہلی بار متحد ہوئے۔ اور ذی قار[۳۳] کے میدان میں انہوں نے جنگ چپاول کے ذریعے اہلِ فارس کی ایک عظیم جمعیت کو شکست دے کر یہ باور کرا دیا تھا کہ غیرت مند قومیں اپنے ننگ و ناموس کا سودا نہیں کرتیں اور عرب اپنے مقتولوں کا انتقام لینا خوب جانتے ہیں، خواہ مقابلے میں کسریٰ فارس ہی کیوں نہ ہو۔

آج نعمان بن منذر کے دربار میں بنو کنانہ اور بنو ہوازن کے نمائندے موجود ہیں۔ بازارِ عکاظ کی باتیں ہو رہی ہیں۔ جو نواحِ مکّہ میں عظیم ترین سالانہ منڈی کے لیے دُور دُور تک مشہور ہے۔ یہاں عرب کے تاجر، شاعر، شاہسوار، داستان گو، پہلوان اور مختلف قسم کے اہلِ فن جمع ہوتے ہیں اور تجارت کے ساتھ ساتھ اپنی قادر الکلامی اور پہلوانی کے جوہر دکھاتے، قصیدے پڑھتے، فخر و غرور کے تذکرے کرتے حسنِ مقال، حسنِ خیال اور حسنِ کمال کے ساتھ ساتھ شجاعت اور جوانمردی کی داستانوں میں اضافہ کرتے ہیں۔ جو جلد ہی عرب کے چپّے چپّے میں زبان زدِ عام ہو جایا کرتی تھیں۔ یہ بازار کئی کئی دن تک گرم رہتا اور طرح طرح کے جذباتی اور مہماتی کارناموں کی آماجگاہ بن جاتا تھا۔ اس بازار میں کوئی اُبھرتا اور کوئی ڈوبتا تھا۔ کسی کا دیا جلتا اور کسی کا چراغ گُل ہوتا تھا۔ کوئی کماتا اور کوئی گنواتا تھا۔ اور نئے نئے فتنے اس کی اوٹ میں پرورش پاتے تھے۔ یوں تو اور بھی کئی ایسے بازار تھے جن میں بازارِ مجنّہ اور ذی المجاز کے علاوہ سُوقِ حباشہ بھی شامل ہے۔ لیکن عکاظ کی حیثیت منفرد اور شان نرالی ہوتی تھی۔ یہ بازار حرمت کے مہینوں یعنی ذیقعد، ذی الحجہ، محرم اور رجب کے مہینوں میں لگتے تھے۔ تاکہ لوٹ مار اور قتل و غارت کا اندیشہ نہ رہے۔ اور لوگ دلجمعی سے ان میں حصّہ لے سکیں۔ یہ دینِ ابراہیمی کی روشن کرن تھی۔ جو امن و امان قائم کرنے کے لیے اب تک ضوفشاں اور فعال تھی۔ حالانکہ عرب میں چاروں طرف فسق و فجور کا گھٹا ٹوپ اندھیرا محیط تھا۔

آج نعمان بن منذر کا تجارتی قافلہ بازارِ عکاظ میں جانے کے لیے بالکل تیار کھڑا ہے۔ اور کارندے روانگی کی اجازت چاہتے ہیں۔ لیکن نعمان بن منذر اجازت دینے سے پہلے حسبِ دستور اپنے بازار میں موجود ان نمائندوں سے پوچھتا ہے۔

"آپ دونوں اشرافِ عرب میں سے ہیں، مَیں اپنے تجارتی قافلہ کو آپ کی پناہ میں دینا چاہتا ہوں۔ بتائیے کون اس کا ذمّہ لیتا ہے؟"

دونوں نمائندے شاہ کی طرف متوجہ ہیں۔ اور براضؓ جو بنو کنانہ کا نمائندہ ہے۔

کہتا ہے۔

"عالی جاہ۔ میں آپ کے قافلے کو بنو کنانہ سے پناہ دیتا ہوں۔"

"لیکن میں تو ایسے شخص کا متلاشی ہوں۔ جو میرے قافلے کو تمام اہلِ نجد و تہامہ سے پناہ دے سکے۔"

نعمان ذرا ذرا دیر سے کر کہتا ہے۔

اب عروہ رحال۔ بنو ہوازن کا رئیس ——— بڑی تمکنت سے اٹھتا ہے۔ اور کبر و نخوت سے کہتا ہے۔

"عالیجاہ۔ یہ قوم کا دھتکارہ ہوا کتا ہے۔ آپ کے قافلے کو کیا پناہ دے گا۔ یہ تو ہم جیسے رئیسوں کی شان ہے۔ آپ مجھ پر اعتماد کر سکتے ہیں۔ میں آپ کے قافلے کو جملہ اہلِ نجد و تہامہ سے پناہ دیتا ہوں۔"

یہ حقارت آمیز کلام سُن کر غصے سے براض کا چہرہ سرخ ہو جاتا ہے۔ اور وہ طیش میں آ کر پوچھتا ہے۔

"کیا تو اس قافلے کو بنو کنانہ سے پناہ دیتا ہے۔"

عروہ نہایت متکبرانہ لہجہ میں جواب دیتا ہے۔

"ہاں۔ بنو کنانہ تو کیا میں اسے ساری مخلوق سے پناہ دیتا ہوں۔"

براض مرتبے میں عروہ کا ہمسر نہ تھا۔ اس لیے زہر کا گھونٹ بھر کر خاموش ہو جاتا ہے۔ لیکن یہ الفاظ اس کے قلب و جگر پر بجلی بن کر گرتے ہیں۔ اور اس کے رگ و پے میں آگ سُلگ اٹھتی ہے۔

نعمان اپنا قافلہ عروہ کی پناہ میں دے کر اسے روانگی کا حکم دے دیتا ہے۔ دربار برخاست ہو جاتا ہے۔ قافلہ عکاظ کی راہ لیتا ہے۔ عروہ اس کے ساتھ اپنی تمام تر رعونت سمیت موجود ہے۔ براض بھی ذلت کا تیر کھاتے ہوئے چھپتے چھپاتے چلا آ رہا ہے۔ عروہ اگرچہ اس سے غافل نہیں ہے۔ وہ جانتا ہے کہ براض مکار بھیڑیا

ہے جو اپنے زخم چاٹ رہا ہے اور موقع ملتے ہی اس پر وار کرے گا۔ مگر اس کے باوجود اسے کوئی اہمیت نہیں دیتا۔ اسی عالم میں دن گزر رہے ہیں۔ فاصلہ لحظہ بہ لحظہ کم سے کم تر ہوتا جا رہا ہے۔ اور دونوں میں آنکھ مچولی جاری ہے۔ آخر براض کا وار اپنا کام کر جاتا ہے۔ اور عروہ کی لاش خاک و خون میں تڑپتی ہوئی نظر آتی ہے۔

انتقام لینا عربوں کی گھٹی میں پڑا ہوا ہے۔ وہ کسی ایسے شخص کو انسان ہی نہیں سمجھتے جو انتقام نہ لے۔ خواہ یہ سلسلہ پشتوں تک جاری رہے۔ بنو ہوازن مرنے مارنے پر تل گئے ہیں۔ قریش نے بڑی رد و کد اور مزید خون خرابے سے بچنے کے لیے براض کو قصاص کے لیے پیش کر دیا ہے۔ مگر بنو ہوازن اسے درخور اعتنا ہی نہیں سمجھتے۔ ان کا قائم مقام سردار بار بار کہہ رہا ہے۔

"براض گنتا ہے یہ عروہ کا ہم پایہ نہیں ہو سکتا۔ عروہ ہمارا سردار تھا۔ ہم اس کے قصاص میں قریش کے کسی سردار کو قتل کریں گے۔ اس گنتے کے خون سے تلوار رنگین کرنا ہماری توہین ہے۔"

قریش کا وفد اپنے سربراہ کی نمائندگی میں فیصلہ کن انداز میں کہتا ہے۔

"خون کا بدلہ خون ہے۔ براض قاتل ہے اس لیے براض ہی قتل کیا جائے گا۔ ہم اس کے عوض کسی دوسرے کو ہرگز نہیں دیں گے۔ خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو۔"

بنو ہوازن کا سردار غراتا ہے۔

"ہم بزور شمشیر تمہارے سرداروں کو قتل کریں گے۔"

"اس کا فیصلہ تلوار کرے گی۔" قریش کا نمائندہ یہ کہہ کر اپنے وفد کے ساتھ واپس آ جاتا ہے۔ اور امن کی گفتگو ناکام رہ جاتی ہے۔

انتقام کی آگ نے عرب قبیلوں میں ہمیشہ ایسی تباہی مچائی ہے کہ الاماں۔ بستے گھر اجڑ گئے۔ بیواؤں کی چیخ و پکار سے کان بہرے ہو گئے۔ یتیموں نے در در کی ٹھوکریں کھائیں۔ کاروبار چوپٹ ہوا۔ لوگ امن و سکون کی لذت کو ترس گئے۔ لیکن

انتقام کی آگ برابر سلگتی رہی۔ یہ عربوں کی کمزوری ہے۔ اور اس کے ہاتھوں اب بنو ہوازن مجبور ہیں۔ انہیں حرمت والے مہینوں کی ذرہ برابر پرواہ نہیں ہے۔ انہیں تو بس عروہ کے انتقام کی دھن ہے۔ جو کسی کل چین نہیں لینے دیتی۔ بنو ہوازن کے ہتھیار بند جوان تلواروں کو باڑ پر لگا رہے ہیں۔ تیروں کی گنتی ہو رہی ہے۔ نیزوں اور ڈھالوں کی جانچ پڑتال کی جا رہی ہے۔ دن رات صلاح مشورے ہوتے اور تجویزیں سوچی جاتی ہیں۔ عروہ کا قتل تباہی اور بربادی کے عفریتوں کو دعوت دے رہا ہے۔ تاکہ فریقین کا ہر گھرانہ بجلیوں کی زد میں آجاتے۔ قریش بھی بنو ہوازن کی ان تیاریوں سے غافل نہیں ہیں۔ ان کا ہر گھر اسلحہ کی دکان بن گیا ہے۔ جانبازوں کی ٹولیاں گشت کرتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ اور جگہ جگہ دفاعی اور جارحانہ جنگ کی تدابیر پر مذاکرے ہو رہے ہیں۔ انہیں خوب معلوم ہے کہ بنو ہوازن بلا کے تیر انداز ہیں۔ اور انہوں نے میدانِ جنگ میں آج تک کسی کو پیٹھ نہیں دکھائی لیکن انہیں اپنی جمعیت اور قوت پر مکمل بھروسہ اور ناز ہے۔

بنو کنانہ کے سب قبیلے بالاتفاق رلیئے اپنے تین سالار نامزد کرتے ہیں۔ ایک پہلو پر عبداللہ بن جدعان۔ دوسرے پر کریز بن ربیعہ اور قلب میں حرب بن امیہ ہے۔ جسے لشکر کا سالارِ اعظم مقرر کیا گیا ہے۔ ادھر بنو ہوازن مسعود بن معتب ثقفی کی سرکردگی میں جمع ہو رہے ہیں۔ غرض دونوں طرف سے برابر کی چوٹ ہے۔ حرب بن امیہ۔ ابو سفیان کا باپ اپنی جنگی سوجھ بوجھ اور شجاعت کی وجہ سے ایسا نامور ہے کہ دشمن بھی اس کی ان خوبیوں کے معترف ہیں۔

دونوں لشکروں کا آمنا سامنا مکہ کے قرب وجوار میں ہوتا ہے۔ قریش کو اگرچہ حرمت کے مہینوں کا احساس ہے۔ لیکن دشمن کے مقابلہ میں اس کی قدر و قیمت کو بالائے طاق رکھ دیا جاتا ہے۔ اس لیے یہ لڑائی حربِ فجار کے نام سے مشہور ہے۔ کیونکہ دینِ ابراہیمی کی رو سے جن دنوں میں جو کام منع کیے گئے ہیں اب ان کی بے حرمتی علی الاعلان کی جا رہی ہے۔ اور ایک فردِ واحد کے قصاص کی خاطر مہینوں اور انسانوں

کا حرمت کا خون بہانے کے لیے متحارب طاقتیں میدان میں اُتر آئی ہیں۔ اس جنگ میں ہوازن، قریش کو کئی بار حرم کعبہ تک دھکیل چکے ہیں۔

ایک ٹیلے کی اوٹ میں حمزہ، عباس اور ابو طالب بھی گھات میں بیٹھے ہیں۔ بنو ہوازن کی طرف سے تیروں کی بارش ہو رہی ہے۔ قریش جوابی کاروائی میں مصروف ہیں۔ کہیں کہیں اور کبھی کبھی خون کے فوارے اُبلتے ہیں اور زخموں کی تاب نہ لا کر مرنے والوں کی لاشیں ان سے رنگین ہو جاتی ہیں۔ یہ سلسلہ رُک رُک کر کافی عرصہ تک جاری رہتا ہے۔ ایسی ہی ایک جھڑپ میں بنو ہاشم کے پندرہ سالہ نوجوان محمدؐ بھی اپنے چچاؤں کے ہمرکاب ہیں۔ انؐ کی نگاہیں دشمن کا تعاقب کرتی ہیں۔ دل چچاؤں کی محبت میں دھڑکتا ہے۔ دماغ انسانی خون کی اس ارزانی کے متعلق سوچتا ہے اور تیروں کی سرسراہٹ ان سے کہتی ہے۔

"پیارے محمدؐ۔ آپؐ نے بکریوں کی رفاقت میں پاسبانی کی تربیت حاصل کی ہے، جو جہانبانی کا زینہ ہے۔ تجارت کا تجربہ کر کے مشقت، لگن اور شیریں بیانی کا ذوق پایا ہے۔ انسانوں کے سوچنے اور سمجھنے کے ڈھنگ کا مطالعہ اور مشاہدہ کیا ہے۔ جہدِ مسلسل کی اہمیت کو جانچا ہے۔ امنگوں اور تمناؤں کی پرکھ کی ہے۔ لیکن اب ہماری سرسراہٹ، تلواروں کی جھنکار اور زخمیوں کی پکار کو سُنیے۔ فاتح کے جوش و جذبے اور مفتوح کی ذلت و خواری کا نظارہ کیجیے۔ کیونکہ جہان بانی کی راہ میں حائل ہونے والی قوتوں کی سرکوبی کے لیے آپؐ کو اس کی بارہا ضرورت پڑے گی۔ یہ تجربہ گاہ ہے۔ اس کی پُرپیچ اور ہولناک راہوں سے گزرنے کا عملی مظاہرہ کیجیے۔"

محمدؐ کے تنومند جسم میں خون کی گردش تیز ہو جاتی ہے۔ وہ بنو ہوازن کی طرف سے آنے والے تیروں[۹۱] کو ٹیلے سے گرتے ہوئے دیکھتے ہیں۔ اور موقعہ پا کر انہیں اکٹھا کر لیتے ہیں تاکہ اپنے چچاؤں کو دے سکیں۔ لیکن جب اوٹ سے نکلنا محال ہو جاتا ہے

تو ہر چچا کے ترکش سے تیر نکال نکال کر نہایت پھرتی سے ان کو دیتے جاتے ہیں۔ مبادا تیر اندازی کا یہ سلسلہ منقطع ہونے پائے۔

ان کے دوسرے چچا کمانیں کھینچے دشمن کی تاک میں ہیں۔ ان کے بازوؤں کی مچھلیاں اُبھر آتی ہیں۔ سانس کی تیزی کے ساتھ سینے اُبھرے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ جنہیں دیکھ دیکھ کر جنابِ محمدؐ کو ایک گونہ مسرت کا احساس ہوتا ہے۔

"میں بھی فنونِ حرب کی مشق کروں گا۔" ان کے دل میں یہ آرزو چٹکیاں لینے لگتی ہے۔ وہ نوجوان ہیں۔ ان کا سینہ ولولوں سے بھرپور ہے۔ جوانی کا خون دوسروں کو آگے بڑھتے اور کچھ کرتے دیکھ کر جوش میں آجاتا ہے۔ اور آرزوئیں مچلنے لگتی ہیں جنہیں رشک کا جذبہ مہمیز لگاتا ہے۔ ابوطالب نے جیسے ان کی نبض پر ہاتھ رکھ دیا ہو مسکرا کر کہتے ہیں۔

"بیٹے محمدؐ۔ یہ جنگ ختم ہو جائے تو میں تمہیں سپاہی بنا دوں گا۔
اب تو تم ماشاء اللہ جوان ہو۔ اور سپاہ گری ہر جوان کا زیور ہے۔"

محمدؐ اپنے شفیق چچا کو تشکر آمیز نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔ اور پھر بھاگ بھاگ کر تیر جمع کرنے لگتے ہیں۔ اتنے میں ہوا کا ایک جھونکا سن سے گزر جاتا ہے۔ اور آپؐ محسوس کرتے ہیں گویا کہہ رہا ہو۔

"پیارے محمدؐ صلح اور امن بے شک زندگی کی رُوح ہیں۔ لیکن جب طاغوت اسے جور و ستم کا نشانہ بنانے کے لیے سرگرمِ عمل ہو جائے تو اس کی سرکوبی کے لیے سپاہیانہ مہارت کی ضرورت ہوتی ہے۔ ذرا سوچیے تو سہی مظلوموں کی پکار پر وہ آدمی لبیک کہنے کی جسارت کیسے کر سکتا ہے جو جنگ کے رنگ ڈھنگ سے نابلد ہو۔"

محمدؐ کے ذہن میں سوچ کے سوتے اُبلنے لگتے ہیں۔

"ہاں۔ ہاں مظلوم کی پکار پر لبیک کہنے کے لیے بدن میں طاقت۔ بازو میں سکت۔ ارادے میں قوت اور دل میں شجاعت کے ساتھ ساتھ آلاتِ حرب

پر مکمل دسترس کی ضرورت سے کون انکار کر سکتا ہے۔ قریش اگر ان خوبیوں کے مالک نہ ہوتے تو آج بنو ہوازن کے لونڈی غلام ہوتے۔"

فطرت آپؐ کی اس سوچ میں بالیدگی پیدا کرتے ہوئے کہہ رہی ہے۔

"پیارے محمدؐ۔ نوجوان طاقت کا سرچشمہ ہوتے ہیں۔ آگے بڑھیئے۔ میدانِ عمل کی طرف قدم اُٹھایئے۔ اور اپنی قوتوں کا اندازہ کیجئے۔ آپؐ کو انتقام کی جگہ عفو اور جور و ستم کی بجائے جود و کرم کا علم اٹھانا ہے۔ تاکہ اولادِ آدم کے مظلوم فرزند آپؐ کی پناہ میں سکھ کا سانس لے سکیں۔

پیارے محمدؐ۔ ذرا سنیئے تو سہی حربِ فجار آپؐ سے کیا کہہ رہی ہے۔"

۲۲

موت اس دارِ فانی کی سب سے بڑی حقیقت ہے۔ یعنی زندگی خواب پریشاں ہے۔ اور موت اس کی تعبیر۔ یہی وہ پیامبر ہے جو شہنشاہوں کے محل اور غریب کی جھونپڑی میں ایک سی آزادی اور بے باکی سے داخل ہوتا ہے۔ اور کسی کو دم مارنے کی مجال نہیں ہوتی۔ نواحِ مکہ میں موت کا ہولناک کھیل کئی سالوں سے حربِ فجار کی صورت میں کھیلا جا رہا ہے۔ بڑے بڑے سرکشوں کے سر خاک و خون کی نذر ہو گئے ہیں۔ موت کا وار بنو ہوازن، بنو کنانہ اور قریش کو اپنی زد میں لیے ہوتے ہے۔ بے شمار ہنستے کھیلتے گھرانے ماتم کدوں میں تبدیل ہو چکے ہیں۔ کئی ماہ جبینوں کے سہاگ اجڑ گئے ہیں یتیموں کی فریاد دل کی گہرائیوں تک اترتی جا رہی ہے۔ بیواؤں، غمزدوں اور زخمیوں کے زہرہ گداز نالہ و شیون سے بڑے بڑے سنگ دل اور شقی لرز اُٹھے ہیں۔ اور دبی زبان سے ہر جگہ صلح و آشتی کی تبلیغ کی جا رہی ہے۔ کیونکہ جنگ جاری رکھنے کی سکت اب کسی میں باقی نہیں رہی ہے۔ اس لیے فریقین کی طرف سے صلح کی تحریک پر جنگ کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ جس کی سب سے بڑی شق یہ ہے کہ انتقامی کارروائیوں سے مکمل طور پر اجتناب کیا جائے گا۔ یہ جنابِ محمدؐ کی برکت ہے۔ کیونکہ آپؐ نے جنگ میں شامل ہونے کے باوجود تیر نہیں چلایا۔ تلوار نہیں اٹھائی۔ بلکہ خلوصِ دل سے امن و آشتی کی آرزو کی ہے جس کی تکمیل آپؐ کے لیے مسرت اور دوسرے کے لیے عافیت کا پیغام لاتی ہے۔

مکہ میں پھر چہل پہل شروع ہو گئی ہے۔ بجھتے ہوئے چراغ جل اُٹھے ہیں۔ زندگی

کی رعنائیاں لوٹ آئی ہیں۔ بازار کھل گئے ہیں۔ نخلستانوں کی رونق بڑھ گئی ہے۔ جنگلوں اور وادیوں میں چرواہوں نے بانسری کی تانیں چھیڑ دی ہیں۔ مرجھائے ہوئے چہروں پر شادابی کی لہریں کھیلنے لگی ہیں۔ شہر سے باہر بادیہ نشیں اپنے اپنے کاموں میں مصروف ہیں۔ مگر اندرونِ شہر ابھی تک چند اہلِ دل مضطرب ہیں۔ ان کی سوچ کا دھارا دوسروں سے مخالف سمت میں بہہ رہا ہے۔ عوام پُرسکون ہیں۔ اور حربِ فجار کی ہولناکیاں داستانِ پارینہ بن چکی ہیں۔ لیکن گوشت پوست کے بنے ہوئے یہ چند انسان ابھی تک ذہنی کرب میں مبتلا ہیں۔ انہیں پائدار امن قائم رکھنے کی فکر ہے۔ ان ہی دنوں میں ایک ایسا واقعہ پیش آتا ہے کہ اہلِ دل چیخ اُٹھتے ہیں۔ اور عوام چونک پڑتے ہیں۔

شہر زبید[۹۲] کا ایک شخص اپنا مالِ تجارت لے کر مکہ میں وارد ہوا۔ اس نے منڈی میں مال کی نمائش کی اور عاص بن[۹۳] وائل سہمی سے سودا طے ہو گیا۔

"میں پرسوں تک اس کی قیمت ادا کر دوں گا۔" عاص نے کہا۔

"دیکھنا۔ وعدہ خلافی نہ ہونے پائے۔" تاجر بولا۔

عاص نے مال اٹھاتے ہوئے کہا۔ "وعدہ خلافی ہم لوگوں کا شیوہ نہیں ہے۔ تم مطمئن رہو۔"

تیسرے دن جب تاجر اس کے ہاں رقم وصول کرنے گیا تو اسے عاص کی باتوں سے بہانہ سازی کی بو آئی۔ لیکن اس کے یقین دلانے پر چُپ چاپ لوٹ آیا۔ دو دن بعد پھر عاص کے گھر گیا۔ لیکن اب کی دفعہ اس نے لیت و لعل کرنے کی بجائے صاف صاف الفاظ میں جواب دے دیا۔

"تم کہتے تھے وعدہ خلافی ہم لوگوں کا شیوہ نہیں ہے۔ اور اب یہ کیا کر رہے ہو؟" تاجر نے دُکھ بھرے لہجے میں پوچھا۔

عاص نے غراتے ہوئے کہا۔ "جاؤ جاؤ میں تمہیں جانتا ہی نہیں۔"

تاجر چکرا گیا۔ دنیا اس کی آنکھوں میں اندھیر ہو گئی۔ وہ انتہائی کرب کے عالم میں بولا۔ "وعدے کا کچھ تو پاس کرو۔ ایک غریب الوطن تاجر کو یوں لوٹتے ہوئے تمہیں

شرم نہیں آتی۔"

عاص نے کڑک کر کہا "دفع ہو جاؤ یہاں سے ورنہ تمہاری لاش خون میں تڑپتی ہوئی نظر آئے گی۔"

تاجر انتہائی مایوسی کے عالم میں عاص کے گھر سے نکلا۔

"اب کیا کروں۔ کہاں جاؤں" وہ زیر لب بڑبڑایا "مکہ کے رؤسا کا دروازہ کھٹکھٹاتا ہوں۔ شاید کسی کو میری حالت پر ترس آجائے"

زبیدی تاجر مکہ کے اشراف کا دروازہ کھٹکھٹاتا رہا۔ مگر کسی نے اس کی دادرسی کرنے کی حامی نہ بھری ان سب سے مایوس ہو کر اسے یاد آیا کہ اسی شہر میں اس کے حلیف موجود ہیں۔ ان سے مدد حاصل کی جائے۔

یہ سوچ کر وہ اپنے حلیفوں عبدالدار۔ مخزوم۔ جمح۔ سہم اور عدی بن کعب کے پاس گیا۔ اس نے ہر ایک کے در پر دستک دی۔ مگر اسے یوں معلوم دیکھ کر ہر کسی کو سانپ سونگھ گیا۔

مایوسیوں کی اتھاہ گہرائیوں میں پڑا ہوا یہ غریب الوطن تاجر در در کے دھکے کھانے کے بعد بے سروسامانی کی حالت میں جبل بوقبیس پر پہنچا اور عربوں کے دستور کے مطابق اس نے اپنا گریبان چاک کیا۔ سر پر خاک ڈالی اور دائے حسرت کا نعرہ لگا کر زور زور سے پکارنے لگا۔

"یا معشر قریش۔ اے بنو ہاشم اے خاندان عبدالمطلب تم کعبہ کے متولی اور ابراہیم (علیہ السلام) کی اولاد ہو۔ تمہاری نگری میں مجھ پر ظلم ہوا ہے۔ آہ میں تباہ ہو گیا ہوں۔ عاص نے مجھے لوٹ لیا ہے"

لوگوں کے کانوں میں اس کی آواز پڑی تو انہوں نے گردنیں اٹھا اٹھا کر فریادی کو دیکھا۔ لیکن عاص کا نام سن کر کسی میں ہمت نہ ہوئی کہ اس مظلوم کی پکار پر لبیک کہے۔

زبیدی اور زور زور سے دہائی دیتے ہوئے بولا۔

"یا معشر قریش تمہاری غیرت کو کیا ہو گیا ہے۔ اے خاندان بنو ہاشم

تمہاری حمیت کہاں سو گئی ہے۔ کیا تم بھی عاص کی طرح فریبی اور دغاباز ہو۔"

قریش مکہ کے چند سردار کعبہ میں بیٹھے ہوئے تھے۔ جوں ہی ان کے کان میں یہ آواز پڑی، وہ ایک دوسرے کی طرف پُرمعنی نگاہوں سے دیکھنے لگے۔ محمدؐ کے چچا زبیر[۹۴] بن عبدالمطلب کا خون کھول اُٹھا۔ انہوں نے اپنے ساتھیوں سے مخاطب ہو کر کہا۔

"ہم بے غیرت نہیں ہیں۔ چلو اس کی فریاد سنیں۔"

یہ کہہ کر وہ زبیدی کے پاس پہنچے اور سارا ماجرہ سننے کے بعد اسے تسلی دیتے ہوئے بولے۔

"تمہیں دکھ پہنچا ہے۔ تمہارا نقصان ہوا ہے۔ اس لیے تم فریاد کرنے پر مجبور رہو۔ لیکن تم نے ہماری غیرت کو للکارا ہے۔ ہم تمہیں مایوس نہیں ہونے دیں گے۔ یہ خاندان بنو ہاشم کا قول ہے۔ یہ زبیر بن عبدالمطلب کا اقرار ہے۔ اس کی پابندی کی جائے گی۔ آؤ میرے ساتھ چلو۔ تم اس وقت تک میرے مہمان ہو جب تک تمہارے نقصان کی تلافی نہیں ہوتی۔"

مظلوم تاجر زبیر کے ساتھ چل دیا۔ اس کی ڈھارس بندھ گئی۔ امید کی ایک کرن چمک اٹھی۔

زبیر بن عبدالمطلب بنو ہاشم، بنو زہرہ اور بنو اسد بن عبدالعزیٰ کے اکابر کو عبداللہ بن جُدعان[۹۵] کے گھر جمع ہونے کی دعوت دیتے ہیں۔ جو سب سے زیادہ معمر ہے۔ تھوڑی ہی دیر کے اندر اندر اہل الرائے کا یہ اجتماع اس سلسلہ پر سوچ و بچار میں محو ہو جاتا ہے۔ بنو زہرہ کا ایک سردار کہتا ہے۔

"اگر زبیدی تاجر کے ساتھ انصاف نہ کیا گیا تو ہماری تجارت اور ساکھ کو نقصان پہنچے گا۔ اور ممکن ہے حرب فجار کا سلسلہ پھر سے شروع ہو جائے۔"

"ہاں" دوسرا بول اٹھتا ہے تم سچ کہتے ہو۔ لیکن تلوار اٹھانے کی بجائے نقصان کی تلافی کر دینا زیادہ بہتر ہے۔

زبیر یہ سن کر اٹھتے ہیں اور جوش میں آکر کہتے ہیں۔

"تم سب معزز افراد ہو۔ تم نے دنیا کے سرد و گرم کو خوب چکھا ہے اگر تم جیسے اہل الرائے بھی اس عقدہ کی گرہ کشائی نہ کر سکے تو مکہ میں اور کون ہے جو زبیدی کی حمایت میں آواز اٹھائے گا۔ اس نے ہماری غیرت کو پکارا ہے۔"

اس پر عبداللہ بن جدعان کہتا ہے۔

"بے شک ہماری غیرت کا سوال ہے۔ اس لیے ہمیں زبیدی کی خاطر تلوار بھی اٹھانی پڑے تو اس سے ہرگز دریغ نہیں کیا جائے گا۔"

زبیر دوبارہ اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ اور پُر زور لہجہ میں کہتے ہیں۔

"میں چاہتا ہوں کہ یہ معاملہ زبیدی کی داد رسی تک ہی محدود نہ رہے۔ بلکہ ایسا بندوبست کیا جائے کہ آئندہ کسی کو اس قسم کی دغابازی کی جرأت تک نہ ہو۔ اور اگر کوئی اپنے کمینہ پن کا ثبوت دیتا ہے تو اس کا سختی سے محاسبہ کیا جائے۔ لیکن یہ سب کچھ اس صورت میں ممکن ہے کہ ہمارے اندر ایسی جمعیت موجود ہو جس کے تعاون سے ہر ضروری قدم اٹھایا جا سکے۔ یا معشر قریش کیا آپ بنو قطورا اور بنو جرہم کے حلف الفضول[۹۶] کو بھول گئے ہیں جو اسی شہر میں آج سے مدتوں پہلے وجود میں آیا تھا۔ اور آپ جیسے اہل الرائے کی حسنِ تدبیر کا نتیجہ تھا جس سے مدتوں تک لوگ اپنے دکھ کا مداوا ڈھونڈتے رہے۔

اگر آج ہم میں فضل بن حارث فضل بن وداعہ اور فضل بن فضالہ موجود نہیں ہیں تو ان کی یادگار حلف الفضول کا نام ابھی تک زندہ ہے۔ اس معاہدہ کی شرائط سے بھی ہم واقف ہیں۔ اس کی برکات کا بھی ہمیں

علم ہے۔ کیوں نہ اسے دوبارہ نافذ کیا جائے۔"

عبداللہ بن جدعان کا چہرہ فرطِ مسرت سے چمک اٹھا۔ اور اس نے بے ساختہ کہا۔

"تم نے خوب یاد دلایا۔ خدا کی قسم اس سے بہتر کسی دوسری تجویز کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔"

دوسرے سرکار بھی اس پر رضامندی کا اظہار کرتے ہیں اور زبیر کہتے ہیں۔

"اس معاہدہ کو باقاعدہ رقم کیا جائے۔ تاکہ اس کی پشت پر ایک مضبوط جمعیت کا وجود قائم رہے۔ مجھے یقین ہے کہ وہ بصد شوق اس میں شمولیت کریں گے۔"

اس کے بعد زبیر کی تحریک پر اور اس کی زیر نگرانی معاہدہ لکھا جاتا ہے۔ جس کا نام بدستور سابق حلف الفضول ہی رکھا جاتا ہے۔ اور اس میں شامل ہونے والا حلف اٹھاتے ہوئے کہتا ہے۔

"خدا کی قسم ہم سب ایک ہاتھ بن جائیں گے۔ اور وہ مظلوم کے ساتھ رہ کر اس وقت تک ظالم کے خلاف اٹھا رہے گا جب تک کہ سمندر گھونگھوں کو بھگوتا رہے گا۔ اور حرا اور ثبیر کے پہاڑ اپنی اپنی جگہ قائم رہیں گے اور ہماری معیشت میں مساوات رہے گی۔"

اس کے بعد مندرجہ ذیل شقیں اس معاہدہ کی روح قرار دی جاتی ہیں۔

۱۔ ہم ایک دوسرے کی حق تلفی نہیں کریں گے۔

۲۔ ہم قوی سے ضعیف اور مقیم سے مسافر کا حق دلوایا کریں گے۔

۳۔ ظالم کے خلاف مظلوم کی مدد کرتے رہیں گے۔

معاہدہ کی تحریر مکمل ہو چکی ہے۔ ہر شخص باری باری اس پر اپنی شہادت ثبت کرتا ہے۔ جب یہ کام پورا ہو جاتا ہے تو اختتام پر زبیر کہتے ہیں۔

"آپ کو مبارک ہو۔ آپ نے اپنے دادا ابراہیم (علیہ السلام) کے دین کو دوبارہ زندگی بخشی ہے۔ یہ کام پورا ہو چکا ہے۔ آؤ اب عاص کے

پاس چلیں۔"

عبداللہ بن جدعان جیسے چونک اٹھا ہو۔ بے اختیار کہتا ہے۔

"نہیں۔ نہیں ابھی یہ کام پورا نہیں ہوا ہے۔

"کیوں" زبیر حیرت سے پوچھتے ہیں۔

عبداللہ بن جدعان مسکراتے ہوئے کہتا ہے۔

" ابھی اس پر ایک ایسے شخص کی شہادت باقی ہے۔ جو کہ میں سب سے زیادہ بڑھ کر امن پسند، صلح جو اور اپنے وعدے کا پابند ہے۔ اس کی شہادت کے بغیر یہ معاہدہ بے وزن ہے۔"

زبیر کو یہ سُن کر اور بھی حیرت ہوتی ہے اور بے تابی سے پوچھتے ہیں۔

" بنو ہاشم کے سب معمر اور معزز افراد اس وقت یہاں موجود ہیں۔ اب کون باقی ہے؟"

عبداللہ جواب دیتا ہے۔

"تمہارا بھتیجا محمدؐ۔ جو عمر میں کم اور عقل میں زیادہ ہے۔ اگرچہ وہ سولہ سال کا ہے۔ لیکن فہم و فراست میں ہم جیسے معمر افراد سے بڑھ کر ہے۔ ہم تو ڈھلتی پھرتی چھاؤں ہیں۔ آج ہیں کل نہیں ہوں گے۔ لیکن محمدؐ نوجوان ہیں۔ مجھے یقین ہے حلف الفضول ان کی شمولیت سے سدا بہار رہے گا۔ انہیں بلاؤ۔"

تھوڑی دیر کے بعد جناب محمدؐ عبداللہ بن جدعان کے بلاوے پر اس کی چوپال میں داخل ہوتے ہیں۔ ان کی رفتار میں تمکنت ہے۔ سفید اور اُجلے لباس میں جس سے بھینی بھینی خوشبو آرہی ہے۔ نہایت پُر وقار نظر آتے ہیں۔ وہ سمن رُو۔ سمن خو۔ سمن بو اور سمن سیما ہیں۔ جسے خطِ سبزہ نے اور بھی دلکش بنا دیا ہے۔ لبوں پر ہلکا سا تبسم رقصاں ہے۔ وہ مجمع کو سلام کرتے اور مصافحہ کے بعد اپنے چچا زبیر کے پاس چٹائی پر بیٹھ جاتے ہیں۔ عبداللہ بن جدعان آپؐ سے مخاطب ہو کر کہتا ہے۔

"محمدؐ۔ ہم نے امن قائم رکھنے کے لیے حلف الفضول رقم کیا ہے۔
اس پر تمہاری شہادت درکار ہے۔"

فرطِ مسرت سے آپؐ کا چہرہ کندن کی طرح دمکنے لگتا ہے۔

"اس سے بڑھ کر میرے لیے اور کون سی سعادت ہوگی کہ میں
صلح اور امن کی جدّوجہد میں یاد کیا جاؤں۔ قیامِ امن کے لیے آپ مجھے
ہر وقت تیار پائیں گے۔"

آپؐ کے چچا نے فرطِ محبت سے تھپکی دیتے ہوئے کہا۔

"میرا بھتیجا امن کا پیامبر اور صلح کا مجسمہ ہے۔ بنو ہاشم کو
عبداللہ کے اس لاڈلے پر فخر ہے۔ محمدؐ بڑی خوبیوں کے مالک ہیں۔"

عبداللہ بن جدعان نے حلف الفضول پر آپؐ کی شہادت لی۔ اور سب عاص
بن وائل سہمی کے گھر کی طرف روانہ ہوگئے۔ انہوں نے دروازہ پر دستک دی۔ عاص
باہر آیا۔ زبیر نے کہا۔

"تم زبیدی تاجر کی رقم ابھی ادا کردو۔ ورنہ یہ پورا گروہ تمہارے
خلاف ہر قسم کی کاروائی کرے گا۔ خواہ قتل و غارت تک ہی نوبت کیوں
نہ پہنچے۔"

عاص نے مجمع پر ایک نظر ڈالی اور فوراً محسوس کر لیا کہ ان لوگوں کو فریب دینا اپنی
تباہی کے مترادف ہے۔ وہ نہایت خاموشی سے اندر چلا گیا۔ اور تھوڑی دیر میں پوری
رقم لا کر عبداللہ کے ہاتھ پر رکھ دی۔ جس نے زبیر کو دے کر غریب الوطن تاجر کی طرف
روانہ کر دیا۔ اور اس کے بعد سب لوگ اپنے اپنے گھروں کو لوٹ گئے۔

محمدؐ اپنے گھر واپس آرہے ہیں۔ اور در و دیوار کا ذرّہ ذرّہ کہہ رہا ہے۔

"پیارے محمدؐ سچ تو یہ ہے کہ حلف الفضول آپؐ ہی کی وجہ سے
سدا بہار رہے گا۔ کیونکہ آپؐ مجسم رحمت ہیں۔ اور رحمۃ اللعالمین کا
تاج آپؐ کے سر کی زینت بننے والا ہے۔"

۲۳

مکہ کے میکدے کا دروازہ کُھلا ہے۔ میکشوں کی ٹولیاں ہاؤ ہو اور ناؤ نوش میں محو ہیں۔ کچھ پی رہے ہیں۔ کچھ پلا رہے ہیں۔ کچھ ہنسا رہے ہیں۔ کوئی لڑکھڑا رہا ہے۔ کوئی بے سُدھ پڑا ہے۔ کوئی بک رہا ہے۔ کوئی خاموشی سے گھور رہا ہے۔ یہاں ہر کسی کی پگڑی اُچھلتی ہے۔ داڑھی نوچی جاتی ہے۔ قہقہے لگتے ہیں۔ دشنام طرازی ہوتی ہے۔ کہیں خُم پڑے ہیں۔ کہیں ساغر چل رہے ہیں۔ ادہر قلقلِ مینا کی صدا ہے۔ ادھر شیشہ و سبو کی جھنکار ہے۔ رندوں کا یہ ہجوم دن کو کم اور رات کو زیادہ ہوتا ہے۔ کیونکہ تقدس مآب چھپ کر بھی شب کی تاریکی میں یہاں آتے ہیں۔ یہ وہ جگہ ہے جہاں مکہ کے مفلس و قلاش بھی دکھائی دیتے ہیں۔ اور امراء و رؤسا بھی نظر آتے ہیں۔ بوڑھے اور جوان بھی حاضر ہوتے ہیں۔ ہر شخص درِ میکدہ کے وا ہونے کا منتظر رہتا ہے۔ لیکن خود یہ دروازہ ایک ایسے نوجوان کے لیے چشمِ نرگس بن کر رہ گیا ہے جو آج تک یہاں نہیں آیا ہے۔ ساقی کئی سالوں سے اس کے لیے چشم براہ ہے۔ مگر اس کی آرزو آج تک پوری نہیں ہوئی۔ کیونکہ وہ اب تک نہ یہاں آیا ہے اور نہ کبھی آئے گا۔

یہ ہیں جنابِ محمدؐ۔ جو میخواروں کی دنیا میں رہتے ہیں۔ جہاں گھر گھر شراب کی بھٹیاں موجود ہیں۔ لیکن مے نوشی سے ان کا دامن ہمیشہ پاک رہا ہے۔

مکہ کا قحبہ خانہ اپنی سج دھج سے موجود ہے۔ کنیزیں اور بیوائیں دعوتِ نظارہ دیے رہی ہیں۔ لوگ گناہ کے اس اندھے کنوئیں میں گرتے اور گراتے

باہر نکلتے ہیں۔ اس پر انہیں فخر ہے۔ ہر امیر غریب یہاں ننگ و ناموس لٹانے پر نازاں ہے۔ یہاں جنس کا کاروبار ہے۔ کوئی جسم بیچتا ہے۔ کوئی خریدتا ہے۔ کہتے ہیں یہ تجارت ہے۔ اس میں گناہ کی کون سی بات ہے۔ یہاں جوان سر جھکاتے اور نوجوان ٹھوکر کھاتے ہیں۔ دلّالوں کا کاروبار بڑے دھڑلّے سے چلتا ہے۔ انہوں نے چپے چپے پر ایسے اڈے قائم کر رکھے ہیں۔ وہ شہر کے سب جوانوں کو یہاں آتے ہوئے دیکھتے ہیں۔ انہیں ایک ایک کا نام یاد ہے۔ لیکن اس شہر میں صرف ایک نوجوان ایسا ہے جس نے نہ کبھی ادھر قدم بڑھایا ہے۔ نہ اس کا ارادہ کیا ہے۔ یہ جنابِ محمدؐ ہیں۔ جو گناہوں کی اس منڈی میں بھی ایسے ہی پاک صاف ہیں جیسے نکھری ہوئی چاندنی۔

مکہ میں قمار بازی کا اڈہ سرگرمِ کار ہے۔ جواریوں کی ٹولیاں آتی ہیں۔ سارا سارا دن بلکہ ساری ساری رات جوا کھیلتی ہیں۔ شرطیں لگتی ہیں۔ دنگا فساد ہوتا ہے۔ تو تو میں میں کا ہنگامہ ہر وقت برپا رہتا ہے۔ یہاں عمر کی کوئی قید نہیں ہے۔ جن کی مسیں بھیگی ہیں۔ وہ بھی ہوائے شوق میں چلے آتے ہیں۔ اور بوڑھوں کو بھی اس کا چسکا یہاں لے آتا ہے۔ اگرچہ قمار بازی عربوں کی رگ رگ میں حیات ہے۔ اور جگہ جگہ اس کے اڈے قائم ہیں۔ لیکن جنابِ محمدؐ ہیں۔ جو قمار بازی کی ابجد تک سے ناآشنا ہیں۔

مکہ میں اوقاتِ فرصت گزارنے کے لیے تفریح گاہیں ہیں۔ جن میں دن کو خوش گپّیاں ہوتی ہیں۔ عشق و محبّت کی باتوں سے دل بہلایا جاتا ہے۔ اور رات کو داستان گوئی۔ شعر و شاعری اور رقص و سرود کی محفلیں منعقد ہوتی ہیں عیش و عشرت کے یہ مرکز بہت پُرکشش ہیں۔ لوگ پروانہ وار کھنچے چلے آتے ہیں۔ اور لیل و نہار کی گردش سے بے نیاز ہو کر محفل میں جذب ہو جاتے ہیں۔ یہاں ہر عمر اور ہر رتبہ کے لوگ آتے ہیں۔ اور لطف اُٹھاتے ہیں۔ ان میں بے فکرے اور آزاد منش بھی شامل ہیں۔ دکھوں کے مارے ہوئے اور کام کاج کے بوجھ تلے کراہنے والے بھی دکھائی دیتے ہیں۔ چرواہے اور تاجر بھی ہیں۔ دیوی دیوتاؤں کے پجاری بھی نظر آتے ہیں۔ لیکن ایک جنابِ محمدؐ ہیں کہ انہیں آج تک کسی نے ان محفلوں میں نہیں دیکھا۔

بھرے بازار میں طرح طرح کے فتنے جنم لیتے ہیں۔ لیکن جنابِ محمدؐ کو ان سے کوئی سروکار نہیں۔ گلی کوچوں میں حسن و عشق کی گھاتیں ہیں۔ حسینوں کی تاکا جھانکی ہے۔ شیطان کے پھندے ہیں۔ جذبات کی وارداتیں ہیں۔ قدم قدم پر قلب و نظر کے لیے دعوت ہے۔ جوانوں کے دامن داغدار ہیں اور انہیں اس پر مسرت ہے۔ بنتِ عم کا نام لے کر چٹخارے لیے جاتے ہیں۔ کوئی دل کے ہاتھوں مجبور ہے۔ کہیں نظروں کے ذریعے شیطان کے تیر پھینکے جاتے ہیں۔ جن کا نشانہ کبھی خطا نہیں جاتا۔ لیکن دار و گیر اور حسن و عشق کے ان ہنگاموں میں صرف ایک نوجوان ایسا ہے جس کی آنکھ کبھی اس طرف متوجہ نہیں ہوئی۔ اس کے کان ان لغو باتوں سے آج تک نا آشنا ہیں۔ اس کی زبان یاوہ گوئی سے پاک ہے۔ یہ ہیں بیس سالہ جنابِ محمدؐ! جن کے لیے شہر مکہ کا ذرہ ذرہ کہہ رہا ہے۔

"پیارے محمدؐ۔ آپؐ چاندنی سے زیادہ پاکیزہ اور پھولوں سے بڑھ کر معصوم ہیں۔ مکہ کو آپؐ پر ناز ہے۔ آپؐ کا ہر سانس آپؐ کی پاکیزگی کی شہادت دیتا ہے۔ ہم آپؐ کے شرم و حیا کے گواہ ہیں۔ صبح آپؐ کو دیکھ کر مسکراتی ہے۔ اور شام آپؐ کے لیے دعا کرتی ہے۔ ستارے آپؐ کی دید کے مشتاق اور چاند اس کے لیے مضطرب ہے۔ مکہ کے در و دیوار آپؐ کی عفت کی قسم کھاتے ہیں۔ ہوائیں آپؐ کی عصمت کی امین ہیں۔ آپؐ کی جوانی کلیوں سے زیادہ بے داغ اور شبنم سے بڑھ کر پاکیزہ ہے۔ اے آمنہ کے لالؐ ہمیں آپؐ کے قدم چومنے پر ناز ہے۔"

۲۴

محمدؐ کوہِ قبیس پر تشریف فرما ہیں۔ لوگ خانہ کعبہ کا طواف کر رہے ہیں۔ کچھ نیم برہنہ ہیں۔ کچھ مادر زاد عریاں ہیں۔ عورتیں بھی ملبوسات کی قید سے تقریباً آزاد ہیں۔ چند ایک نائلہ اور اساف کے سامنے سجدہ ریز ہیں۔ کچھ کعبہ کے پردوں سے چمٹے ہوئے ہیں۔ کوئی زمزم کے سامنے ہے۔ کچھ حطیم اور مقامِ ابراہیم میں موجود ہیں۔ کہیں قربانیاں دی جا رہی ہیں۔ کچھ مجاوروں، پجاریوں اور مہنتوں کو نذرانے پیش کر رہے ہیں۔ کچھ پانسے پھینک رہے ہیں۔ کچھ قسمت کا حال پوچھ رہے ہیں۔ کاہن، منجم اور مہنت وغیرہ لوگوں کی قسمت کا حال بتا بتا کر جیبیں بھر رہے ہیں۔ رب کعبہ کسی کا معبود اور مقصود نہیں ہے۔ دینِ ابراہیمی کی رمق تک باقی نہیں رہی ہے۔ توحید خالص شرک کے دبیز پردوں میں چھپ گئی ہے۔ ہاں۔ قربانی کے جانوروں کے گلے میں قلادہ موجود ہے۔ ابھی تک رہزنوں کی دستبرد سے محفوظ ہیں۔ یا طواف اور سعی کی رسم باقی ہے۔ مگر اس میں پاکیزگی کی جگہ گندگی ہے۔ اس کی صورت مسخ ہو چکی ہے۔ قریش نے خود کو منیٰ کے مقام سے مستثنیٰ قرار دے دیا ہے۔

محمدؐ دل ہی دل میں کڑھتے ہیں۔ انہیں یہ جہالت اور گندگی دیکھ کر بے حد کراہت ہوتی ہے۔ انہیں حیرت ہے کہ لوگ ان بے جان اور بے حس پتھر کی مورتیوں سے کیوں خوف کھاتے ہیں۔ جو مجسّے بولنے، دیکھنے، سمجھنے اور سننے کی طاقت نہیں رکھتے وہ ان لوگوں کو نفع یا نقصان کیونکر پہنچا سکتے ہیں۔ آخر ان کی عقل کو کیا ہو گیا ہے۔ یہ اللہ کا

نام تو لیتے ہیں۔ لیکن انہیں اس سے مایوسی اور بتوں سے اُمید ہے۔ وہ ان مورتیوں کو اپنا ملجا و ماوا سمجھ بیٹھے ہیں۔ محمدؐ کو حج، طواف، سعی اور قیام منیٰ کے لیے ان کے ساتھ شامل ہونے کو کئی بار کہا گیا ہے۔ لیکن آپؐ ان خرافات کی موجودگی میں ان سب سے کنارہ کش ہیں۔ انہیں بدہنگی سے نفرت ہے۔ بتوں کے سامنے سر جھکانے سے صاف انکار ہے۔ اور نذر و نیاز اور استھانوں پر دی گئی قربانیوں کے گوشت سے سخت نفرت ہے۔ انہیں ربِّ کعبہ کو جاننے، پہچاننے اور اس تک پہنچنے کی دُھن ہے۔ اسی لگن میں وہ طواف، سعی اور قیام منیٰ میں خود اپنی مرضی پر عمل کرتے ہیں۔ اور مشرکینِ مکہ کی خرافات[۱۰۳] میں شامل ہونے سے ان کی طبیعت اِبا کرتی ہے۔

محمدؐ طواف کر رہے ہیں۔ اور ایک بوڑھا شخص دیوارِ کعبہ سے ٹیک لگائے کہہ رہا ہے۔

"یا معشرِ قریش تم میں آج میرے سوا دینِ ابراہیم پر کوئی شخص نہیں ہے۔"

یہ آواز آپؐ کے کان میں پڑتی ہے تو آپؐ چونک اٹھتے ہیں۔

"دینِ ابراہیم ——! یعنی معمارِ کعبہ کا دین۔ یقیناً یہی سچا راستہ ہو سکتا ہے۔ اور اس کے بغیر ربِّ کعبہ تک رسائی ناممکن ہے۔"

آپؐ اس بوڑھے کے پاس آکر پوچھتے ہیں۔

"عمِ محترم۔ کیا آپ دینِ ابراہیم سے واقف ہیں۔"

"ہاں!" بوڑھا آدمی جواب دیتا ہے۔ "دینِ ابراہیمی ان دیوی دیوتاؤں کی پوجا کا دین نہیں ہے۔ وہ ربِّ کعبہ کی پرستش کرنا سکھاتا ہے۔ لیکن افسوس مجھے اس کی پرستش کا طریقہ نہیں آتا۔"

یہ کہہ کر بوڑھا آدمی زمین پر ہتھیلیاں ٹیک کر سجدہ کرتا ہے۔ اور پکار پکار کر کہتا ہے۔

"اے میرے معبود۔ اے ربِّ کعبہ۔ کاش مجھے معلوم ہوتا کہ تیری عبادت

کس طرح کی جاتی ہے۔ میں کیا کروں۔ کس سے پوچھوں۔ اسے تو کوئی بھی نہیں جانتا۔ لوگوں نے بتوں کو معبود بنا لیا ہے۔"

وہ سجدہ سے سر اٹھاتا ہے۔ اور جناب محمدؐ سے مخاطب ہو کر کہتا ہے۔

"لوگوں نے ربِ کعبہ کو صاحبِ اولاد بنا لیا ہے۔ اس کی بیٹیاں اور بیٹے تک تجویز کر لیے ہیں۔ لیکن میں ربِ کعبہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں وہ ان سب سے بے نیاز ہے۔ کاش مجھے اس کی عبادت کا طریقہ معلوم ہوتا تاکہ میں اسے راضی کر سکوں۔"

محمدؐ کو یہ سُن کر خوشی محسوس ہوتی ہے۔

یہ آدمی سچ کہتا ہے۔ آپؐ کو اس کی باتوں سے تسکین سی ہو جاتی ہے۔

یہ بوڑھا زید بن عمروؓ بن نفیل ہے۔ جو بتوں کی تحقیر و تذلیل کرتا ہے۔ اور لوگوں کو اس کا احساس دلاتا ہے۔ لیکن صدیوں کی بت پرستی پر جم جانے والی قوم اس کی باتیں سن سن کر بھڑک اٹھتی ہے۔ حتیٰ کہ اس کا چچا خطاب بن نفیل اس کی پٹائی کرنے سے بھی دریغ نہیں کرتا۔ وہ پٹتا ہے اور دردناک لہجہ میں یہی کہتا ہے۔

"رب ایک ہونا چاہیئے یا سینکڑوں رب بنا لیے جائیں۔ میں ایسے مذہب پر کیسے چلوں۔ جب کہ مسائلِ حیات کئی معبودوں میں بانٹ دیئے گئے ہیں۔

میں نے لات و عزیٰ سب کو ترک کر دیا ہے۔ اور مضبوط اور صبر کیش شخصیتیں ہی ایسا کیا کرتی ہیں۔ سو تم اللہ ہی کے تقوے کی حفاظت کرو۔ جب تک اس صفت کو قائم رکھو گے۔ کبھی گھاٹے میں نہ پڑو گے۔

مگر ہاں۔ اب میں رب رحمان کا عبادت گذار ہوں۔ تاکہ وہ بخشش فرمانے والا آقا میرے گناہوں کو معاف کر دے۔"

زید بن عمرو بن نفیل کے علاوہ ورقہ بن نوفلؓ۔ عثمان بن حارث اور عبید بن جحش بھی دینِ ابراہیم کے متلاشی ہیں۔ شرک کی اندھیری رات میں یہ چار جگنو ہیں

جو اپنی شمعیں لیے منزل کی تلاش میں سرگرداں ہیں۔ ان کی آپس میں ملاقاتیں بھی ہوتی رہتی ہیں۔ لیکن ربِ کعبہ تک رسائی کی راہ ہنوز ان سے دور اور مستور ہے۔ اسی جستجو میں عبید بن جحش اور ورقہ بن نوفل عیسائی ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ یہ عمر رسیدہ ہیں۔ یہ ان کے پختہ شعور کی آواز ہے۔ یہ زندگی بھر کے تجربات کا تقاضا ہے۔ لیکن محمدؐ تو نوجوان ہیں۔ انہیں ابھی سے دینِ ابراہیمی کی جستجو ہے۔ حالانکہ سارا ماحول کفر و شرک کی نجاست میں لت پت ہے۔ اور پورا معاشرہ جہالت میں غرق ہو چکا ہے۔ زید ابھی تک نہ عیسائی ہوئے نہ یہودی بلکہ دینِ ابراہیمی کی تلاش میں سرگرداں رہتے ہیں۔

۲۵

یہ بازارِ عکاظ ہے۔ لاکھوں کا کاروبار ہو رہا ہے۔ مکہ کی کھالیں، کھجوریں اور ایسی ہی کئی چیزیں دکانوں میں پڑی ہیں۔ شام اور یمن کے برتن، پارچات۔ سونا چاندی اسلحہ اور اناج وغیرہ بھی ڈھیریوں میں دکھائی دیتا ہے۔ خرید و فروخت زوروں پر ہے۔ اس بازار میں حکیم بن حزام کی دکان ہے۔ یہیں ابو بکرؓ نظر آتے ہیں۔ ابو لہب بھی رقم گننے اور مال بیچنے میں محو ہے۔ عتبہ بن ربیعہ بھی سج دھج سے بیٹھا ہوا ہے۔ قریش کے نامور تاجر اپنی اپنی دکانیں سجائے ہوئے ہیں۔ اسی بازار میں ایک جگہ دو بدو کچھ سامان خرید رہے ہیں۔ دکاندار بائیس سال کا خوبرو نوجوان سفید اور ستھرے لباس میں نہایت مستعد نظر آتا ہے۔ وہ گاہکوں کو مال کی صرف خوبیاں بتانے پر ہی اکتفا نہیں کرتا۔ بلکہ اس کی خامیاں بھی بتا رہا ہے۔ تاکہ بد دیانتی یا دھوکا بازی کا شائبہ تک نہ رہے۔ اور گاہک کو پسند ہو تو دام چکا کر مال اٹھالے۔ دوسرے تمام تاجر گاہکوں کو بہلانے پھسلانے اور ان کی ناتجربہ کاری سے فائدہ اٹھانے میں محو ہیں۔ لیکن بازارِ عکاظ کا یہ انوکھا تاجر ہے۔ جسے اپنے مال کے فروخت ہونے سے زیادہ گاہک کا مفاد منظور رہے۔ یہ جنابِ محمدؐ ہیں جو زبان کے سچے اور سودے کے کھرے ہیں۔ ان کی زبان میں بلا کی مٹھاس ہے۔ گفتگو گویا موتیوں کی لڑی ہے۔ جس میں کسی قسم کی آمیزش نہیں ہے۔ بات کرتے ہیں تو منہ سے پھول جھڑتے ہیں۔ بولتے ہیں تو صدق و صفا کی مہک اٹھتی ہے۔ گاہک مطمئن ہو کر سودا خریدتا ہے۔ اسے یہاں کم داموں پر عمدہ مال ملتا ہے۔ اس لیے جنابِ محمدؐ

کا سامان سب سے پہلے ختم ہو جاتا ہے۔ دوسرے دکانداروں کی کمائی کا دارومدار زیادہ تر سودی لین دین پر ہے۔ کیونکہ غریب عوام نقد ادائیگی سے محروم ہیں۔ اس لیے سود در سود کے حساب سے ادھار لیتے اور پھر عرب بنیئے کے جال میں اس بُری طرح سے گرفتار ہو جاتے ہیں کہ زندگی بھر چھٹکارا ناممکن ہے۔ اس سُود کی بدولت فضول خرچ نام و نمود کے رسیا اور جھگڑوں جھمیلوں کے امیران تاجروں، سرمایہ داروں اور مہاجنوں سے ہر وقت اُدھار لے سکتے ہیں۔ حالانکہ بعد میں انہیں اس کی نہایت بھاری قیمت ادا کرنی پڑتی ہے۔ اور کوئی سرمایہ دار کسی حالت میں بھی بلا سود ایک درہم تک دینے کے لیے تیار نہیں ہے۔ انہیں اصل سے بڑھ کر سُود عزیز ہے۔ کیونکہ ان کی دولت کے ارتکاز اور پھیلاؤ کا راز سود ہی میں مضمر ہے۔ لیکن اس بھرے بازار میں ایک اور صرف ایک تاجر ایسا موجود ہے جسے سود سے نفرت ہے۔ وہ بلا سود رقم یا مال ادھار دینے میں آج تک کبھی نہیں ہچکچایا۔ کیونکہ سرمایہ کاری اس کا مقصودِ حیات نہیں ہے۔ اور وہ ہیں جنابِ محمدؐ جن کے چچا سُود کی وجہ سے لکھ پتی ہو گئے ہیں۔ لیکن انہیں اس کی پرواہ نہیں ہے۔ وہ بدستور بے زر و تہی دست ہیں۔

جنابِ محمدؐ کو تجارت کرتے کئی سال گزر گئے ہیں اور اب اپنی دیانت داری اور سچائی کی وجہ سے صادق اور امین مشہور ہو چکے ہیں۔ مگر اس کے باوجود ان کا سرمایہ اپنے تمام چچاؤں کے مقابلے میں نہایت قلیل ہے۔ حالانکہ ان کا مال سب سے زیادہ اور جلد ہی فروخت ہو جاتا ہے۔ اگرچہ منافع کم لیتے ہیں۔ لیکن بِکری تو زیادہ ہوتی ہے پھر سرمایہ کی قلت کیوں؟

ان کے چچا عباس۔ حمزہ۔ ابولہب لکھ پتی ہو گئے ہیں۔ بنی مخزوم کے ولیدؓ بن مغیرہ اور ہشام ترقی کرتے کرتے بہت بڑے سرمایہ دار بن چکے ہیں۔ بنو امیّہ کے عثمانؓ بن ابوالعاص اور ابو سفیانؓ بن حرب کی دولت کا کوئی شمار نہیں رہا ہے۔ عبدشمس کے عتبہ اور شیبہ لاکھوں میں کھیلتے ہیں۔ بنو تمیم کے ابو قحافہ اور ان کے بیٹے ابوبکرؓ کی دکانیں چمک اٹھی ہیں۔ لیکن ایک جنابِ محمدؐ ہیں کہ ان کے پاس دولت کی ریل پیل نہیں ہوتی۔

حالانکہ گاہک خریداری کے لیے سب سے پہلے ان کے پاس آتے ہیں۔

جناب محمدؐ اکیلے ہیں۔ نہ ماں نہ باپ نہ بہن نہ بھائی۔ صرف ابوطالب کے اہل و عیال ہیں جو خود بھی تجارت کرتے ہیں۔ ان کا لڑکا طالب بھی کام کرتا ہے۔ اور حصولِ معاش میں دونوں باپ بیٹا مشقت کرتے ہیں۔ جناب محمدؐ بھی ان کی خدمت کرتے ہیں مگر لین دین کی اس گرم بازاری میں ان کے پاس سرمایہ جمع نہیں ہوتا۔

عتبہ کے دل میں ایک خیال گزرتا ہے۔ وہ ایک روز جناب محمدؐ کے تعاقب میں دبے پاؤں روانہ ہو جاتا ہے۔ اس نے دیکھ لیا ہے کہ جناب محمدؐ کے ہاتھوں میں اناج اور سکّوں کی چھوٹی چھوٹی تھیلیاں ہیں۔ کسی میں دن بھر کے منافع کی رقم ہے۔ کسی میں اناج ہے۔ وہ انہیں لیے ہوئے ایک گلی میں داخل ہوتے ہیں۔

عتبہ[۱۱۲] چھپ چھپ کر ان کے پیچھے آ رہا ہے۔ جناب محمدؐ ایک مکان کا دروازہ کھٹکھٹاتے ہیں۔ ایک نحیف و نزار بڑھیا باہر آتی ہے۔ آپؐ اس کے ہاتھ میں ایک تھیلی تھما دیتے ہیں۔ اور اس کی تحسین سے بے نیاز آگے بڑھ جاتے ہیں۔ عتبہ غور سے دیکھتا اور چونک اٹھتا ہے۔

"اوہ ـــــ یہ تو قیس کا گھر ہے۔ جو حربِ فجار میں ہلاک ہو گیا تھا۔
یہاں اس کے چھوٹے چھوٹے بچے اور مریضہ ماں رہتی ہے۔ جس کا کوئی پرسانِ حال نہیں ہے۔"

وہ جناب محمدؐ کے تعاقب میں دبے پاؤں چلتا رہتا ہے۔ چند قدم جانے کے بعد آپؐ ایک دروازہ پر دستک دیتے ہیں۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک بوڑھا اپاہج باہر آتا ہے۔ اس کی آنکھیں اندر کو دھنسی ہوئی ہیں۔ گال پچک گئے ہیں۔ رنگ زرد ہے۔ ہاتھوں میں رعشہ ہے۔ عتبہ نے دیکھا کہ جناب محمدؐ دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کرنے کے بعد ایک تھیلی دے کر آگے بڑھ جاتے ہیں۔ بوڑھے کے لب ہلتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ دعائیں دے رہا ہے۔ جناب محمدؐ تھوڑی دور جانے کے بعد ایک چوک سے آگے گزرتے ہیں۔ جہاں چند بچے کھیل رہے ہیں۔ انہوں نے دھول اڑا اڑا کر اپنے

تمام کپڑے اور ہاتھ منہ گرد آلود کر لیے ہیں۔ وہ دیکھنے میں میلے کچیلے نظر آتے ہیں۔ ان کے کپڑے بھی چکیٹ ہو رہے ہیں۔ انہوں نے جنابِ محمدؐ کو آتے ہوئے دیکھ لیا ہے۔ ایک بچہ زور سے پکار اٹھتا ہے۔

"وہ آگئے۔ وہ آگئے۔ محمدؐ آگئے۔"

اس پر تمام بچے جنابِ محمدؐ کی طرف بھاگتے ہیں۔ کوئی آپؐ کی ٹانگوں سے چمٹ جاتا ہے۔ کوئی عبا کا دامن تھام لیتا ہے۔ کسی کا ہاتھ آپؐ کے بازو کو چھوتا ہے۔ کوئی تھیلیاں ٹٹولتا ہے۔ یہ سب مفلس و قلاش والدین کے بچے ہیں۔ ان میں کئی یتیم بھی ہیں۔ ایسے گندے بچوں سے عتبہ کو ہمیشہ سے نفرت رہی ہے۔ وہ مفلس و نادار والدین کی شکل سے بیزار رہتا ہے۔ ان بچوں کے لیے اس کے دل میں کوئی ہمدردی نہیں۔ لیکن اسے یہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ جنابِ محمدؐ کسی کو چومتے ہیں۔ کسی کو تھپکی دیتے ہیں۔ کسی کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرتے ہیں۔ اور تھیلیاں باری باری سب بچوں میں تقسیم کر دیتے ہیں۔ بچے خوشی سے شور مچاتے ہوئے اپنے گھروں کو بھاگتے ہیں۔ جنابِ محمدؐ واپس لوٹتے ہیں تو راہ میں عتبہ سے ملاقات ہو جاتی ہے لیکن آپؐ کا چمکتا ہوا چہرہ جس پر اطمینانِ قلب کی لہریں ہویدا ہیں عتبہ کی زبان گنگ کر دیتا ہے۔ اور وہ کچھ کہے سنے بغیر چپ چاپ آگے بڑھ جاتا ہے۔

"ہونہہ تو یہ بات ہے۔ وہ زیر لب بڑبڑاتا ہے شکر ہے ابوطالب کا بھتیجا دولت کی قدر نہیں جانتا۔ اور اسے سنگریزوں کی طرح بیواؤں اور یتیموں میں تقسیم کر رہا ہے۔ ورنہ اس سے بڑھ کر مکہ میں کوئی متمول نہ ہوتا۔ تجارت میں اس نے وہ نام پیدا کیا ہے کہ گاہک ناک کی سیدھ میں اس کی دکان پر آتے ہیں۔ اگر یہ بھی اپنے چچا ابولہب عباس یا حمزہ کی طرح دولت کا قدر شناس ہوتا تو اس نوعمری میں ہی مکہ کا سب سے بڑا سرمایہ دار ہوتا۔"

جنابِ محمدؐ کا دل غریبوں کے لیے دھڑکتا ہے۔ انہیں دوسروں کے دکھ

کا احساس بے چین رکھتا ہے ۔ اس لیے محتاجوں کو اپنے سرمایہ میں شامل کرکے انہیں
راحت محسوس ہوتی ہے ۔

۲۶

اسی بازارِ عکاظ میں جناب محمدؐ نے پہلوانوں کے اکھاڑے کو دیکھا ہے۔ جہاں عمر[113] بن خطاب۔ خالد[114] بن ولید اور حمزہ جیسے مکہ کے پہلوانوں نے بڑی بڑی کشتیاں جیتی ہیں۔ یہیں آپؐ نے رکانہ[115] اور ابو الاسود[116] جمحی جیسے عرب کے مشہور پہلوانوں کو کشتی لڑتے دیکھا ہے۔

اسی بازار میں آپؐ نے شہسواری اور نیزہ بازی کے کرتب دیکھے ہیں۔ یہیں اپنے چچاؤں عباس اور حمزہ کو میدان مارتے دیکھا ہے۔ اس بازار میں آپؐ نے شاعروں کی لن ترانیاں سُنی ہیں۔ لیکن اس سے آگے قدم تک نہیں بڑھایا ہے۔ کیونکہ وہاں رقص و سرود اور داستان گوئی کا بازار گرم رہتا ہے۔

اس بازار میں آپؐ نے بازی جیتنے والوں کو ضیافتوں میں دولت لٹاتے دیکھا ہے۔ یہیں ہارنے والے انتقام کی آگ میں جل رہے ہیں۔ اسی جگہ کو خاندانی تفاخر کی خاطر خون کی لکیروں سے رنگین کیا گیا ہے۔ یہاں شراب و شاہد کے فتنے شعلۂ جوالہ میں تبدیل ہو رہے ہیں۔ جس نے کئی گھرانوں کو خاک کر دیا ہے۔ لیکن جناب محمدؐ کو ان سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ عیش و نشاط ہو یا حسد و انتقام فخر و غرور ہو یا تذلیل و توہین ——— جناب محمدؐ ان سب سے بے نیاز ہیں۔ ان کی جوانی کا رُخ عافیت کی طرف ہے۔ تخریب کی جانب ان کے قدم ہی نہیں اُٹھتے۔

بازارِ عکاظ کا یہ تاجر سب سے انوکھا۔ سب سے اعلیٰ اور سب سے برتر ہے۔

جس کی گفتار میں کلیوں کی مہک ـــــ رفتار میں سبزے کی لہک ، اطوار میں ہیرے کی چمک، اور کردار میں سچے موتیوں کی دمک ہے۔

اسی بازار میں عبداللہ بن ابی الحمساء آپؐ سے معاملہ طے ہو جانے کے بعد کہتا ہے۔

"محمدؐ ـــــ آپؐ یہیں ٹھہریں۔ میں تھوڑی دیر میں آتا ہوں۔"

آپؐ وہیں ٹھہر جاتے ہیں۔ عبداللہ اپنے کسی کام کی وجہ سے چلا جاتا ہے کاروبار کی مصروفیت بعض اوقات اس قدر محویت طاری کر دیتی ہے کہ انسان اپنے گرد و پیش تک سے بے خبر ہو جاتا ہے۔ ذہن پر ایسی دُھن سوار ہو جاتی ہے کہ بہت سی ضروری باتوں کا دھیان تک نہیں رہتا۔ عبداللہ بھی اسی کیفیت سے دوچار ہو گیا ہے۔ اسے جنابِ محمدؐ سے کیے ہوئے وعدہ کا خیال تک نہیں رہا۔ اس واقعہ کو یکسر بھول گیا ہے۔ اور اسی عالم میں تین دن گزر گئے ہیں۔ ایک روز ذرا فراغت ہوتی تو کتابِ ماضی کے اوراق الٹنے لگا۔ بھولی بسری باتیں اکثر اوقات فرصت میں ہی یاد آتی ہیں۔ عبداللہ کے تحت الشعور سے ایک تصویر ابھری اور شعور کے پردوں پر اس کے نقوش رقم ہو گئے۔ وہ یکایک چونک اٹھا۔

"اوہ ـــــ یہ کیا ہوا!" اس نے زیرِ لب کہا۔

"میں نے محمدؐ سے سودا طے کیا تھا۔ اور تھوڑی دیر میں واپس آنے کا وعدہ کر کے چلا آیا تھا۔ آج تین دن گزر چکے ہیں۔ میں اس کو بالکل ہی بھول گیا ہوں۔ وہ بھی کیا سوچتے ہوں گے کہ عبداللہ کو اپنے وعدے کا پاس نہیں۔"

یہ سوچ کر وہ بازارِ عکاظ کی طرف روانہ ہونے کا ارادہ کرتا ہے۔

"کیا محمدؐ وہاں موجود ہوں گے؟" اس نے سوچا۔ "مجھے امید نہیں ہے۔ ان کا سامان تو فروخت ہو چکا تھا۔ پھر وہاں ٹھہرنا بے معنی ہے۔"

اس نے چند قدم بڑھاتے ہوں گے کہ ایک خیال بجلی کی مانند اس کے ذہن میں

کوندا اٹھا۔

"اگر محمدؐ وہاں نہ ہوتے تو ضرور میرے پاس آتے۔ اور مجھے وعدہ یاد دلاتے۔ وہ یقیناً وہیں ہیں۔ انہیں اپنے وعدے کا پاس ہے۔ آج تک کسی نے انہیں اپنے قول و قرار سے پھرتے نہیں دیکھا۔ سادق کہلاتے ہیں۔ اور مکہ کے ہر شخص کو اس کا اعتراف[۱۱۸] ہے۔ ہو نہ ہو وہ ضرور وہیں ہونگے!"

عبداللہ کی رفتار میں تیزی آجاتی ہے۔ وہ جلد جلد قدم اٹھاتا ہوا بازارِ عکاظ کی طرف روانہ ہو جاتا ہے۔ اور مقررہ جگہ پر پہنچ کر دیکھتا ہے کہ جنابِ محمدؐ وہاں بدستور موجود ہیں۔ ندامت سے اس کا سر جھک جاتا ہے۔ پیشانی عرق آلود ہو جاتی ہے۔ وہ آگے بڑھ کر ایک مجرم کی طرح کہتا ہے۔

"محمدؐ۔ مجھے بے حد افسوس ہے کہ میں وقت پر نہ پہنچ سکا۔ دراصل میں اس معاملہ کو یکسر بھول گیا تھا۔ مجھے معاف کر دو۔"

حضورؐ اس کی طرف شفقت سے دیکھتے اور نہایت بردباری اور ملائمت سے فرماتے ہیں۔

"عبداللہ۔ تم نے مجھے مشقت[۱۱۹] میں مبتلا کیا ہے۔ میں تین دن سے متواتر تمہارے انتظار میں رہا ہوں۔"

عبداللہ آپؐ کا ہاتھ تھپتھپاتے ہوئے کہتا ہے۔

"پیارے محمدؐ۔ تم کتنے اچھے ہو۔ لوگ سچ کہتے ہیں۔ تم واقعی امین اور سادق ہو۔"

عبداللہ اب جنابِ محمدؐ کی صداقت اور امانت کا نقیب بن چکا ہے۔ اور یہ آواز کوچہ و بازار سے نکل کر دُور دُور تک پھیل جاتی ہے۔ فضا مسکراتی ہے۔ اور نسیم سحر کے جھونکے وادیٔ مکہ سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں۔

"اے مکہ تجھے مبارک ہو۔ تیری سرزمین پر وہ صادق اور امین موجود ہے۔ جس کے لیے آج سے تقریباً ساڑھے پانچ سو سال پیشتر ابن برہم[۱۲۰]

نے کہا تھا۔ "مجھے تم سے اور بھی سی باتیں کہنا ہیں لیکن اب تم ان کی برداشت نہیں کر سکتے۔ لیکن جب وہ (یعنی سچائی کی روح) آئے گا تو تم کو سچائی کی راہ دکھائے گا۔"

"میری اور بہت سی باتیں ہیں کہ میں تمہیں کہوں۔ پر تم برداشت نہیں کر سکتے۔ لیکن جب وہ فارقلیط (احمدؐ) آئے گا تو سچائی کی ساری راہیں بتا دے گا۔"

اے مکہ تیری چھاتی پر اس برگزیدہ جوان کے نقوشِ پا ثبت ہیں جس کے لیے یوحنا[۱۲۱] نے اپنے مکاشفہ میں کہا تھا۔

"پھر میں نے آسمان کو کھلا دیکھا۔ اور دیکھو ایک نقرئی گھوڑا اور اس کا سوار امانت دار اور سچا کہلاتا ہے اور وہ راستی سے عدالت کرے گا۔"

دیکھو۔ اے وادیٔ مکہ آج وہ صادق اور امین تجھ پر چلتا پھرتا ہے۔

اے سرزمین مکہ۔ کیا تجھے معلوم ہے کہ ایک روز خود خدائے ذوالجلال تیری[۱۲۲] قسم کھائے گا کہ تجھ پر محمدؐ موجود ہیں۔

اے وادیٔ مکہ۔ تو مبارک ہے۔ ہم تیرے ذرّے ذرّے کو چومتے ہیں۔ آنکھوں سے لگاتے اور سر پر بٹھاتے ہیں۔ ہم جنابِ محمدؐ کے صدقے میں تیری بزرگی اور عظمت کے گیت گاتے ہیں۔"

۲۷

شہر کی گنجان آبادی میں بیشتر تجار اور امراء سکونت پذیر ہیں۔ ان کے مکانات دوسروں سے زیادہ عمدہ، کشادہ اور سامانِ آسائش و آرائش سے مزین ہیں۔ لیکن ان کے درمیان ایک بلند و بالا حویلی سب سے بڑھ کر جاذبِ نگاہ ہے۔ جس کے ساتھ ساتھ وسیع چار دیواری ہے۔ اس کے اندر متعدد اصطبل اور شتر خانے ہیں۔ جن میں لاتعداد اونٹ، گدھے اور گھوڑے موجود ہیں۔ اس چار دیواری کے اندر طرح طرح کے گودام ہیں۔ جو سامانِ تجارت سے تقریباً بھرپور ہیں۔ لونڈی غلاموں کے رہنے کے لیے الگ الگ اقامت گاہیں بھی ہیں۔ ان سب چیزوں کی بہتات ثابت کرتی ہے کہ اس حویلی کا مالک یقیناً کوئی صاحبِ ثروت ہے۔

سامنے دالان میں چوکی پر ایک معزز خاتون جلوہ افروز ہے۔ چہرے پر ملکوتی وقار ہے۔ گفتگو بارعب شخصیت کی آئینہ دار ہے۔ عمر تقریباً سینتیس سال ہے۔ لیکن صحت و تندرستی میں دلکشی کی جھلک نظر آتی ہے۔ اس کے سامنے چند کنیزیں ہیں۔ اور ایک ادھیڑ عمر کا حبشی غلام دکھائی دیتا ہے۔ جس کے چہرے پر فہم و فراست کے آثار ہیں۔ وہ مؤدب کھڑا ہے اور مالکن کہہ رہی ہے۔

"میسرہ[۱۲۳]۔ شام کی طرف جانے والا قافلہ کب روانہ ہوگا۔"

میسرہ "مالکن حضور۔ ہفتہ عشرہ تک روانہ ہو جائے گا۔"

مالکن "تم نے سامان فراہم کر لیا ہے؟"

میسرہ "جی مالکن حضور۔ یہاں سے جو مال شام جاتے گا وہ سب تیار ہے
اور وہاں سے لانے والے سامان کی فہرست بھی تیار ہو چکی ہے
بس قافلہ کے روانہ ہونے کی دیر ہے۔"

مالکن۔ (تھوڑی دیر سوچنے کے بعد) "میرا ارادہ ہے کہ اس دفعہ تمہارے
ساتھ کسی نئے گماشتے کو بھیجوں۔ تمہارا کیا خیال ہے؟"

میسرہ۔ "مالکن حضور کی مرضی ——"

مالکن۔ "میں کافی عرصہ سے ابوطالب کے بھتیجے کے متعلق سن رہی ہوں۔ ا
دیانت اور امانت کا شہرہ دور دور تک پہنچ چکا ہے۔"

میسرہ "مالکن حضور۔ آپ ٹھیک کہتی ہیں۔ مکہ کا ہر شخص اس نوجوان کی
خوبیوں کا معترف ہے۔ اس نے نفع بھی ہمیشہ سب سے زیادہ
ہے۔"

مالکن۔ "میں چاہتی ہوں اس دفعہ اپنا مال دے کر انہیں تمہارے ساتھ
بھیجوں۔ تمہاری کیا رائے ہے ——"

میسرہ "مالکن حضور۔ مجھے آپ کی رائے سے مکمل اتفاق ہے۔"

مالکن "تم جاؤ اور انہیں میرا پیغام پہنچا دو۔ اگر منظور کریں تو انہیں
ساتھ میرے پاس لے آؤ۔ تاکہ اس سلسلہ میں بات پکی کر لی جائے

میسرہ ادب سے سلام کر کے چلا جاتا ہے۔ اور مالکن کنیزوں سے با
چیت کرنے لگتی ہیں۔

یہ معزز خاتون خدیجہؓ[۱۲۴] ہیں۔ جن کے والد خویلد بن اسد بن عبد ا
بنی مخزوم کے معزز فرد اور مشہور تاجر ہیں۔

یہ خاتون اس سے پہلے عتیق بن عائذ[۱۲۵] بن عبد اللہ مخزومی سے بیاہی
لیکن عتیق جلد ہی انتقال کر گئے۔ اس پاکباز خاتون کے لیے بڑے بڑے
نے شادی کی درخواست کی لیکن ان کے والد خویلد نے بنی تمیم کے ایک

ان ابو ہالہ بن زرارہ[۱۲۵] کو پسند کیا۔ اور بیٹی کی شادی ان سے کر دی۔ جن سے ہالہ حارث
ہند تین لڑکے پیدا ہوئے۔ لیکن ابو ہالہ بھی جلد ہی داغِ مفارقت دے گئے۔ اور
معزز خاتون دوبارہ بیوہ ہو گئیں۔ ابھی وہ اس صدمہ سے سنبھلنے بھی نہ پائی تھیں
ان کے والد خویلد کا انتقال ہو گیا۔ اور وہ دوہرے غم میں مبتلا ہو گئیں۔

رفیقِ حیات کی وفات کا غم ہی کیا کم تھا کہ یہ پاکباز خاتون اسے بھلا دیتیں، لیکن
کی موت نے اس زخم کو اور گہرا کر دیا۔ اور اب ان کی طبیعت پر سنجیدگی طاری
تی۔ اس لیے باوجود اچھی صحت اور مناسب عمر ہونے کے انہوں نے شادی کے
پیغام کو ٹھکرا دیا۔ اور اپنی توجہ شادی کے بجائے محتاجوں، بیواؤں اور یتیموں
دستگیری کی طرف مبذول کر دی۔ ان کی اس پاکدامنی، عفت اور شفقت کی وجہ
لوگ انہیں طاہرہ کے لقب سے یاد کرتے ہیں۔ وہ اپنا مال تجارت میں لگایا کرتی
اور منافع کا بیشتر حصہ مسکینوں کی امداد میں خرچ کر دیتی ہیں۔ میسرہ ان کا وفادار
نہایت زیرک غلام ہے۔ جو ان کے تمام گماشتوں کی نگرانی بھی کرتا ہے۔

جنابِ محمدؐ مالدار لوگوں کا سامانِ تجارت شام اور یمن لے جایا کرتے تھے۔
بڑھا کر کے لوٹاتے اور اپنا حق الخدمت وصول کر کے اسے محتاجوں کی امداد میں
ت کرتے تھے۔ آپؐ کی محنت اور دیانت کا شہرہ اس معزز خاتون نے کئی بار
نا۔ اور اب ارادہ کر لیا تھا کہ اپنا مالِ تجارت ان کے سپرد کر دیں۔ چنانچہ میسرہ سے
لاح مشورے کے بعد آپؐ کو بلایا گیا۔

خدیجہؓ اپنی کنیزوں سے بات چیت میں محو تھیں کہ میسرہ نے آکر محمدؐ کے آنے
کی اطلاع دی۔ آپؐ کو اندر بلا لیا گیا۔ جب آپؐ اندر تشریف لائے تو خدیجہؓ نے دیکھا کہ
ایک باوقار اور خوبصورت نوجوان نہایت صاف ستھرے لباس میں آ رہا ہے۔ جس کی
رفتار میں وقار اور چہرے پر حیا کے آثار ہیں اور پیشانی پر ایک نور[۱۲۶] جھلکتا ہوا نظر آتا ہے۔
سنبھل کر بیٹھ گئیں۔

محمدؐ نے سلام کے بعد گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے کہا۔

"آپ نے مجھے یاد کیا ہے"

"ہاں" خدیجہؓ بولیں "میں چاہتی ہوں کہ آپؐ میرا تجارتی سامان لے کر شام جائیں اور وہاں سے ضروری سامان خرید کر لائیں۔ آپؐ کو اس کے صلے میں دوسروں سے زیادہ معاوضہ دیا جائے گا۔ کیونکہ میں نے آپؐ کی دیانت اور ذہانت کی بہت تعریف سُنی ہے"

محمدؐ۔ "مجھے منظور ہے۔"

خدیجہؓ۔ "میسرہ۔ میرا غلام آپؐ کے ہمراہ ہوگا۔"

محمدؐ۔ "یہ میرے لیے خوشی کی بات ہوگی۔"

خدیجہؓ۔ (میسرہ سے مخاطب ہو کر) "میسرہ تم ان کے ساتھ جاؤ اور تیاری شروع کر دو۔ تاکہ قافلہ وقت مقررہ پر شام کی طرف روانہ ہو سکے۔"

محمدؐ چلے گئے۔ خدیجہؓ آپؐ کی شیریں بیانی سے بے حد متاثر ہوئیں۔

"اس عمر میں یہ حیا، ذہانت اور شیرینی ——— میں نے یہ سب باتیں آج تک کسی گماشتے میں نہیں پائیں۔ یہ نفاست پسند نوجوان کس قدر سادہ اور فہیم ہے۔"

خدیجہؓ کچھ دیر تک جناب محمدؐ کے متعلق سوچتی رہیں۔

۲۸

سہ پہر کا وقت ہے۔ چند نفوس پر مشتمل ایک قافلہ اپنی منزل کی طرف رواں دواں ہے۔ اس میں قبیلۂ کلب کے حارث بن شرجیل کی بیوی سعدیٰ[۱۲۵] بنت ثعلبہ۔ جو قبیلۂ طے کی شاخ بنی معن سے ہے، اپنے آٹھ سالہ بچے زید کے ساتھ موجود ہے۔ جب یہ قافلہ ایک گھاٹی سے گزرتا ہے۔ تو سامنے سے چند رہزن ناگہاں وارد ہوتے ہیں۔ اور ان کو سنبھلنے کا موقعہ دیئے بغیر لوٹ مار کا بازار گرم کر دیتے ہیں۔ جب چھینا جھپٹی اور شور و غوغا کا یہ ہنگامہ فرو ہوتا ہے تو سعدیٰ یہ دیکھ کر بے ہوش ہو جاتی ہے کہ سامان کے ساتھ ساتھ اس کا بیٹا زید[۱۲۶] بھی غائب ہے۔ اس کے منہ پر پانی کے چھینٹے مارے جاتے ہیں اور جب ذرا ہوش آتا ہے تو بیچاری چلا اٹھتی ہے۔

"ہائے میرا زید ——— ہائے میرا نورِ نظر۔ ڈاکو اسے بھی لے گئے۔ آہ میری دنیا اندھیر ہو گئی۔ میں کیا کروں۔ کہاں جاؤں۔ مجھ دکھیاری کا اب کیا ہو گا۔ حارث کو کیا منہ دکھاؤں گی۔"

قافلہ میں چند آوازیں بلند ہوتی ہیں۔

"سعدیٰ صبر کرو۔ اب کیا ہو سکتا ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتیں کہ زید کے ساتھ اور کئی آدمی بھی غائب ہیں۔"

بدنصیب ماں روتی دھوتی اور بین کرتی ہوئی قافلہ کے ہمراہ چل دیتی ہے۔ یہ رہزن بنی قیس بن جسر کے آدمی تھے۔ جو ان غلاموں کو بازار عکاظ میں بیچنے کے

پیسے لے گئے۔

ظالم اور جاہل لوگ اسی طرح بے گناہوں، کمزوروں اور مسافروں پر حملے کرتے اور سامان کو لوٹنے کے ساتھ ساتھ عورتوں اور مردوں کو لونڈی غلام بنا کر مختلف منڈیوں میں بیچ دیتے تھے۔ اگرچہ اس ظلم کے خلاف وقتاً فوقتاً آوازیں بھی اٹھتی تھیں۔ مگر اس کے انسداد کے لیے کوئی مناسب طریقہ موجود نہ تھا۔ اکثر لڑائیاں ہوتیں۔ گھرانے تباہ ہوتے اور مفتوح قبیلہ لونڈی غلام بن کر رہ جاتا۔ منڈیوں میں ان کے منہ مانگے دام ملتے۔ تندرستی، بدن کی مضبوطی، صورت کی دلکشی اور کسی ہنر میں استعداد وغیرہ ایسی خوبیاں تھیں جن سے قیمتوں میں اضافہ ہوتا۔ خریدار ان سے من مانے کام لیتے۔ اور جو سلوک چاہتے کرتے تھے۔ یہ بے چارے ظلم اور مشقت برداشت کرتے۔ لیکن اُف تک نہ کر سکتے تھے۔ لونڈیوں سے قحبہ گری کا کام کرایا جاتا۔ اور اس کمائی سے خریدار مالا مال ہو جاتے تھے۔ بعض خوبصورت اور نوجوان عورتوں کو گانے اور ناچنے کی تربیت دی جاتی۔ تاکہ ان کی کمائی میں اضافہ ہو۔ اور اگر فروخت کرنے کی نوبت آئے تو بھاری قیمت وصول ہو سکے۔

عکاظ کی منڈی میں لونڈی غلام فروخت ہو رہے ہیں۔ خریداروں میں خدیجہؓ کے بھتیجے حکیم بن حزام بھی شامل ہیں۔ ان کی نگاہ میں آٹھ سال کا بچہ زیدؓ کھب جاتا ہے۔ اسے معقول قیمت دے کر خرید لیتے ہیں۔ اور گھر لا کر اپنی پھوپھی خدیجہؓ کو بطور تحفہ[13] پیش کرتے ہیں۔ خدیجہؓ زید سے شفقت کا اظہار کرتی ہیں۔ ان کے سینے میں ماں کا دل دھڑکتا ہے۔ ان کے بچے ہالہ، حارث اور ہند بھی موجود ہیں۔ وہ زید کو دیکھ کر آہ بھرتی اور کہتی ہیں۔

"یہ بھی کسی ماں کا لاڈلہ ہے۔ آہ بے چاری اس کے غم میں کس طرح گھلتی جا رہی ہو گی۔"

زید کو اس گھر میں آجانے کے بعد ماں کا پیار مل گیا ہے۔ اور فطرت[14] پکار پکار کر کہہ رہی ہے۔

"پیارے زید۔ گھبرانے کی کوئی بات نہیں ہے۔ یہاں تمہیں ماں کا پیار اور باپ کی شفقت ملے گی۔ اس گھر سے پیار کے وہ ازلی اور ابدی سوتے پھوٹنے والے ہیں، جن سے سیر ہو کر تم اپنے ماں باپ کو بھول جاؤ گے۔ اس گھر سے رحمت کی گھٹا اٹھنے والی ہے۔ جو سارے جہان کو اپنی لپیٹ میں لے لے گی۔ تم خوش نصیب ہو جو یہاں پہنچ گئے ہو۔"

۲۹

مکہ سے شام ایک ماہ کی مسافت پر ہے۔ قافلے کو گئے ہوئے تقریباً اڑھائی ماہ گزر چکے ہیں۔ ایک روز جب کہ دن ڈھلے ابھی تھوڑی دیر گزری تھی خدیجہؓ اپنے بالاخانے پر آئیں، اور شام کی طرف جانے والی رہگذر کی طرف لاشعوری طور پر نظریں گاڑ دیں۔ انہیں دُور سے ایک شتر سوار آتا ہوا دکھائی دیا۔ وہ ٹکٹکی باندھے اسے دیکھنے لگیں۔ اونٹ کی رفتار بہت تیز تھی اور سوار نہایت مضبوطی سے اس پر جما بیٹھا تھا۔ جوں جوں سوار قریب آتا گیا۔ خدیجہؓ کا شک یقین میں تبدیل ہوتا گیا۔

"اوہ۔ یہ تو محمدؐ ہیں۔" انہوں نے چونکتے ہوئے کہا۔

ان کا چہرہ اس قدر طویل سفر کے باوجود کس قدر روشن اور پُرسکون ہے"

وہ بالاخانے سے نیچے آگئیں۔ اتنے میں محمدؐ بھی پہنچ گئے۔ انہوں نے اونٹ کو شترخانے میں بٹھایا۔ اور ایک کنیز کے ذریعے اپنی آمد کی اطلاع بھجوائی۔

خدیجہؓ اس عرصہ میں خود ہی وہاں پہنچ جاتی ہیں۔ اور نہایت مسرت آمیز لہجہ میں پوچھتی ہیں۔

"آپ آگئے۔"

"ہاں —— اللہ کا شکر ہے قافلہ بھی خیریت سے پہنچ گیا ہے۔ بس تھوڑی سی دیر میں یہاں آیا چاہتا ہے۔" محمدؐ نہایت پرسکون لہجے میں جواب دیتے ہیں۔

خدیجہؓ :- "آیئے۔ تشریف لایئے۔ ذرا سی دیر سستانے کے بعد آپؐ کو گھر جانے کی اجازت ہوگی۔"

یہ کہہ کر خدیجہؓ اپنی ایک کنیز کو شربت لانے کا حکم دیتی ہیں۔ اور خود دالان میں پہنچ کر محمدؐ کو ایک بڑی سی چوکی بیٹھنے کے لیے پیش کرتی ہیں۔ اسی اثنا میں کنیز شربت لے کر حاضر ہو جاتی ہے۔ آپؐ دائیں ہاتھ سے کٹورا تھام کر بسم اللہ کہتے اور تھوڑا تھوڑا وقفہ دے کر شربت پی لیتے ہیں۔ خدیجہؓ آپؐ کے اس باوقار انداز سے بے حد متاثر اور محظوظ ہوتی ہیں۔ شربت پینے کے بعد محمدؐ پوچھتے ہیں۔

"اگر آپ کہیں تو خرید و فروخت کا حساب ابھی پیش کر دوں۔"

خدیجہؓ :- "نہیں۔ نہیں اتنی جلدی کی کوئی بات نہیں ہے۔ پہلے آپؐ اپنے عزیزوں سے ملیں۔ انہیں آپؐ کا بہت انتظار ہے۔ حساب کتاب کل پر چھوڑ دیں۔"

محمدؐ اظہارِ تشکر کے بعد اپنے گھر کی طرف چل دیتے ہیں۔ اور خدیجہؓ تھوڑی دیر تک کچھ سوچتی رہتی ہیں۔ پھر میسرہ کے انتظار میں بالاخانے پر پہنچ جاتی ہیں۔

سہ پہر ختم ہونے کو ہے۔ قافلے کی گھنٹیاں سنائی دیتی ہیں۔ خدیجہؓ کے لونڈی غلام اپنی مالکن کے حکم پر قافلے کے استقبال کے لیے دروازہ کے باہر کھلے میدان میں جمع ہو جاتے ہیں۔ اونٹوں کی ایک قطار قافلے سے جدا ہو کر خدیجہؓ کے مکان کی طرف آرہی ہے۔ ان پر سامان لدا ہوا ہے۔ سامنے والے اونٹ پر میسرہ سوار ہے۔ اس قطار کو خدیجہؓ کے مکان کے سامنے والے میدان میں بٹھا دیا جاتا ہے۔ اور لونڈی غلام سامان اتارنے اور اسے گوداموں میں تہ در تہ لگانے میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ خدیجہؓ ان سب کو نہایت مستعدی سے کام کرتے ہوئے دیکھ کر فرحت محسوس کرتی ہیں۔ غروبِ آفتاب تک سارا سامان گوداموں میں جمع ہو جاتا ہے۔ اور اونٹ شتر خانے میں داخل کر دیئے جاتے ہیں۔

شام گہری ہو چکی ہے۔ گھر پہنچ کر میسرہ کی تھکن تازگی اور کوفت شگفتگی میں تبدیل

ہو گئی ہے۔ وہ ابھی ستانے اور کھانے سے فارغ ہوا ہے۔ اتنے میں ایک کنیز آکر مالکن کا پیغام دیتی ہے۔ اور اسے جلد ہی مالکن کی خدمت میں حاضر ہونا پڑتا ہے۔ وہ نہایت مؤدبانہ انداز میں سلام عرض کرنے کے بعد کہتا ہے۔

"مالکن حضور، آپ کو مبارک ہو۔ قافلہ خیریت سے پہنچ گیا ہے۔"

خدیجہؓ اظہارِ مسرت کے بعد کہتی ہیں۔

"مَیں نے تمہیں اس لیے جلدی بلایا ہے کہ تم سے سفر کی داستان سنوں۔ کیونکہ اس دفعہ تمہارے ساتھ محمدؐ گئے تھے۔ اگر کوئی دوسرا گماشتہ ہوتا تو شاید اس قدر اشتیاق نہ ہوتا۔"

میسرہ ایک چٹائی پر بیٹھا ہوا ہے۔ خدیجہؓ بڑی سی چوکی پر تشریف رکھتی ہیں۔ دو کنیزیں مالکن کی خدمت میں حاضر ہیں۔ ہالہ اور ہند بھی اپنی پاکباز ماں کے پاس چوکی پر موجود ہیں۔ انہیں بھی میسرہ کی زبانی سفر کی نئی نئی باتیں سننے کا اشتیاق ہے۔ مالکن کا حکم ملتے ہی میسرہ نہایت روانی سے یہ دلچسپ داستان سناتا ہے۔

"مالکن حضور۔ آپ کو اس سفر کے واقعات سننے کا جس قدر شوق ہے مجھے خود یہ رُوداد سنانے کی اس سے کہیں زیادہ بے تابی تھی لیکن مَیں اس انتظار میں تھا کہ آپ مجھے بلائیں تو حاضر ہو جاؤں۔ اور بہت سی باتیں آپ کے گوش گزار کروں۔"

خدیجہؓ "ہاں۔ ہاں۔ کہو۔ مجھے تو خود اس کا انتظار ہے۔"

میسرہ "مالکن حضور مجھے مدتوں سے آپ کی خدمت کرنے کا شرف حاصل ہے۔ اور اس عرصہ میں طرح طرح کے گماشتوں، تاجروں، گاہکوں اور انسانوں سے واسطہ پڑا ہے۔ مَیں نے عجیب و غریب مشاہدات کا لطف اٹھایا ہے۔ گوناگوں تجربات حاصل کیے ہیں۔ حتیٰ کہ اب یہ بال سفید ہو چکے ہیں۔ لیکن محمدؐ کی رفاقت میں جو کچھ دیکھا ہے وہ سب سے عجیب تر ہے۔ مَیں نے محمدؐ کو سفر کی صعوبتوں میں پُرسکون دیکھا ہے۔ انہیں مشکلات

ہی خندہ رو پایا ہے۔ ان کا چہرہ حزن و ملال سے مبرّا اور فکر و اندوہ سے ہمیشہ پاک رہا ہے۔ انہوں نے گاہکوں کے جھگڑوں اور خریداروں کے شور و شغب میں یکساں تحمل اور بردباری کا ثبوت دیا ہے۔

ان کی خاموشی میں وقار اور گفتگو میں دلکشی ہے۔ ان کی باتوں میں گھلاوٹ اور مٹھاس ہے۔ لوگوں کو سفر و حضر میں ٹھٹھا مخول کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ لیکن جناب محمدؐ کے منہ سے کبھی کوئی فضول بات نہیں نکلی۔ وہ صرف ضرورت کے وقت بولتے ہیں۔ ان کی گفتگو گویا موتیوں کی لڑی ہے۔ میں نے بے شمار گماشتوں کو دیکھا ہے۔ مگر محمد جیسی فہم و فراست ان میں کہاں۔ لوگ اگر انہیں امین و صادق کہتے ہیں تو حقیقت کا اظہار کرتے ہیں۔ مال کی نمائش، بھاؤ چکانے کا انداز، سامان کی پرکھ اور لین دین کی جو خوبی ان میں موجود ہے، اس کا تذکرہ شام کے بازاروں سے پوچھیے۔

میں نے ستاروں کو ان کی دید کا مشتاق پایا ہے۔ چاند کو اس کے لیے بیقرار دیکھا ہے۔ وہ دن کی روشنی میں حسین اور رات کی تاریکی میں حسین نظر آتے ہیں۔ میں نے انہیں مسکراتے ہوئے دیکھا ہے۔ بخدا ان کے موتی جیسے دانتوں سے نور کی شعاعیں نکلتی ہیں۔ ہوائیں جو ان کے قریب سے ہو کر گزرتی ہیں، معطر ہو جاتی ہیں۔ ان کے پسینے میں عجیب خوشبو ہے۔ جس اونٹ پر سوار ہوتے ہیں، اس کی رفتار بڑھ جاتی ہے۔ جو سودا طے کرتے ہیں، اس میں دوسروں سے کہیں زیادہ منافع ہوتا ہے۔

مالکن حضور۔ ان کے اٹھنے بیٹھنے، جاگنے سونے اور چلنے پھرنے میں کلیوں کی مہک اور سبزے کی لہک ہے۔ ان کی تدبیر میں پہاڑوں کی رفعت سوچ میں صحرا کی وسعت اور کردار میں گل تر کی نفاست ہے۔ ماحول کو ان سے تازگی اور معاملات کو شگفتگی ملتی ہے۔ وہ لاکھوں میں ایک ہیں آئندہ کے لیے آپ تجارت ان کے حوالے کر دیجیے۔ بس کاروبار چمک اٹھے گا۔"

میسرہ یہ کہہ کر خاموش ہو جاتا ہے۔ بچے متعجب ہیں۔ کنیزیں مبہوت کھڑی ہیں۔ اسی عالم میں کچھ دیر گزر جاتی ہے۔ پھر خدیجہؓ میسرہ سے مخاطب ہو کر کہتی ہیں۔

"محمدؐ بہت خوبیوں کے مالک ہیں۔ تم ان کے ساتھ سامانِ تجارت لے کر اب یمن جانے کے لیے تیار ہو جاؤ۔ بس نئے چاند کے پہلے عشرہ میں روانگی ہو گی۔"

میسرہ۔ "مالکن حضور کا حکم سر آنکھوں پر۔ اجازت ہو تو ایک نہایت ہی دلچسپ واقعہ بیان کر دوں۔"

خدیجہؓ۔ "ہاں۔ ہاں۔ کہو۔"

میسرہ۔ "جب ہم بصریٰ پہنچے اور ایک درخت کے سایہ تلے ٹھہرے تو اس خانقاہ کے راہب نسطورا نے مجھے بلا کر پوچھا۔ "یہ کون ہیں؟" میں نے کہا یہ بنو ہاشم کے گھرانہ کا ایک شریف النفس انسان ہے۔ نسطورا نے کہا۔ اس درخت کے نیچے نبی کے سوا کوئی نہیں ٹھہرتا۔ پھر اس نے مجھ سے محمدؐ کی آنکھوں کی سرخی کے متعلق پوچھا۔ اور جب میں نے بتایا کہ ان کی آنکھوں میں سرخ ڈورے ہمیشہ موجود رہتے ہیں۔ تو بولا۔ یقیناً یہ نبی آخر الزماںؐ ہیں۔[۱۳۳]

خدیجہؓ عالمِ حیرت میں ہیں اور میسرہ خاموش کھڑا ہے۔ اسی حالت میں چند گھڑیاں گزر جاتی ہیں تو خدیجہؓ جیسے چونک اٹھی ہوں۔ میسرہ سے مخاطب ہو کر کہتی ہیں۔

"اب تمہیں جانے کی اجازت ہے۔"

میسرہ سلام کر کے اپنی اقامت گاہ کی طرف چل دیتا ہے۔ کنیزیں اس کے پیچھے پیچھے روانہ ہو جاتی ہیں۔ اور خدیجہؓ اپنے بچوں کے ساتھ خواب گاہ میں داخل ہو جاتی ہیں۔

دوسرے دن طلوعِ آفتاب کے بعد محمدؐ تشریف لاتے ہیں۔ خرید و فروخت کا حساب پیش کرتے ہیں اور اپنا معاوضہ لے کر جب رخصت ہونے لگتے ہیں تو خدیجہؓ کہتی ہیں۔

"یا محمدؐ۔ اب آپؐ یمن جانے کے لیے تیار رہیں۔ اگلے چاند کے پہلے عشرہ میں روانگی کا انتظام کر دیا جائے گا۔"

محمدؐ۔ "مجھے منظور ہے۔"

اس کے بعد آپؐ تشریف لے جاتے ہیں۔

خدیجہؓ سوچتی ہیں۔

"محمدؐ نوجوان ہیں۔ لیکن کس قدر پاکیزہ صورت اور نیک سیرت[۱۳۴] ہیں۔ ان کا دل مطمئن اور چہرہ پُرسکون ہے۔ کاش۔ میری زندگی میں خلا نہ ہوتا۔"

ان کے ذہن میں عتیق اور پھر ابو ہالہ کی تصویریں اُبھر آتی ہیں۔ ان کی رفاقت میں گزرے ہوئے دن یاد آنے ہیں۔ طبیعت اداس ہو جاتی ہے۔ اور قلب و نظر میں ویرانیاں سی رینگنے لگتی ہیں۔

۳۰

محمدؐ تجارت کا سامان لے کر یمن اور شام کے کئی سفر کر تے ہیں۔ اور ہر بار پہلے سے چند در چند منافع لا کر خدیجہؓ کو دیتے ہیں۔ ان کے تجارتی قافلوں نے مکہ کے تاجروں میں ہلچل سی ڈال دی ہے۔ میسرہ کے کام میں اضافہ ہو گیا ہے۔ زید گھر کے کام کاج میں ہاتھ بٹانے لگا ہے۔ محمدؐ کا معاوضہ بڑھ جانے کی وجہ سے ابو طالب کے رزق میں کشادگی آجاتی ہے۔ لیکن محمدؐ اب بھی مکہ کے محتاجوں، مسکینوں، بیواؤں اور یتیموں کو نہیں بھولے۔ ان کی دستگیری میں پہلے سے کہیں زیادہ سرگرم ہیں۔ ان کا ذاتی اثاثہ نقد و جنس کی بجائے اب بھی صدق و صفا ہے۔

انہیں خدیجہؓ کے کاروبار تجارت کو سنبھالے ہوئے دو برس گزر چکے ہیں۔ اس وقت ان کی عمر پچیس سال ہے۔ اور خدیجہؓ ان سے پندرہ سال بڑی ہیں۔ جب سے جنابِ محمدؐ نے ان کے کاروبار میں شرکت کی ہے وہ اکثر اوقات غیر ارادی طور پر ان کے متعلق سوچنے لگتی ہیں۔ اور سوچتے سوچتے بارہا مسکرا دیتی ہیں۔

"اوہ ـــ گردشِ لیل و نہار کے یہ طویل فاصلے" وہ سوچتے ہوئے اکثر چونک اٹھتی ہیں۔

"محمدؐ کے یہاں آجانے سے تجارت کو فروغ حاصل ہوا ہے۔ سرمایہ کی ریل پیل ہو گئی ہے۔ مجھے اس پر خوش ہونا چاہیئے تھا۔ لیکن یہ کیا ہوا۔ عتیق اور ابو ہالہ کی تصویریں بار بار دکھائی دیتی ہیں۔ وہ اس

سے پیشتر مجھے یوں کثرت سے کبھی یاد نہ آتے تھے۔ اب تنہائی کا احساس ہونے لگا ہے۔ میری زندگی میں خلا پیدا ہو گیا ہے۔ دنیا ویران سی دکھائی دیتی ہے۔

میرے لختِ جگر میری نظر کے سامنے ہیں۔ دولت کی کوئی کمی نہیں ہے۔ مکہ کے باہر بھی مجھے لوگ طاہرہ کہتے ہیں۔ عزت و احترام بھی حاصل ہے۔ پھر یہ اداسی کیوں؟

زندگی بے کیف سی کیوں محسوس ہونے لگی ہے۔"

آج بھی وہ اسی سوچ میں غلطاں ہیں کہ ان کی ایک سہیلی نفیسہ بنت علیہ[۱۳۵] یکایک آجاتی ہے اور انہیں یوں سوچ میں کھوتے ہوئے دیکھ کر کہتی ہے۔

"کیا بات ہے۔ کچھ پریشان سی دکھائی دیتی ہیں۔"

خدیجہؓ چونک کر کہتی ہیں۔ "کچھ نہیں۔"

نفیسہ "آپ کو یوں غور و فکر میں ڈوبے ہوتے اس سے پیشتر میں نے کبھی نہیں دیکھا تھا اس لیے تشویش سی ہو رہی ہے۔"

خدیجہؓ "نفیسہ ـــــ یوں تو کوئی خاص بات نہیں ہے۔ اللہ کا دیا سب کچھ ہے۔ لیکن اب کچھ عرصہ سے اپنی زندگی میں ایک عجیب قسم کا خلا محسوس کرتی ہوں۔"

نفیسہ "کیا محسوس کرتی ہیں آپ؟"

خدیجہؓ یوں معلوم ہوتا ہے۔ جیسے میں اس دنیا میں بالکل تنہا ہوں۔ اور اب تو مجھے مال و دولت سے بھی کوئی دلچسپی نہیں رہی ہے۔"

نفیسہ "عورتیں فطرۃً کمزور ہوتی ہیں۔ اس لیے کوئی سہارا دینے والا نہ رہے تو تنہائی شدت سے محسوس ہوتی ہے۔ بہن دولت بے شک بہت اچھی چیز ہے۔ لیکن اس سے دل کی بات تو نہیں کی جا سکتی۔ اور اللہ نے عورت اور مرد کو ایک دوسرے کا لازمی جزو بنایا ہے۔ اس لیے جب ایک جزو

جدا ہو جائے تو دوسرا یقیناً تنہائی محسوس کرتا ہے۔ اگر آپ کو اپنی زندگی میں
خلا کا احساس ہے تو یہ کون سی عجیب بات ہے۔"

خدیجہؓ "تمہاری باتوں سے تسکین سی ہو جاتی ہے۔"

نفیسہ "اگر بُرا نہ مانو تو ایک بات کہوں۔"

خدیجہؓ "ہاں۔ کہو۔ اس میں بُرا ماننے کی کون سی بات ہے۔ تم میری عزیز ترین
سہیلی ہو۔"

نفیسہ "شادی کر لیجیے۔ تنہائی کا احساس جاتا رہے گا۔"

خدیجہؓ "مگر۔۔۔"

نفیسہ ابھی تو آپ ماشاء اللہ جوان ہیں۔ چالیس سال کی عمر ہے تو کیا ہوا۔ اپنی
پسند کا رشتہ تلاش کر لیجیے۔"

خدیجہؓ کچھ کہنا ہی چاہتی ہیں کہ میسرہ اندر داخل ہوتا ہے۔ اس لیے آپ بات
کرتے کرتے رک جاتی ہیں۔ اور میسرہ دست بستہ عرض کرتا ہے۔

"مالکن حضور۔ یمن جانے والا قافلہ تیار کھڑا ہے۔ محمدؐ بھی آگئے
ہیں۔ اجازت دیجیے ہم روانہ ہو جائیں۔"

"خدیجہؓ۔ جاؤ۔ اللہ تمہارا حامی و ناصر ہو۔"

میسرہ سلام کر کے رخصت ہو جاتا ہے۔ اور نفیسہ بھی دوسرے دن کا وعدہ کر
کے چلی جاتی ہے۔

۳۱

صفیہؓ[۱۲۷] بنتِ عبد المطلب کی شادی حارث بن حرب بن امیہ سے ہو چکی تھی۔ لیکن اس کا جلد ہی انتقال ہو جانے کی وجہ سے صفیہؓ جوانی میں ہی بیوہ ہو گئیں۔ ان کے والد عبد المطلب نے بھی اپنی باحوصلہ اور قابلِ فخر بیٹی کی بیوگی سے پیشتر ہی وفات پائی تھی۔ اس لیے اب وہ میکے میں اپنی ماں کے پاس رہتی تھیں۔ کیونکہ جوان تھیں اور نہایت معزز گھرانے کی خاتون تھیں۔ اس لیے مختلف جگہوں سے شادی کے پیغام آنے لگے۔ لیکن ان کی ماں نے خدیجہؓ کے بھائی عوام بن خویلد کا رشتہ پسند کیا۔ عوام اور اس کا بھائی نوفل دونوں اپنے باپ خویلد کے کاروبار میں شریک تھے۔ جن کی تجارت کا سلسلہ دور دور تک پھیلا ہوا تھا۔ صفیہؓ کی شادی عوام سے ہو گئی۔ اور وہ خدیجہؓ کی بھاوج بن کر اس گھر میں آ گئیں۔

محمدؐ یمن کے تجارتی سفر سے واپس آ گئے۔ میسرہ نے اور کئی دلچسپ باتیں اپنی مالکن کو بتائیں۔ جس سے ان کی عظمت خدیجہؓ کے دل کی گہرائیوں تک نقش ہو گئی۔

محمدؐ کی زندگی اب ایک کھلی ہوئی کتاب کی مانند خدیجہؓ کے سامنے تھی۔ جس میں حسن و جمال کی رعنائیاں تھیں۔ اخلاق و سیرت کے نقش و نگار تھے۔ کردار کی خوشنما تحریر تھی۔ کام کی لگن کے نقشے تھے۔ مقصد کی رفعت کا رنگ تھا۔ جس کا ہر باب دلپذیر ہر صفحہ دلکش۔ ہر سطر دلنشین اور ہر عنوان دلفریب تھا۔ یہ وہ کتابِ ناطق تھی جس میں کھوٹ اور فریب کا شوشہ تک نہ تھا۔ جس کی عبارت جہالت کی تاریکیوں میں نور

کی کرن تھی۔ جس کے الفاظ میں مٹھاس اور گھلاوٹ تھی۔ جس میں قاری کے لیے پیامِ راحت تھا۔ مسافر کے لیے منزل کی نشاندہی تھی۔ اس میں دوست کے لیے اخلاص کی مہک تھی۔ یہ ایسی کتاب تھی جو دشمن کے لیے امن و آشتی کا آئینہ تھی۔ سرکشوں کے لیے عصائے موسیٰ اور غمزدوں کے لیے مرہمِ عیسیٰ تھی۔ محتاجوں، مسکینوں، بیواؤں اور یتیموں کے لیے پارس تھی۔ اس کا ہر عنوان بلاشبہ خالقِ اکبر کا شاہکار تھا۔

خدیجہؓ اس کتاب کے ایک ایک باب اور ایک ایک عنوان میں کھو گئیں۔ اس کا ایک ایک حرف اور ایک ایک صفحہ انہیں پکار پکار کر کہہ رہا تھا۔

"اے پاکباز خاتون۔ لوگ آپ کو طاہرہ کہتے ہیں۔ اور محمدؐ صادق و امین ہیں۔ آپ کے شوق اور محمدؐ کے ذوق میں یکسانی اور ہم آہنگی ہے۔ آپ کی اداسی کو محمدؐ کی رفاقت شادابی میں تبدیل کر سکتی ہے۔ یہ محمدؐ ہی کا نور ہے جو آپ کی تنہائیوں کو راحتوں سے منور کر سکتا ہے۔ آپ اگر اپنی زندگی میں خلا محسوس کرتی ہیں تو جنابِ محمدؐ کو ہمسفر بنا لیجئے۔ ان خلاؤں میں فرحت و انبساط کی کلیاں مہک اٹھیں گی۔

اے شہرِ مکہ کی قابلِ فخر خاتون۔ اس میں سوچنے کی کون سی بات ہے۔ محمدؐ کے انتظار میں کائنات کا ذرّہ ذرّہ صدیوں سے بیقرار رہا ہے۔ اسے آپ پر رشک ہے جو اس رُوحِ کائنات سے محوِ تکلم ہیں۔ اب اظہارِ مدعا آپ کی طرف سے ہوگا۔ ذرا ہمت کیجیے اور اپنی بے کیف زندگی کی داستان ان سے کہہ دیجیے۔ امنگوں کے چراغ جل اٹھیں گے۔ بہار کی ہوائیں چل پڑیں گی۔ مسرت کے پھول کھلیں گے۔ راحت کی خوشبو پھیلے گی۔ اور جب آپ کا نشیمن جنتِ ارضی بن جائے گا تو مکہ سے کوثر و تسنیم کی موجیں امنڈ کر ساری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لیں گی۔ اولادِ آدم کی روحیں کب سے کرب و اذیت میں تڑپ رہی ہیں۔ آپ ان کی چارہ سازی کے لیے محمدؐ کی رفیقہ بن جائیے۔ پھر دودھ اور شہد

کی نہریں بہہ نکلیں گی - اور مشرق سے مغرب تک بنی نوع انسان کی سیرابی
کا سامان ہمیشہ کے لیے مکمل ہو جائے گا۔
دیکھیے - فطرت خود اس کی منتظر ہے - آپ اس کی مشکل کشائی
کیجیے - "

خدیجہؓ نے ابو ہالہ کی موت کے بعد دوسری شادی کے متعلق کبھی سوچا تک نہ تھا۔
ان کی تمام تر توجہ تجارت پر مرکوز تھی - وہ خوشحال زندگی بسر کر رہی تھیں - دولت
کی ریل پیل نے انہیں ہر قسم کے تفکرات سے بے نیاز کر دیا تھا۔ اس لیے جذبات پر
سنجیدگی کی برف نے تہیں جما دی تھیں - ان کے لیے زندگی میں اب کوئی دلچسپی نہ رہی
تھی - لیکن جناب محمدؐ کا نور کچھ اس طرح چمکا کہ یہ برف آہستہ آہستہ پگھلتی گئی - اور
اس کی تہوں کے نیچے محبت کے کنول کھلنے لگے - محمدؐ سے دلچسپی بڑھتی گئی - زندگی بامقصد
محسوس ہوئی - ویرانی میں شادابی کا دیپ جگمگا اٹھا۔ دنیا پہلے سے کہیں زیادہ حسین نظر
آنے لگی - سوچ کے سوتے پھوٹ پڑے - اور انہوں نے ایک روز نہایت سنجیدگی سے
اس انقلاب کا جائزہ لینا چاہا لیکن کسی فیصلہ پر نہ پہنچ سکیں - اور ترجمانِ فطرت نے انہیں
یوں پریشان دیکھ کر کہا۔

"اے پاکباز خاتون - بے شک محمدؐ کا نہ باپ ہے نہ ماں - نہ بھائی
ہے نہ بہن - وہ اس بھری دنیا میں بالکل یکہ و تنہا ہیں - لیکن آپ نے دیکھا
ہے کہ مکہ کا ہر متنفس انہیں اپنا سمجھتا ہے - ان سے محبت کرتا ہے - وہ
ایسے دُرِ یتیم ہیں جس کی آب و تاب کے سامنے سب لعل و گوہر ہیچ ہیں۔ اگر
اس گھر میں ان کا اُجالا ہو جائے تو کائنات کا ذرہ ذرہ آپ کے قدم چوم
لے گا۔

اے شہر مکہ کی معزز ترین خاتون - آج محمدؐ کے پاس مال و زر کی کمی ہے۔
لیکن راحت تو مال و زر سے نہیں خریدی جا سکتی - اگر دولت ہی خوشیوں
کا پیغام لاتی ہے تو آپ اس قدر مال دار ہونے کے باوجود کیوں بے چین

اور مضطرب ہیں۔ محمدؐ نے دولت کو قابلِ اعتنا سمجھا ہی کب ہے۔ وہ تو اسے دوسروں کے لیے کماتے اور پھر یوں تقسیم کر دیتے ہیں۔ گویا درہم و دینار نہیں سنگریزے ہیں۔

سچ پوچھیے تو سب سے بڑی دولت خود محمدؐ کی رفاقت ہے۔ اور اگر وہ نصیب ہو گئی تو ارض و سما کی سب راحتیں آپ پر نثار ہوں گی۔

اے طاہرہ۔ بے شک آپ کی جوانی ڈھل گئی ہے۔ مگر اس میں تشویش کی کون سی بات ہے۔ یہ تو ڈھل کر ہی رہتی ہے۔ آپ کہتی ہیں محمدؐ پچیس سال کے جوان ہیں اور میں چالیس سال کی بیوہ ہوں۔ محمدؐ اس بیوہ کو کیوں کر قبول کریں گے جس کا شباب جا رہا ہے۔ آپ کہتی ہیں وہ کون ہے جس کی نظرِ التفات کنواریوں کا تعاقب نہیں کرتی۔ لیکن اے مقدس خاتون مکہ کے در و دیوار محمدؐ کی عصمت کی قسم کھاتے ہیں۔ زمان و مکان کا ہر لمحہ اور ہر گوشہ اس بات کا شاہد ہے کہ محمدؐ نے کبھی اس نہج پر سوچا ہی نہیں ہے۔ ان کی نگاہ گلِ تر سے بڑھ کر پاکیزہ اور شبنم سے زیادہ معصوم ہے۔ آپ ایسا کیوں سوچتی ہیں۔ خلوص میں یقیناً تاثیر ہے۔ جب ارادہ نیک اور مقصد بلند ہو تو مسافر کا ہر قدم اسے منزل سے قریب تر کر دیتا ہے۔ آپ محمدؐ کی ہمسفر ہو جایئے۔"

خدیجہؓ پر سکون کی کیفیت طاری ہو گئی۔ اور انہوں نے دوسرے دن اپنی بھاوج اور محمدؐ کی پھوپھی صفیہ بنت عبدالمطلب[۱۳۵] سے باتوں ہی باتوں میں پوچھا۔

"صفیہ بہن۔ محمدؐ شادی کیوں نہیں کر لیتے۔"

صفیہؓ "اس کا جواب تو ابو طالب ہی دے سکتے ہیں۔ مگر آپ کو اس کی فکر کیوں ہے؟"

خدیجہؓ "کچھ نہیں۔ میں نے یوں ہی آپ سے پوچھا تھا۔"

صفیہؓ "محمدؐ ہر لحاظ سے محمدؐ ہیں۔ اور ہر کسی کو اس کا اعتراف ہے۔ میں تو یہ جانتی ہوں کہ جو بھی ان کی دلہن بنے گی۔ اسے اپنی قسمت پر ہمیشہ ناز رہے گا۔ میں یہ باتیں

اس لیے نہیں کہہ رہی ہوں کہ وہ میرے بھتیجے ہیں۔ بلکہ یہ حقیقت ہے جو آپ سے بیان کر رہی ہوں۔"

خدیجہ رضؓ "کیا ان کے رشتے کی بات چیت کہیں ہو رہی ہے؟"

صفیہ رضؓ جہاں تک مجھے معلوم ہے ایسی باتیں ہو رہی ہیں۔ لیکن ابھی تک کہیں ہاں نہیں ہوئی ہے۔"

خدیجہ رضؓ "وہ جس طرح ظاہری حسن سے آراستہ ہیں اسی طرح باطنی خوبیوں سے مالا مال ہیں۔ ایسے پاکباز نوجوان کے لیے رشتوں کی کیا کمی ہے۔"

صفیہ رضؓ "دیکھیں یہ سعادت کس کے نصیب میں آتی ہے۔"

اس کے بعد گفتگو کا یہ سلسلہ منقطع ہو گیا اور صفیہؓ اپنے گھر چلی گئیں۔

۳۲

چاشت کا وقت ہے۔ خدیجہؓ اپنے تجارتی گوداموں کا معائنہ کر رہی ہیں۔ چند کنیزیں ہمراہ ہیں۔ میسرہ ہر چیز کی تفصیل بیان کر رہا ہے۔ اور خدیجہؓ ساتھ ہی ساتھ مناسب ہدایات دیتی جا رہی ہیں۔ اتنے میں ان کی سہیلی نفیسہ اندر داخل ہوتی ہے۔ خدیجہؓ ان کو دیکھ کر خوش ہو جاتی ہیں اور میسرہ کو سامان کی دیکھ بھال کا حکم دے کر خود نفیسہ کے ساتھ دالان میں آجاتی ہیں۔ جہاں ایک خوبصورت چوکی پر انہیں اپنے ساتھ ہی بٹھا لیتی ہیں۔ گفتگو کا آغاز خدیجہؓ کی طرف سے ہوتا ہے۔ جنہیں کئی روز سے نفیسہ کا انتظار تھا۔

خدیجہؓ "میں کئی روز سے تمہاری منتظر تھی۔ تم نے آنے کا وعدہ بھی کیا تھا۔ مگر تمہیں اس کا پاس نہ رہا۔"

نفیسہ "کچھ مصروفیت ہی ایسی تھی کہ نہ آسکی۔ ورنہ وعدہ بھی یاد تھا اور اس کا پاس بھی تھا۔ کہئیے تنہائی دور کرنے کا جو مشورہ میں نے دیا تھا۔ اس کے متعلق آپ نے کچھ سوچا ہے۔"

خدیجہؓ "سوچا تو ہے لیکن ـــــ"

نفیسہ "لیکن۔ کیا۔ آپ بات کرتے کرتے رُک کیوں گئی ہیں۔"

خدیجہؓ "کچھ بات ہی ایسی ہے۔"

نفیسہ "بات خواہ کیسی ہی کیوں نہ ہو۔ نفیسہ آپ کی مخلص سہیلی ہے۔ آپ اس پر اعتماد کر سکتی ہیں۔"

خدیجہؓ "نفیسہ تم واقعی مخلص ہو۔ مجھے تم سے مل کر خوشی ہوتی ہے لیکن ۔۔۔"

نفیسہ "لیکن ۔۔۔ دل کی بات بتانے سے گریز ہے۔"

خدیجہؓ "نہیں تو۔"

نفیسہ "بات کہنے کے لیے رازدار کی ضرورت ہوتی ہے۔ میں اسے خوب جانتی ہوں۔ لیکن جب تک آپ دل کی بات مجھ سے چھپاتی رہیں گی اداسی بڑھتی اور خوشی گھٹتی رہے گی۔"

خدیجہؓ "تم تو بضد ہو گئی ہو۔"

نفیسہ "بے شک۔ میں آپ کو ہنستے مسکراتے دیکھنا چاہتی ہوں۔ اس میں میری خوشی ہے۔ یہ کس طرح ممکن ہے کہ آپ مضطرب رہیں۔ اور میں خاموشی سے دیکھتی رہوں۔"

خدیجہؓ "میں نے تمہارے مشورے پر خوب غور کیا ہے۔ اس پر عمل کرنا بے شک مسرت و شادمانی کو دعوت دیتا ہے۔"

نفیسہ "پھر دیر کس بات کی ہے۔ اپنی پسند کا ذکر کیجیے۔ باقی سب کچھ مجھ پر چھوڑ دیجیے۔ پھر دیکھیے میں کیا کچھ کر گزرتی ہوں۔ مجھے معلوم ہے کہ مکّہ کے بڑے بڑے سردار اس سے پیشتر آپ کو کئی بار شادی کا پیغام دے چکے ہیں۔ مگر آپ نے تو اکیلا رہنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ اس لیے وہ خاموش ہو گئے۔ وہ کون ہے جسے آپ پسند کریں اور اسے انکار ہو۔"

خدیجہؓ "میری پیاری بہن۔ یہی تو مشکل درپیش ہے کہ جسے میں پسند کرتی ہوں اس کی طرف سے ایجاب و قبول کی امید بہت کم ہے۔"

نفیسہ "آپ نے انوکھی بات کہی ہے۔ بتائیے تو سہی وہ کون سا خوش نصیب ہے جسے آپ پسند کرتی ہیں۔"

خدیجہؓ "جو عمر میں مجھ سے پندرہ سال چھوٹا اور حسن و جمال میں ہزار درجہ بڑا ہے۔ جس کی طرف سب کی نگاہیں اٹھتی ہیں۔ لیکن اس کی نظروں کو سب ترستے

ہیں۔ جس کی شخصیت محبت اور شفقت کا نہایت میٹھا سمندر ہے۔
میں سوچتی ہوں کیا وہ تین بچوں کی بیوہ ماں کو قبول کریں گے۔"

نفیسہ "میں سمجھ گئی۔"

خدیجہؓ "اتنی جلدی۔"

نفیسہ "ہاں۔ آپ کا انتخاب لاجواب ہے۔"

خدیجہؓ "کس طرح۔"

نفیسہ "ابو طالب کے بھتیجے سے بڑھ کر اور کون ہو سکتا ہے۔"

خدیجہؓ "کیا تم سمجھتی ہو کہ وہ مجھے قبول کر لیں گے۔"

نفیسہ "اس جیسے پاکباز نوجوان کے لیے یہ کوئی اچنبھا نہیں ہے۔"

خدیجہؓ "کیا تم سچ کہتی ہو۔"

نفیسہ "آپ مجھ پر یقین کریں۔"

خدیجہؓ "تم کوشش کرو۔ یقین خود بخود ہو جائے گا۔"

نفیسہ "مجھے اپنے یقین کو آزمانے کی اجازت دیجیے۔"

خدیجہؓ "اللہ تمہیں کامیابی و کامرانی سے نوازے۔"

نفیسہ رخصت ہو جاتی ہے۔ اور خدیجہؓ دل ہی دل میں دعا کرتی ہیں۔

"اے سب معبودوں کے معبود تو دلوں کے بھید جانتا ہے۔ مجھے زندگی کا سفر طے کرنے کے لیے محمدؐ کی رفاقت درکار ہے۔ ان کے حسن و جوانی سے بڑھ کر مجھے ان کے سہارے کی ضرورت ہے۔ تاکہ شب و روز کا یہ پھیکا پن سدا بہار پھولوں میں تبدیل ہو جائے۔ محمدؐ کی غلامی میری ان ہونی سی آرزو ہے۔ اور تو آرزوؤں کا پورا کرنے والا ہے۔ یہ آرزو تیری ہی پیدا کی ہوئی ہے۔ اب تو ہی اسے پورا کر۔"

۳۳

نفیسہ نے اپنی سہیلی خدیجہؓ سے حامی تو بھر لی تھی۔ لیکن کئی دن تک سوچتی رہی کہ اس مہم کو کس طرح سر کیا جائے۔ آخر اس کا ایک انتہائی آسان حل سمجھ میں آ گیا۔ اور وہ محمدؐ سے بات چیت کرنے کے لیے روانہ ہو گئی۔ حسنِ اتفاق سے یہ ملاقات خدیجہؓ کے گھر کے سامنے والے میدان میں ہو جاتی ہے۔ جہاں جنابِ محمدؐ سامانِ تجارت کا جائزہ لے رہے ہیں۔ نفیسہ ان کے قریب پہنچ کر کہتی ہے۔

"محمدؐ میں آپؐ کے لیے ایک خوشخبری لائی ہوں۔"

محمدؐ "بتایئے۔"

نفیسہ "شادی کر لیجیے۔"

محمدؐ "میرے پاس اتنا مال و دولت ہی کہاں ہے کہ اس کی فکر کروں۔"

نفیسہ "اگر آپؐ کا ارادہ ہو تو میری نظر میں ایک مالدار خاتون ہے۔ بلکہ میں تو اس سے بات بھی کر چکی ہوں۔"

محمدؐ "مجھے کسی کے مال سے کیا غرض۔"

نفیسہ "وہ نہایت پاکباز خاتون ہے۔ اور آپؐ کی اس سے خوب نبھے گی۔"

محمدؐ "کون ہے وہ؟"

نفیسہ "خدیجہؓ طاہرہ۔"

محمدؐ حیرت زدہ سے رہ جاتے ہیں۔ انہیں اس کا وہم و گمان بھی نہ تھا انہوں

نے شادی کرنے کے متعلق کبھی سوچا بھی نہ تھا۔ اس لیے نفیسہ کی زبانی سے یہ غیر متوقع پیغام سُن کر سخت متعجب ہوتے ہیں۔ انہیں یوں حیران دیکھ کر نفیسہ کہتی ہے۔

"آپؐ ہاں کریں باقی سارا کام میری ذمہ داری پر چھوڑ دیں۔"

محمدؐ "میں اپنے بزرگوں سے مشورہ کیے بغیر آپ کو کوئی جواب نہیں دے سکتا۔ کیونکہ مجھے ان کی خوشی ملحوظ ہے۔"

نفیسہ "ہاں۔ ہاں۔ آپؐ ان سے مشورہ کرلیں۔ میں آپؐ سے کل پھر ملوں گی۔"

نفیسہ یہ کہہ کر چلی جاتی ہے۔ اور محمدؐ اپنے کام کے ساتھ ساتھ سوچتے ہیں۔

"خدیجہؓ بہت مالدار خاتون ہے۔ اس نے بڑے بڑے سرداروں کے پیغام ٹھکرا دیئے ہیں۔ مجھ پر یہ التفات کیوں؟ نفیسہ کو اس سے یہ بات کرنے کی جرأت کیونکر ہوئی۔"

محمدؐ کے چچا ابوطالب اپنے کمرے میں موجود ہیں۔ اور حسنِ اتفاق سے دوسرا کوئی بھی نہیں ہے۔ آپؐ ان کے سامنے والے پلنگ پر نہایت سکون سے بیٹھ جاتے ہیں۔ ابوطالب مستفسرانہ نگاہوں سے آپؐ کی طرف دیکھتے ہیں۔ محمدؐ کہتے ہیں۔

"چچا جان نفیسہ کہتی ہے کہ خدیجہؓ مجھ سے شادی کرنے کا ارادہ رکھتی ہے۔"

ابوطالب[۱۲۹] چونک اٹھتے ہیں۔ یہ اَن ہونی سی بات ہے۔ انہیں اپنے کانوں پر یقین نہیں آتا۔ ان کے بھتیجے نے کسی تمہید کے بغیر ہی دوٹوک بات کہہ دی ہے۔ وہ کچھ دیر تک آنکھیں بند کیے سوچتے رہتے ہیں۔ پھر ان کے چہرے پر مسرت کی لہریں کھیلنے لگتی ہیں۔

"بھتیجے تمہاری کیا مرضی ہے۔" ابوطالب پوچھتے ہیں۔

"جو آپ کی مرضی ہو چچا جان۔" محمدؐ جواب دیتے ہیں۔

ابوطالب پھر کچھ دیر تک گہری سوچ میں ڈوب جاتے ہیں۔ محمدؐ خاموشی سے ان کے جواب کا انتظار کرتے ہیں۔ ابوطالب کی انگلیاں ڈاڑھی میں کنگھی کرتی ہیں۔

آنکھیں نیم باز ہیں ۔ پیشانی پر دلی جذبات کی لکیریں نمایاں ہیں ۔ وہ کچھ دیر کے بعد کہتے ہیں ۔

"بھتیجے ۔ خدیجہ رضہ بے شک مال دار خاتون ہے ۔ اور لوگ اسے طاہرہ کہتے ہیں ۔ لیکن تم بھی ماشاءاللہ صادق اور امین ہو ۔ خدیجہ رض کی طرف سے شادی کا پیغام تمہاری خوبیوں کا اعتراف ہے ۔ وہ بے شک بہت دُور اندیش اور فہیم و فراس ہے ۔ جس نے تمام سرداروں کو ٹھکرا کر تمہیں خود منتخب کیا ہے ۔ ایک بات البتہ کھٹکتی ہے ۔"

محمدؐ "کون سی ؟"

ابو طالب "وہ عمر میں تم سے پندرہ سال بڑی ہے ۔ اس کے تین بچے ہیں ۔ اس سے پہلے اس کے دو شوہر فوت ہو چکے ہیں ۔"

محمدؐ "مجھے اس کی پرواہ نہیں ہے ۔ میں نے انہیں پاکباز ۔ بردبار اور سمجھدار پایا ہے ۔"

ابو طالب "اگر تم راضی ہو تو میں بھی خوش ہوں ۔ لیکن بات پکی کر لینے سے پہلے تمہارے دوسرے چچاؤں کی رائے کا معلوم کرنا بہت ضروری ہے ۔"

محمدؐ "میں انہیں مشورے کے لیے شام تک آپ کے ہاں پہنچ جانے کا پیغام دے دیتا ہوں ۔ بلکہ میں تو چاہتا ہوں کہ پھوپھیوں سے بھی بات چیت کر لی جائے ۔"

ابو طالب "مجھے اس میں کوئی اعتراض نہیں ہے ۔"

محمدؐ سب کو ابو طالب کا پیغام پہنچا دیتے ہیں ۔ اور سرِ شام ہی ابولہب ۔ حمزہ عباس ۔ صفیہ اور دوسرے اعزہ بھی ابو طالب کے گھر جمع ہو جاتے ہیں ۔ جہاں خدیجہ رضہ کے پیغام کا تذکرہ ہوتا ہے ۔ سب اس رشتہ کو پسند کرتے ہیں ۔ نفیسہ کو اس کی اطلاع دے دی جاتی ہے ۔ اور دوسرے دن ابو طالب اپنے بھائیوں کو ساتھ لے کر خدیجہ رض کے چچا عمرو بن اسعد[۱۲۹۸] کے پاس جا پہنچتے ہیں ۔ انہیں محمدؐ کی طرف سے خدیجہ رض کے

نکاح کا پیغام دیا جاتا ہے۔ جسے وہ بغیر کسی پس و پیش کے قبول کر لیتے ہیں۔ خدیجہ کے بھائی بھی اس پر بہت خوش ہیں۔ منگنی کے ساتھ ہی نکاح کا دن مقرر کر دیا جاتا ہے۔ نفیسہ اپنی سہیلی کو مبارک دیتی ہے۔ اور اپنی کامیابی پر پھولی نہیں سماتی۔

۳۴

محمدؐ دلہا اور خدیجہؓ دلہن بنی ہیں۔ سبحان اللہ۔ پاکباز شوہر۔ پاکباز بیوی۔ اس مقدس جوڑے پر آسمان سے رحمت کی بارش ہو رہی ہے۔ زمین سے برکتوں کے چشمے اُبل پڑے ہیں۔ کائنات میں پھلجھڑیاں سی چل رہی ہیں۔ قوسِ قزح کے رنگ پھیل گئے ہیں۔ فرشتوں کی زبان پر تحمید و تقدیس کے ترانے ہیں۔ عرش سے فرش تک مبارک سلامت کی صداؤں کا شور ہے۔ حوریں کہہ رہی ہیں۔

"اے مقدس خاتون۔ آپ کو مبارک ہو۔ پوری کائنات کا دُلہا آپ کے گھر آیا ہے۔"

جنّت کی کلی کلی پکارتی ہے۔

"مبارک ہو خدیجہؓ طاہرہ۔ دعائے خلیل اور نویدِ مسیحا آپ کا دُلہا ہے۔"

مکّہ کے در و دیوار اس شہر کی معزز ترین خاتون کو جانِ آمنہ اور جگر گوشہ عبداللہ کی دلہن بننے پر مبارکباد کہہ رہے ہیں۔ اور خدیجہؓ اپنی اس سعادت پر نہایت مسرور ہیں۔

دسترخوان لپٹا جا چکا ہے۔ لونڈی غلام مودّب کھڑے ہیں۔ مہمان اور میزبان سب خاموش بیٹھے ہیں۔ اور ابوطالب خطبۂ نکاح میں کہہ رہے ہیں۔

"سب تعریف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ جس نے ہمیں حضرت ابراہیمؑ

کی اولاد اور حضرت اسماعیل (علیہ السلام) کی کھیتی سعد کی نسل اور مضر کے عنصر سے کیا۔ اپنے گھر کا مجاور اور اپنے حرم کا نگہبان بنایا۔ ہمیں اس نے وہ گھر عنایت فرمایا ہے جس کا حج کیا جاتا ہے اور جو حرم اور امن کی جگہ ہے۔ اس کا شکر ہے جس نے ہمیں لوگوں پر حاکم بنایا ہے۔ اس کے بعد یہ بات ہے کہ میرے بھتیجے محمدؐ بن عبداللہ وہ شخص ہیں کہ جن کے برابر کا کوئی آدمی نہیں ہے۔ بے شک آپؐ کے پاس مال نہیں ہے۔ لیکن مال ڈھلتی پھرتی چھاؤں ہے۔ اور ایک عارضی چیز ہے۔

اے حاضرین۔ تم محمدؐ کی قرابت کو جانتے ہو۔ وہ خویلد کی بیٹی خدیجہؓ سے نکاح کرنا چاہتے ہیں۔ اور میرے مال سے بیس اونٹ مہر مقرر کرتے ہیں۔ خدا کی قسم میرے بھتیجے بڑی شان اور بزرگی والے ہیں۔ ان کا مستقبل انتہائی شاندار ہے۔"

اس کے بعد خاتونِ قریش[۱۴۱]، امینِ قریش[۱۴۲] کے گھر آگئیں اور ارض وسما میں مسرت و شادمانی کے چراغ جگمگا اٹھے۔

۳۵

خدیجہؓ محمدؐ کی رفیقہ حیات بن چکی ہیں۔ انہوں نے اپنی زندگی کے خلاء کو اس پاک باز جوان کی رفاقت سے پُر کر لیا ہے جو کرۂ ارض پر سب سے افضل۔ سب سے اعلیٰ اور سب سے برتر ہے۔ ان کی تنہائیوں میں محمدؐ کے میٹھے بول کوثر و تسنیم کی لہریں بن چکے ہیں۔ ان کے قلب و جگر کی ویرانیاں محمدؐ کے ارتباط و اختلاط سے مہک اٹھی ہیں۔ اور محبت کی بھینی بھینی خوشبو سے دونوں مسرور ہیں۔ خدیجہؓ نے اپنا تن من اور دھن سب محمدؐ کے قدموں پر نچھاور کر دیا ہے۔

ایجاب و قبول کے بعد خدیجہؓ کی اولین آرزو یہ تھی کہ محمدؐ ان کے گھر میں مستقل طور پر منتقل ہو جائیں۔ چنانچہ یہ آرزو پوری ہوئی اور محمدؐ نے کاشانۂ خدیجہؓ کو اپنا مسکن بنا لیا۔ خدیجہؓ کا گھر اب محمدؐ کا گھر تھا۔ خدیجہؓ محمدؐ کی تھیں اور محمدؐ خدیجہؓ کے تھے۔ اس گھر میں محمدؐ کے لیے راحت تھی، آرام تھا، اور فکرِ معاش نہ تھی۔ رُوئے زمین پر صرف یہی ایک گھر تھا جس میں محبت تھی۔ ایک دوسرے کے لیے احترام تھا۔ خدیجہؓ کی پسند محمدؐ کی پسند تھی۔ اور محمدؐ کا انتخاب خدیجہؓ کا انتخاب تھا۔ بیوی شوہر کی خدمت کے لیے ہر وقت مستعد تھی۔ اور شوہر بیوی کی خوشنودی کا جویا تھا۔ یہ ایک مثالی گھر تھا جس سے اولادِ آدم کے لیے سورج کے تاریک اور چاند کے بے نور ہونے تک رہنمائی ملتی رہے گی۔

جس گھر میں محبت کی حکمرانی ہو۔ ایک دوسرے کے جذبات کا احترام ہو۔ حیا ہو، ریا

نہ ہو۔ وفا ہو دغا نہ ہو۔ جلوت میں صدق اور خلوت میں صفا ہو۔ اور قلب ونظر کی وسعتوں میں ناز و ادا ہو تو ایسا گھر جنتِ ارضی ہے۔ شہر مکہ کو اس گھر پہ ناز ہے۔ اہلِ مکّہ اسے رشک کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ اور دُکھ درد کی گھڑیوں میں اس گھر کی طرف لپکتے ہیں۔ خدیجہؓ کے کم سن بیٹے ابو ہالہ، محمدؐ کی شفقت سے مسرور ہیں۔ لونڈی غلام ان کی عقیدت سے معمور ہیں اور یوں زندگی کا یہ قافلہ شاداں وفرحاں اپنی منزل کی طرف رواں دواں ہے۔

یہ مبارک گھر مکہ کے اس محلہ میں ہے جہاں شہر کے بڑے بڑے تاجر اور رئیس رہتے ہیں۔ ابولہب یہیں رہتا ہے۔ وہ اپنے بھتیجے کو دولت مند دیکھ کر بڑی شفقت سے پیش آتا ہے۔ ابو قحافہ کے فرزند ابوبکرؓ کا مکان اسی محلہ میں ہے۔ جو کپڑے کے تاجر ہیں۔ خدیجہؓ کے بھتیجے حکیم بن حزام بھی یہیں رہتے ہیں۔ جو مشہور تاجر اور حرم کے منصبِ رفادہ پر فائز ہیں۔ عمر میں محمدؐ سے نو برس بڑے ہیں۔ اب کاروبار اور تجارت میں محمدؐ سے ان سب کے مراسم قائم ہو چکے ہیں۔

دوست زندگی کی اہم ضرورتوں میں سے ایک ضرورت ہے۔ جس کے بغیر خود زندگی بے کیف نظر آتی ہے۔ دوست ایک کو دو اور دو کو گیارہ بنا دیتا ہے۔ وہ دسترخوان پر قہقہوں کے پھول برساتا اور تختہ دار پر ساتھ کھڑا ہوتا ہے۔ اس کی رفاقت میں زندگی کی کٹھن منزلیں آسان ہو جاتی ہیں۔ اور خوشی کے لمحات سدا بہار کلیوں میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔ یہ سچ ہے دوستی ہوتی نہیں، کی جاتی ہے۔ لیکن میلانِ طبع کی یکسانی دوستوں کو ایک دوسرے کے قریب کر دیتی ہے۔

درخت اپنے پھل سے، استاد اپنے شاگرد سے اور انسان اپنے دوستوں سے پہچانا جاتا ہے۔ محمدؐ بھی دوستوں کی ضرورت سے مستثنیٰ نہیں ہیں۔ لیکن ان کے حلقۂ احباب میں کوئی دوں فطرت، پست ذوق اور کمینہ مزاج شامل نہیں ہے۔ مکّہ کے شریروں میں سے کسی ایک کا نام اس فہرست میں شامل نہیں ہے۔ ظالموں اور فاسقوں میں سے کوئی بھی اس دائرے میں نہیں آتا۔ آپؐ کے جگری دوستوں میں سے قحافہ کے فرزند ابوبکرؓ ہیں ——

خدیجہؓ کے بھتیجے حکیم بن حزام ہیں۔ ضماد[۱۴۴] بن ثعلبہ ازدی ہیں جو طبابت اور جراحی کا کام کرتے ہیں۔ قیس[۱۴۵] بن سائب مخزومی ہیں۔ جو کاروبارِ تجارت میں آپؐ کے شریک رہے ہیں۔ یہ سب مکہ کے اشراف ہیں۔ ان سے محمدؐ کی بے تکلفی ہے۔

اکثر اوقاتِ فرصت میں ان دوستوں کے ساتھ سیر کے لیے چلے جاتے ہیں — تیر اندازی اور شہسواری کے مقابلے دیکھتے ہیں کشتیوں کے جوڑ سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ تجارت میں لین دین کرتے ہیں۔ سیر و سیاحت کی باتیں ہوتی ہیں۔ محتاجوں اور مسکینوں کے تذکرے ہوتے ہیں۔ لیکن یاوہ گوئی۔ ہرزہ سرائی اور ٹھٹھے مخول سے پوری طرح اجتناب ہے۔ یہ دوستی بھی الفت اور مودّت کا سرچشمہ ہے جس کے تذکرے مکّے کی محفلوں میں اکثر و بیشتر ہوتے رہتے ہیں۔

۳۶

جب ساری دنیا کے اس مبارک اور مقدس ترین جوڑے کی عائلی زندگی کے دو اڑھائی سال گزر گئے تو اللہ جل جلالہ نے انہیں فرزندِ سعید سے نوازا۔ جس کا اسمِ گرامی قاسم رکھا گیا۔ اور محمدؐ ابو القاسم کہلائے۔ کیونکہ کنیت عرب کا دستور ہے۔ اس لیے خدیجہؓ بھی آپؐ کو ابو القاسم کہہ کر متوجہ کیا کرتی تھیں۔ یہ چاند سا مکھڑا گلِ تر کی شادابی اور حیا کی شوخی لیے ہوتے تھا۔ قاسم کا متبسم چہرہ اس کاشانے کی رونق تھا۔ مقدس والدین بلائیں لیتے۔ لوریاں دیتے، اور خوشی سے پھولے نہ سماتے تھے۔ کس چاؤ اور ناز و نعم سے قاسم کی پرورش ہوئی۔ اس کا لطف اس ماں سے پوچھیے جس کی آخر عمر کی اولاد ہو۔ اس باپ سے پوچھیے جسے جوانی میں پہلے پہل اولادِ نرینہ کی خوشخبری دی جائے۔

یہاں مسرت و شادمانی کا عمل دخل تھا۔ ربوبیت کی گرم جوشیاں تھیں اور امیدوں کی ہماہمی تھی۔ لیکن ربِ محمدؐ نے پسر کی جدائی کا صدمہ دے کر سینۂ محمدؐ میں گداز پیدا کرنا تھا۔ اس لیے جب قاسم لڑکھڑاتے ہوئے چلنے لگے تو بیمار ہوئے اور والدین کی سب کوششوں کے باوجود اللہ کو پیارے ہو گئے۔ مگر یہ تسلیم و رضا کے پیکر اس سانحہ پر بھی شاکر ہی رہے۔ اور ان کی مقدس زبانیں شکوہ و شکایت سے آلودہ نہ ہوئیں۔

قاسم کی وفات کے تقریباً اڑھائی سال بعد ابو القاسمؐ کو اللہ جل جلالہ نے زینبؓ سے نوازا۔ اس نرم و نازک گڑیا کی ولادت کاشانۂ محمدؐ میں پھر سے رونق کا پیغام لائی۔ مسکراہٹوں کے پھول کھل گئے۔ زینبؓ کے والدؐ جب کاروبار کے لیے گھر سے باہر ہوتے تو امِّ زینبؓ

ننھی مُنّی گڑیا سے دل بہلایا کرتیں۔ اور جب ابوالقاسم[۲] گھر تشریف لاتے تو اسے گود میں لے کر چومتے۔ میٹھی میٹھی باتیں کرتے۔ اور یُوں دن بھر کی خستگی دُور کر کے تازہ دم ہو جاتے۔

ہنستا کھیلتا بچّہ گھر کا چراغ ہے۔ جو وحشت اور یاس کی تاریکیوں کو دُور کرتا ہے — امنگوں کی روشنی پھیلاتا ہے۔ مسکراہٹوں کے پھول نچھاور کرتا ہے۔ ماں کی چھاتی میں دودھ کی نہریں بہا دیتا ہے۔ اس سے باپ کے سینے میں شفقت کے چشمے پھُوٹتے ہیں۔ ماں رات رات بھر جاگتی ہے۔ باپ سارا سارا دن محنت مشقت کرتا ہے۔ اگر یہ ننھا سا وجود نہ ہو تو مکان قبرستان ہے اور مکیں مُردوں سے بدتر۔ یہ اللہ کی نعمت ہے جسے چاہتا ہے اس سے نوازتا ہے۔

۳۷

محمدؐ کے لیے خدیجہؓ نے زید کو ہبہ کر دیا ہے ۔ ان کی صاف ستھری عادتیں دیکھ کر ابوالقاسمؐ کو مسرت ہوتی ہے ۔ رحمتِ عالمؐ کے سینہ میں زید کے لیے ایسی شفقت ہے جو ان کی زندگی میں تازگی، طبیعت میں خوشی اور سیرت میں عمدگی پیدا کرتی ہے ۔ اور اس سے پاس پڑوس کے تمام لوگ متاثر ہیں ۔

حج کا زمانہ ہے ۔ زید کی عمر کا تقریباً سولہواں سال ہے ۔ وہ خانہ کعبہ کا طواف کر رہے ہیں ۔ یکایک ان کی نظریں اٹھتی ہیں ۔ اور چند آدمی دکھائی دیتے ہیں جو ان کی طرف ٹکٹکی باندھے ہوئے ہیں ۔ آپ بھی انہیں غور سے دیکھتے ہیں تو صورتیں آشناسی محسوس ہوتی ہیں ۔ وہ آگے بڑھتے ہیں ۔ کچھ وہ ان کی طرف آتے ہیں ۔ اور جب آمنا سامنا ہوتا ہے تو ان میں سے ایک آدمی بے اختیار ان سے لپٹ جاتا ہے ۔ اور دوسرا کہتا ہے ۔

" اوہ ـــــ یہ تو حارث کا بیٹا زید ہے ۔"

" ہاں ۔ میں نے بھی آپ کو پہچان لیا ہے ۔" زید جواب دیتے ہیں ۔

یہ قبیلۂ کلب کے لوگ اور زید کے اقربا میں سے ہیں ۔ وہ زید سے ان کی ساری داستان سن کر متحیر رہ جاتے ہیں ۔ ایک آدمی کہتا ہے ۔

" زید تمہاری جدائی میں تمہارے والدین کا بُرا حال ہے ۔ تمہارا باپ حارثہ بن شرجیل تمہارے فراق میں رات دن یہ شعر پڑھتا رہتا ہے ۔

۱۔ میں زید پر رویا۔ اور مجھے نہیں معلوم کہ اسے کیا ہوا۔
کیا وہ زندہ ہے جس کی امید کی جائے۔ یا اسے موت آگئی۔

۲۔ واللہ مجھے معلوم نہیں۔ اگرچہ میں اس کی تلاش میں ہوں۔
کیا تجھے زمین کھا گئی یا پہاڑ نگل گیا ہے۔

۳۔ اے کاش۔ مجھے معلوم ہو جاتا کہ تو کسی وقت مجھے واپس بھی ملے گا۔
اگر مجھے یہ معلوم ہو جاتا تو دنیا بھر کے بدلے تیری واپسی کو کافی سمجھتا۔

۴۔ آفتاب اپنے طلوع کے وقت مجھے زید کی یاد دلاتا ہے۔
اور اس کی یاد آجاتی ہے جب شب کی تاریکی پھیلتی ہے۔

۵۔ ہوائیں چلتی ہیں تو وہ بھی اس کی یاد کو تازہ کرتی ہیں۔
آہ۔ میرا غم واندوہ کس قدر طویل ہے۔

۶۔ میں اس کی تلاش میں اونٹ پر سوار ہو کر روئے زمین کا چپہ چپہ چھان ماروں گا۔
اور میری تلاش کا یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہے گا جب تک کہ اونٹ نہ تھک جائے۔

۷۔ میری زندگی باقی رہے یا موت آجائے۔
ہر شخص فانی ہے اگرچہ اُمید اسے دھوکا دیتی ہے۔"

یہ اشعار سن کر زید پر رقت طاری ہو جاتی ہے۔ اور جذبات کا تلاطم جب ذرا مدھم پڑتا ہے تو کہتے ہیں۔[ص ۱۳۵ ج ۱]

۱۔ میری قوم کو خبر پہنچا دو اگرچہ میں دور ہوں۔
کہ میں بیت اللہ میں مشعر الحرام کے پاس مقیم ہوں۔

۲۔ اس غم سے باز رہو جس نے تمہیں نڈھال کر دیا ہے۔
اور میری تلاش میں روئے زمین کو اونٹوں سے نہ روندو۔

۳۔ کیونکہ بحمد اللہ میں شریف خاندان میں ہوں۔
ایسا شریف خاندان جو نسلاً بعد نسل بزرگ رہتا چلا آیا ہے۔"

اس کے بعد زید کاشانہ محمدؐ کی طرف لوٹ آتے ہیں۔ اور قبیلہ بنو کلب کے یہ لوگ اپنے وطن کو روانہ ہو جاتے ہیں۔

ان لوگوں کی زبانی زید کی خبر سن کر حارثہ پر شادیٔ مرگ کی سی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ اور وہ اپنے بھائی کعب کو ساتھ لے کر منزلیں مارتا ہوا مکہ میں پہنچتا اور محمدؐ کے متعلق دریافت کرتا ہے۔ تو اسے اطلاع ملتی ہے کہ وہ بیت اللہ میں تشریف رکھتے ہیں۔ دونوں بھائی آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں۔ اور یہ نورانی چہرہ دیکھ کر ان میں امید وانبساط کی لہر دوڑ جاتی ہے۔

حارث عرض کرتا ہے۔

"اے فرزند عبداللہ و عبدالمطلب اور چراغ کاشانۂ ہاشم آپؐ اپنی سردار قوم کے نورِ نظر اور فخرِ قریش کے لختِ جگر ہیں۔ آپؐ اہلِ حرم ہیں۔ ربِّ کعبہ کے ہمسایہ اور بیت اللہ کے پاسبان۔ آپؐ جو غمزدوں کا غم دُور کرتے اور اسیروں کو کھانا کھلاتے ہیں۔

ہم آپؐ سے اپنے بیٹے کی آزادی کے ملتجی ہیں۔ جو آپؐ کے پاس ہے۔

ہم پر احسان کیجیے۔ آپؐ احسان کرنے والے ہیں۔ اس کا فدیہ قبول کر کے ہم سے نیکی کیجیے۔ جس قدر فدیہ آپؐ چاہیں ہم ابھی پیش کرتے ہیں۔"

محمدؐ نہایت ملائمت سے فرماتے ہیں۔

"وہ کون ہے۔"

حارث عرض کرتا ہے۔

"میرا بیٹا زید ——"

محمدؐ "کیا تم اس کی آزادی کے سوا کسی اور صورت میں بھی راضی ہو۔"

حارث "وہ کون سی صورت ہے۔"

محمدؐ "میں زید کو بلاتا ہوں۔ اگر وہ تمہارے ساتھ جانا چاہتا ہے۔ تو میں اس کا کوئی فدیہ نہ لوں گا۔ اور اسے بلا معاوضہ ہی آزاد کر دوں گا۔ لیکن اگر وہ میرے پاس رہنا پسند کرے تو میں ایسا آدمی نہیں ہوں کہ جو شخص میرے پاس رہنا چاہے اسے خواہ مخواہ نکال دوں۔"

حارث "یہ تو آپؐ نے انصاف سے بڑھ کر بات فرمائی ہے۔ آپؐ بچے کو بلا لیجیے۔"

محمدؐ پیغام بھیج کر زید کو بیت اللہ میں ہی بلوا لیتے ہیں۔ زید حاضر ہو جاتے ہیں۔ اور محمدؐ پوچھتے ہیں۔

"زید۔ ان دونوں کو جانتے ہو۔"

زید "جی حضورؐ جانتا ہوں۔ یہ میرے والد اور دوسرے چچا ہیں۔"

محمدؐ "تم ان کو بھی جانتے ہو اور مجھے بھی۔ اب تمہیں پوری پوری آزادی ہے۔ چاہو تو ان کے ساتھ چلے جاؤ۔ اور چاہو تو میرے ساتھ رہو۔"

زید "آقا حضورؐ۔ میں آپؐ کو چھوڑ کر کسی کے پاس نہیں جانا چاہتا۔"

یہ انوکھی بات سن کر حارث اور کعب دونوں دنگ رہ جاتے ہیں۔ یہ زید نے کیا کہہ دیا۔ کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ بیٹا باپ اور چچا کو چھوڑنے کے لیے تیار ہو جائے۔ لیکن اپنے آقا کو چھوڑنا پسند نہ کرے۔ اور آزادی پر غلامی کو ترجیح دے۔ سات سال بیٹے کی جدائی میں تڑپتے رہیں۔ آنکھیں اشکبار اور سینہ فگار ہو۔ اور جب لختِ جگر سے ملاقات ہو تو وہ اک ہرنی بات کہہ کر سب چیزوں کے چراغ گل کر دے۔ خوشی کے پھول مسل ڈالے۔ باپ کو چھوڑ کر آقا کا دامن تھام لے۔ اور اپنے گھر کا رخ کرنے کی بجائے زنداں کی طرف چل دے۔ یہ سب کچھ بلاشبہ حیرت زا، حیرت انگیز اور افسوسناک ہے۔ لیکن یہاں معاملہ حارث اور محمدؐ میں سے کسی ایک کو منتخب کرنے کا ہے۔ حارث زید کا باپ ہے لیکن محمدؐ وہ ہیں جنہیں خود خالقِ اکبر نے پوری کائنات میں سے چن لیا ہے۔ پھر زید بھلا محمدؐ کو کیونکر محبوب نہ رکھیں گے۔ ان کے دوٹوک فیصلے کو سن کر حارث اور کعب کی رگِ حمیت پھڑک اٹھتی ہے۔ اور حارث تاسف اور طیش کے ملے جلے جذبات

سے مغلوب ہو کر کہتا ہے۔

"یہ تم کیا کہہ رہے ہو۔ کیا تمہیں آزادی پسند نہیں جو غلامی پر راضی
ہو۔ ہماری طرف دیکھو ہم نے تمہاری جدائی میں کس طرح رو رو کر سات
سال گزارے ہیں۔ تمہاری تلاش میں دن رات سرگرداں رہے ہیں۔ اور
ایک تم ہو کہ غلامی میں خوش ہو۔ اور اپنے ماں باپ کو چھوڑ کر غیروں کے
پاس رہنا چاہتے ہو۔"

زید:۔ "میں نے آقا حضورؐ میں جو اوصاف[۱۴۷] دیکھے ہیں، ان کا تجربہ کر
لینے کے بعد اب دنیا میں کسی کو بھی ان پر ترجیح نہیں دے سکتا۔"

حارثہ کی آنکھوں کے سامنے سے جیسے پردہ ہٹ گیا ہو۔ اس نے آقا اور غلام
دونوں کا بغور جائزہ لیا۔ اور یہ دیکھ کر کہ اس بات میں کسی قسم کا کوئی کھوٹ نہیں
ہے نہ ہی زید پر کوئی دباؤ ہے، اسے اپنے بیٹے کی رضامندی پر خوشی محسوس
ہوئی اور بولا۔

"بیٹے اگر تم اپنے آقا کے پاس خوش ہو تو میں بھی راضی ہوں۔
تمہاری خوشی میری خوشی ہے۔"

محمدؐ نوجوان زید کی وفاداری پر بے حد مسرور ہیں۔ اور ان کا ہاتھ پکڑ کر حجرِ اسود کے
پاس کھڑے ہو جاتے ہیں۔ پھر حاضرین سے مخاطب ہو کر فرماتے ہیں۔

"یا معشر قریش۔ تم سب اس بات کے گواہ ہو کہ زید میرے بیٹے
ہیں۔ میں ان کا وارث[۱۴۸] ہوں۔ اور وہ میرے وارث ہیں۔"

حاضرین اس انوکھے اعلان کو سن کر بھونچکا سا رہ جاتے ہیں۔ یہ عرب کی سرزمین
پر اپنی نوعیت کا عجیب ترین واقعہ ہے۔ لوگ رہزنی کرتے اور انسانوں کو بھیڑ بکریوں
کی طرح فروخت کرتے ہیں۔ آقا مظلوم غلاموں پر جی بھر کر ظلم کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک
نہ تو یہ انسان ہیں۔ اور نہ ہی انہیں انسانوں کی طرح رہنے کا کوئی حق ہے۔ لیکن یہاں آقا
غلام کو آزاد کر رہا ہے۔ بیٹا باپ کو چھوڑ کر آقا کا دامن تھام لیتا ہے۔ اور آقا اعلان کرتا ہے

کہ آج سے یہ غلام نہیں بلکہ میرا بیٹا ہے ۔ میرا وارث ہے ۔

نوعِ انسانی پر یہ جنابِ محمدؐ کا احسان ہے ۔ یہ رحمۃ اللعالمین[۴] کی شان ہے ۔ اولادِ آدم کی آزادی کا اولین اعلان ہے ۔

اس جود و کرم نے حارثہ کو اطمینانِ قلب کی دولت سے مالامال کر دیا ہے ۔ وہ اپنے بھائی کے ساتھ خوشی خوشی واپس چلا جاتا ہے ۔ اور لوگ اب اس کے بیٹے کو زید بن محمدؐ[۲] کہتے ہیں ۔

۳۸

محمدؐ کے شہر میں محمدؐ کے دادا ابراہیم علیہ السلام کا تعمیر کردہ بیت اللہ پورے عرب کی عقیدت کا مرکز ہے۔ یہ اہلِ عرب کی امیدوں کا مرجع اور امن کا منبع ہے۔ اگرچہ دینِ ابراہیمی شرک کی نجاست سے دھندلا گیا ہے۔ اور اللہ کے اس گھر میں تین سو ساٹھ بت نصب ہیں۔ لیکن ان مشرکوں اور بت پرستوں کی قبائلی عصبیت اور معبودوں کی رنگا رنگی اس کے طواف کی راہ میں حائل نہیں ہو سکی۔ ہر قبیلہ یہاں آتا ہے۔ ہر سرکش یہاں جھکتا ہے۔ ہر دیوی کا پجاری اس کی ہیبت سے لرزاں ہے۔ سب دیوتاؤں کے پروہت اس کے خادم ہیں۔ کاہن اور مہنت بھی اس سے خوف کھاتے اور امیدیں وابستہ رکھتے ہیں۔ غرض پورے عرب میں یہ اپنی بزرگی کی وجہ سے بے مثل ہے۔

اس بنائے ابراہیمی کے چاروں طرف پہاڑ ہیں۔ اور ان کے بیچ میں یہ دل کی مانند ہے جس کے وجود سے عربوں کی حیات کو تازگی ملتی ہے۔ جب کبھی زور کی بارش ہوتی ہے تو پہاڑوں سے پانی بہہ کر شہر میں داخل ہو جاتا ہے۔ جس سے سیلاب کی سی صورت پیدا ہو جاتی ہے۔ کئی بار ایسے سیلاب آئے ہیں جن سے اس کی چار دیواری کو نقصان پہنچا ہے۔ یہ عمارت بھی خوب ہے۔ نہ اس پر کوئی چھت ہے۔ نہ دروازہ نہ کھڑکی بس قدِ آدم کے برابر ایک چار دیواری ہے جسے پتھروں اور گارے سے چن دیا گیا ہے۔ دیکھنے میں سادہ مگر پُر جلال ہے۔ اگرچہ اسے عمارت نہیں کہا جا سکتا کیونکہ مسقف نہیں ہے۔

لیکن عالیشان عمارتوں کے مکین دُور دراز سے پیدل چل کر اور دُبلی پتلی اونٹنیوں پر سوار ہو کر اس کی زیارت کے لیے حاضر ہوتے ہیں۔ اس گھر کے مالک کے سامنے لبیک اللھم لبیک پکارتے ہیں۔ صرف دو اَن سِلی چادروں سے ستر پوشی کرتے ہیں۔ اور اپنے عجز کا اظہار کرتے ہوئے قدم قدم پر پکارتے ہیں۔ اے ربِ کعبہ۔ تیرا بندہ حاضر ہے۔ تیرا بندہ حاضر ہے۔

محمدؐ اپنی عمر کے پینتیسویں سال میں ہیں۔ مکہ میں زبردست بارشوں کی وجہ سے ایسا شدید سیلاب آگیا ہے جس نے کعبے کی دیواروں میں شگاف ڈال دیئے ہیں۔ اس کی بنیادیں متزلزل ہو گئی ہیں۔ شہر کی کئی عمارتیں منہدم ہو چکی ہیں۔ لیکن اہلِ شہر کو ان سے بڑھ کر کعبہ کی مرمت کا خیال دامن گیر ہے۔ کیونکہ دیواروں کی مخدوش حالت میں طواف کرنا بھی خطرے سے خالی نہیں ہے۔ اور ان کے گر جانے سے جو خطرات لاحق ہو سکتے ہیں ان سے ہر شخص خوفزدہ ہے۔

اہلِ مکہ کے لیے اس وقت سب سے بڑا مسئلہ کعبہ کی مرمت ہے۔ کیونکہ اسی کی وجہ سے انہیں عرب کی قیادت حاصل ہے۔ اسی کی بدولت ان کی تجارت کو فروغ حاصل ہوا ہے۔ اسی کی برکت سے ان کے قافلے محفوظ رہتے ہیں۔ یہ لوگ اسی کے خدمت گار اور پاسبان ہیں۔ اگر یہ دیواریں ہی گر گئیں تو پھر کیا ہوگا۔ ان کے رعب و جلال کی ساری عمارت اس بے چھت کی چار دیواری کی وجہ سے قائم ہے۔ ان کی پوری دولت قدر و قیمت کے لحاظ سے کعبہ کے ایک سنگریزے کے پاسنگ بھی نہیں ہے۔ اس لیے اب سر جوڑ کر سوچنے کا وقت آگیا ہے۔ چنانچہ سب اہل الرائے ایک جگہ جمع ہو کر مشورہ کرتے ہیں کہ کعبہ کی دیواروں کو کس طرح مرمت کیا جائے۔ لیکن گفت و شنید کے بعد ہر شخص اس نتیجہ پر پہنچا ہے کہ ان کی مرمت بے سود ثابت ہو گی۔ کیونکہ بنیادیں تک ڈانواں ڈول ہو گئی ہیں۔ اس لیے کعبہ کی تعمیرِ نو انتہائی ضروری ہو گئی ہے۔

مگر سوال یہ ہے کہ اسے گرائے گا کون۔ آج سے پینتیس سال پیشتر یمن کا فرماں روا ابرہہ بڑی کروفر سے آیا تھا کہ اسے گرا دے۔ اس کا نشان مٹا دے، اس کی بنیادیں کھود

ڈالے۔ وہ اپنے ساتھ ساٹھ ہزار لشکری اور کئی ہاتھی لایا تھا۔ لیکن اس کا جو انجام ہوا تھا اسے اپنی آنکھوں سے دیکھنے والے لوگ ابھی تک زندہ تھے۔ وہ اس چار دیواری کو منہدم کرنے سے خوفزدہ تھے۔ مبادا ابرہہ کے لشکر جیسا انجام ہو۔۔۔ اب ہر کسی کی زبان پر یہی تھا کہ اسے کون ڈھائے۔ اور کون اس کی تعمیر کرے۔ کعبہ اللہ کا مقدس گھر ہے۔ اگر اسے منہدم کر دیا گیا تو اللہ۔ اس گھر کا مالک۔ ناراض ہو جائے گا۔ کوئی نہ کوئی عذاب آجائے گا۔ پھر عذاب کو کون دعوت دے۔ ہر شخص حیران تھا۔ عقل عاجز تھی۔ آخر کیا کیا جائے۔ لیکن یہ بھی صاف نظر آتا تھا کہ اس کی مرمت مشکل اور تعمیر نو آسان ہے۔ اس لیے چار و ناچار انہدام کا فیصلہ کر لیا جاتا ہے۔

تاہم ابھی اس مسئلے کے حل میں گوناگوں مسائل پنہاں ہیں۔ جوں ہی انہدام کا فیصلہ ہوا۔ اس کی تعمیر کے کئی نئے گوشے سامنے آگئے۔ مختلف ذہنوں میں یکے بعد دیگرے طرح طرح کے سوال اُبھر آئے۔ نئی عمارت کیسی ہو گی۔ کس قدر مضبوط ہو گی۔ کس طرح مضبوط بنے گی۔ سامان کہاں سے آئے گا۔ کاریگر کون لائے گا۔ چھت کے لیے لکڑی کہاں سے فراہم کی جائے گی۔

جب انسانی عقل سوچ و بچار سے عاجز آجائے تو دستِ قدرت حرکت میں آجاتا ہے۔ کعبہ خدا کا گھر تھا۔ اس نے ابرہہ سے اپنے گھر کو خود بچایا تھا۔ ہوا یوں کہ رُومی تاجروں کا ایک جہاز جدہ کے قریب کسی حادثہ سے ٹوٹ گیا۔ اس کا مالک باقوم[۱۲۷] تھا۔ جس نے سارا سامان ساحل پر اتار دیا۔ اور کسی دوسرے جہاز کے آنے کا انتظار کرنے لگا۔ قریش کو جب اس واقعہ کی اطلاع ملی تو انہوں نے سوچا کہ ٹوٹے ہوئے جہاز کے تختے خرید لیے جائیں۔ اور ان سے کعبہ کی چھت ڈالی جائے۔ چنانچہ چند قریش جدہ پہنچے اور حسبِ منشا جہاز کے تختے خرید کر جب واپس آنے لگے تو انہیں بڑھئی کا خیال آیا۔ چونکہ اہلِ مکہ خود اس فن سے ناآشنا تھے۔ اس لیے باقوم سے مشورہ طلب کیا۔ وہ خود بھی ایک معمار تھا۔ اس نے مناسب رہنمائی کرنے کی حامی بھر لی اور ان کے ساتھ مکہ آیا۔ یہاں کعبہ کو دیکھ کر کہنے لگا کہ اس کی تعمیر بہت آسان ہے۔ البتہ صحن میں کچھ ستون کھڑے کیے جائیں تاکہ

چھت پڑ سکے۔ اس طرح عمارت محفوظ رہے گی۔ کیونکہ پانی میزاب کی راہ سے عمارت کے باہر گرے گا۔ اور بنیادیں متزلزل ہونے سے بچ جائیں گی۔ نیز آندھیوں اور سیلاب سے بھی اس عمارت کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔

مکہ میں ایک قبطی بڑھئی صلیح رہتا تھا۔ اسے بھی بلایا گیا تاکہ باقوم سے ہدایات حاصل کر سکے۔ دونوں نے ساری تعمیر کا جائزہ لیا۔ نقشہ تیار کیا۔ اور اس کام میں قریش سے معاملہ طے ہو گیا۔ لیکن جو مسئلہ ابھی تک پہاڑ کی طرح کھڑا تھا وہ انہدام کعبہ کا مسئلہ تھا۔ جس کا بظاہر کوئی حل نظر نہ آتا تھا۔ تاہم قریش نے اسے ڈھانے کے لیے مختلف حصوں میں تقسیم کیا تاکہ ہر قبیلہ اس میں شامل ہو سکے۔ یہ بھی طے پایا کہ ہر قبیلہ اپنے اپنے حصہ کی تعمیر کے لیے پتھر جمع کرے گا۔

اب انہدام کعبہ کا وقت آ گیا۔ لوگ پھر سے لرز اٹھے، حالانکہ ان کا مقصد کعبہ کی تعمیر نو تھا۔ انہوں نے قربانیاں دیں۔ دعائیں مانگیں۔ التجائیں کیں کہ رب کعبہ انہیں ہر قسم کے عذاب سے محفوظ رکھے۔ اتنے میں کدالیں آگئیں۔ پھاوڑے جمع ہو گئے لیکن کسی میں آگے بڑھنے کی ہمت نہ ہوتی تھی۔ ہر طرف سناٹا طاری تھا۔ لوگ چپ چاپ کھڑے تھے۔ وہ جو اللہ کے باغی تھے، اللہ کے گھر کے سامنے ہاتھ باندھے کھڑے تھے۔ اللہ سے سرکشی کرنے والوں کی گردنیں اس گھر کے سامنے جھکی ہوتی تھیں۔ عجب خوف و ہراس اور گوگو کا عالم تھا۔

قریش نے انہدام اور تعمیر کے لیے کعبہ کو جن حصوں میں تقسیم کیا تھا، ان میں دروازہ کی جانب بنی عبد مناف اور بنی زہرہ کے حصہ میں آئی۔ رکنِ اسود سے رکنِ یمانی تک بنی مخزوم اور چند قبائل کے حصہ میں تھی۔ کعبہ کی پشت بنی جہم اور بنی سہم کے حصہ میں آئی۔ اور حجر کی طرف بنی عبد الدار بنی قصی بنی اسد اور بنی عدی کے حصہ میں تھی — یہی سمت حطیم کی ہے۔

حرم میں لوگوں کا ہجوم تھا۔ پھاوڑے موجود تھے۔ کدالیں پڑی ہوتی تھیں۔ لیکن کسی کو پیش قدمی کرنے کی جرات نہ ہوتی تھی۔ سب لوگ ایک دوسرے کا منہ تک

رہے تھے۔ جب اسی عالم میں کافی دیر گزر گئی تو ولید[۱۵۱] بن مغیرہ نے لرزتے ہوئے ہاتھوں سے کدال پکڑی خانہ کعبہ کی دیوار پر چڑھ گیا۔ اور ہاتھ اٹھا کر دعا کی۔

"اے ربِ کعبہ ہمارا ارادہ نیک ہے۔ ہم تیرے گھر کو دوبارہ بنانا چاہتے ہیں۔ تو ہماری مدد کر اور ہمیں عذاب سے بچانا"

اس کے بعد کدال اٹھائی اور دونوں رکنوں کی طرف دیوار کعبہ کو گرانا شروع کر دیا۔ لوگ دہشت زدہ سے ہو گئے تھے۔ کسی کو کچھ کہنے کی ہمت نہ ہوئی۔ بلکہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھتے رہے۔ انہیں خطرہ تھا کہ ولید ابھی کسی نہ کسی عذاب کی لپیٹ میں آجائے گا۔ خدا خدا کرکے رات گزری۔ دن نکل آیا اور ولید بالکل صحیح و سالم دکھائی دیا۔ اسے کچھ نہ ہوا۔ نہ اس پر آسمان ٹوٹا۔ نہ زمین نے اسے نگلا۔ نہ آگ کے شعلے بھڑکے نہ پتھروں کی بارش ہوئی۔

ولید کو سلامت دیکھ کر لوگوں کو جیسے ہوش کے ساتھ جوش آگیا ہو۔ ایک دم کدالیں اور پھاوڑے لے کر سب کعبہ کو منہدم کرنے لگے۔ جب دیواریں گرالی گئیں اور بنیادیں کھودنے لگے تو کچھ گہرائی پر انہیں سبز رنگ کے دو بڑے بڑے پتھر دکھائی دیئے۔ جو چٹانوں کی مانند ایک دوسرے سے ملحق تھے۔ انہوں نے ان کو پھاوڑے مار مار کر توڑنا چاہا لیکن ناکام رہے۔ پھر انہیں ایک دوسرے سے جدا کرنے کے لیے جب کدالوں سے زور لگایا تو شہر میں زلزلے کی سی کیفیت طاری ہو گئی۔ اس لیے خوف کے مارے انہیں اسی حالت میں چھوڑ دیا گیا۔ اور بنیادوں کی گہرائی کو ان پتھروں تک محدود کر دیا گیا۔

اب ہر قبیلہ اپنے اپنے حصہ کی دیوار اپنے جمع کردہ پتھروں سے بنانے لگا۔ اور جب ان دیواروں کی بلندی اس قدر ہو گئی کہ حجرِ اسود[۱۵۲] رکھا جائے تو باہمی نزاع کا انتہائی خطرناک مقام آگیا۔ ہر قبیلہ یہ چاہتا تھا کہ حجرِ اسود کو اس کی جگہ رکھنے کا شرف اسے حاصل ہو۔ یہ بھی کیا خوب پتھر تھا کہ اس کی خاطر تلواریں نیام سے نکل آئیں۔

قبائل کے سربراہوں میں اس اعزاز کو حاصل کرنے کی کشمکش بڑھتی ہی چلی جاتی

ہے۔ اور اس کے اختتام کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ پانچ دن گذر چکے ہیں اور اب نوبت یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ بنی عبدالدار اور بنی عدی نے آپس میں گٹھ جوڑ کر کے طے کر لیا ہے کہ اس شرف کو کسی حالت میں دوسروں کے حوالے نہیں کریں گے۔ انہوں نے خون کا پیالہ بھر کر اس میں اپنی انگلیاں ڈبو لی ہیں۔ گویا مرنے مارنے کی قسم کھالی ہے۔ یہ عرب کا دستور ہے۔ اس کے بعد مقصد حاصل ہونے سے پہلے تلواریں نیام میں نہیں ڈالتے۔ خواہ سب کٹ مریں۔ اسے دیکھ کر دوسرے قبائل میں جوش کی لہریں موجزن ہو گئی ہیں۔ سخت خون ریز جنگ کا خطرہ منڈلانے لگا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے یہ آتش فشاں پھٹے گا اور سب کو اپنی لپیٹ میں لے کر خاکستر کر دے گا۔ لوگ خانہ کعبہ کی تعمیر کے لیے اکٹھے ہوئے تھے لیکن اب نفرت و عداوت کا شکار ہو کر رہ گئے ہیں۔ اور حد تو یہ ہے کہ عین حرم میں تلواریں چمکنے لگی ہیں۔

اس صورتِ حال نے قریش کے معمر ترین سردار ابو امیہ بن مغیرہ[۱۵۳] کو پریشان کر دیا ہے لیکن سوچتے سوچتے اس کے ذہن میں ایک تجویز آتی ہے۔ وہ اُٹھ کھڑا ہوتا ہے اور پکار کر کہتا ہے۔

"یا معشرِ قریش۔ تم نے چند روز پہلے جس اتفاق اور اخوت کا ثبوت دیا تھا اسے برباد نہ کرو۔ اس طرح تم تباہ ہو جاؤ گے۔"

اس پر مجمع پکار کر کہتا ہے۔ "تم ہی بتاؤ کیا کریں۔"

ابو امیہ "اگر تم میری بات مان لو تو سب کچھ ٹھیک ہو سکتا ہے۔"

مجمع "ہم تمہاری بات اس شرط پر مانیں گے کہ جانب داری سے کام نہ لو۔"

ابو امیہ "یہ میرا وعدہ ہے۔"

مجمع "بتاؤ کیا کریں؟"

ابو امیہ "اس وقت بابُ الصفا میں سب سے پہلے جو قریشی داخل ہو اسے حکم بنا لو۔ اس طرح جانب داری کا خدشہ نہیں رہے گا۔ یہی اس کا واحد حل ہے۔ اگر تم نے میری بات کو ٹھکرا دیا تو آپس میں کٹ مرو گے۔ اور تعمیرِ کعبہ کا

معاملہ یوں ہی رہ جائے گا۔"

مجمع :۔ "ہمیں منظور ہے۔"

حرم کی چار دیواری میں صفا پہاڑی کی طرف جو دروازہ ہے اسے بابُ الصّفا کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ یہ اس وقت سب کی نگاہوں کا مرکز بنا ہوا ہے حسنِ اتفاق دیکھیے کہ تھوڑی دیر کے بعد جنابِ محمدؐ اسی دروازہ سے حرم میں داخل ہوتے ہیں۔ جنہیں دیکھ کر مجمع بے اختیار پکار اٹھتا ہے۔

"ھٰذا الامین ۔ امین آگیا۔ ہم اس کے فیصلے پر راضی ہیں"

حرم کا ذرہ ذرہ پکار کر کہہ رہا تھا

"یا معشرِ قریش۔ تم سچ کہتے ہو۔ یہ سب سے سچے، سب سے اعلیٰ اور سب سے بڑھ کر ہیں۔ تمہاری خوابیدہ قسمت جاگ اٹھی ہے جو محمدؐ تمہارے حکم بن گئے ہیں۔ انؐ سے بہتر کون ہو گا جس پر تم اعتماد کرو۔"

ابو امیہ جنابِ محمدؐ سے مخاطب ہو کر کہتا ہے۔

"یا محمدؐ۔ حجرِ اسود کو مقررہ مقام پر نصب کرنے کے سلسلہ میں زبردست نزاع پیدا ہو چکی ہے۔ ہر قبیلہ اس شرف کو حاصل کرنے کے لیے مرنے مارنے پر تُل گیا ہے۔ مَیں نے خون خرابے کو روکنے اور اس کا حل نکالنے کے لیے تجویز پیش کی تھی کہ بابُ الصّفا سے جو قریشی اب سب سے پہلے داخل ہو گا، وہی ہمارا حکم ہو گا۔ اس وقت سب سے پہلے آپؐ اندر آئے ہیں۔ لہٰذا اس کا فیصلہ کریں۔ ہم سب آپؐ کا حکم ماننے کے پابند ہیں۔"

محمدؐ :۔ "(حاضرین سے مخاطب ہو کر) کیا آپ لوگ میرا فیصلہ تسلیم کریں گے۔"

مجمع :۔ "بے شک۔ بے شک۔ ہمیں آپؐ کا فیصلہ بسر و چشم قبول ہے۔ کیونکہ آپؐ امین اور صادق ہیں۔ آپؐ یقیناً انصاف کریں گے۔ ہم

آپ کے فیصلہ کو قبول کرنے کے پابند ہیں۔"

محمدؐ اپنی چادر زمین پر بچھا کر حجرِ اسود کو اس پر رکھ دیتے ہیں۔ پھر حاضرین سے مخاطب ہو کر فرماتے ہیں۔

"اب ہر قبیلے کا سردار اس چادر کو تھام لے۔"

مجمع میں سے ہر قبیلے کا ایک ایک نمائندہ آگے بڑھ کر محمدؐ کی چادر کا کنارہ تھام لیتا ہے۔

محمدؐ:۔ "اب اس چادر کو مقامِ مقررہ تک لے چلو۔"

یہ نمائندے چادر کو تھامے ہوئے جب دیوارِ کعبہ کے پاس اس جگہ پہنچ جاتے ہیں جہاں حجرِ اسود کو نصب کرنا مقصود ہے تو محمدؐ آگے بڑھ کر حجرِ اسود کو اپنے ہاتھوں سے دیوار میں نصب کر دیتے ہیں۔ مجمع میں خوشی کی لہر دوڑ جاتی ہے۔ تلواریں میانوں میں چلی جاتی ہیں۔ نفرت کی آگ بجھ جاتی ہے۔ دلوں سے عداوت کا کانٹا نکل جاتا ہے۔ ہر نمائندہ اس سعادت پر مسرور ہے۔ ہر قبیلہ اپنی نمائندگی پر شاداں و فرحاں ہے۔

محمدؐ کی فراست اور دیانت نے اس خون آشام مسئلے کو چشم زدن میں حل کر دیا ہے۔ نہ کسی کو بے انصافی کا گلہ ہے نہ محرومی کا شکوہ —— ہر کسی کو نمائندگی مل گئی ہے جس الجھن میں قریش کے بڑے بڑے سردار پانچ روز سے مبتلا تھے اسے جنابِ محمدؐ نے اس عمدگی سے حل کر دیا ہے کہ عرش سے فرش تک مسرت کی لہر دوڑ گئی ہے۔ اور حرمِ کعبہ کہہ رہا ہے۔

"یا محمدؐ۔ آپؐ نے میری لاج رکھ لی ہے۔ مجھے خون کی چھینٹوں سے بچا لیا ہے۔ آپؐ کے تدبر نے میری تعمیر کو آسان کر دیا ہے۔ آپؐ پر لاکھوں سلام ہوں۔ آپؐ نے سلامتی کی راہ کھول دی ہے۔"

کعبہ کی تعمیر چند دنوں میں مکمل ہو گئی۔ کیونکہ اب کوئی پیچیدہ مسئلہ باقی نہیں رہا تھا۔ کعبہ کے ستونوں پر چھت ڈال دی گئی۔ اور اندر داخل ہونے کے لیے ایک دروازہ

رکھ دیا گیا۔ جس کے پاس ہی ہبل کا بُت ہے۔ اور عمارت کی کرسی اتنی اونچی رکھی گئی ہے کہ زینہ لگانا پڑے اور کچھ جگہ چار دیواری (بنائے ابراہیمی) سے باہر چھوڑ دی گئی تاکہ مسالہ کم خرچ آئے۔ یہ جگہ حطیم کہلاتی ہے۔

۳۹

محمدؐ کی عمر کا سینتیسواں سال ہے۔ مکہ ایک بار پھر قحط کی لپیٹ میں آگیا ہے خشک سالی نے زبوں حالی پیدا کردی ہے۔ بڑے بڑے سرمایہ دار پریشان ہوگئے ہیں کاروبار چوپٹ ہو کر رہ گیا ہے۔ اناج، گھاس اور دودھ کی سخت قلت ہوگئی ہے۔ لوگ فاقوں سے مر رہے ہیں لیکن سُود خوروں کی بن آئی ہے۔ مفلوک الحال غریب ان سے بھاری شرح پر قرض لینے پر مجبور ہیں۔ پیٹ کی آگ بجھانے کے لیے اس کے علاوہ کوئی اور چارۂ کار نہیں ہے۔ گراں فروش من مانی قیمت وصول کرتے ہیں۔ ارزنکاز کے رسیا بھاؤ چڑھ جانے کی امید میں غلّے وغیرہ کو گوداموں میں جمع کیے ہوئے ہیں۔ ان لوگوں کے دلوں میں ہمدردی کی بجائے سختی بڑھ گئی ہے۔ دولت چیز ہی ایسی ہے جب کسی کو چھب دکھاتی ہے تو اسے بُری طرح اپنا غلام بنالیتی ہے۔ پھر حصولِ دولت ہی مقصدِ حیات بن جاتا ہے۔

اس وقت مکہ کے سب مہاجن بڑے کبر و نخوت سے اپنا کاروبار چلا رہے ہیں۔ اور بھوکے ننگے عوام ان کی چوکھٹ پر سجدہ ریز ہیں تاکہ کھانے کو کچھ حاصل کرسکیں۔

مگر اسی شہر میں جنابِ محمدؐ ہیں کہ ان کا دروازہ ہر مفلس و محتاج کے لیے کھُلا ہے۔ یہاں بھوکوں کو روٹی ملتی ہے۔ محتاجوں کی ضرورت پوری کی جاتی ہے۔ بیرونِ مکہ سے غلّہ منگوا کر مفت تقسیم کیا جاتا ہے۔ ان کی رفیقۂ حیات خدیجہؓ اس سخاوت و ہمدردی میں اپنے سخی شوہر کا پورا پورا ساتھ دے رہی ہیں۔ ان کی دولت کا بیشتر حصّہ خیرات میں خرچ ہو رہا ہے۔ اس پاکباز جوڑے نے بہتوں کو موت کے منہ سے بچایا ہے۔ لوگ رفتے

ہوئے آئے اور ہنستے ہوئے واپس گئے ہیں۔ پورے مکہ میں ان کی فیاضی کی دھوم مچ گئی ہے۔

محمدؐ کے پیارے چچا ابو طالب اس قحط کی وجہ سے بے حد پریشان ہیں۔ ان کی مالی حالت پہلے ہی بہت کمزور تھی۔ اب بالکل دگرگوں ہو گئی ہے۔ اولاد بھی زیادہ ہے۔ طالب کے بعد عقیل۔ عقیل کے بعد جعفر پیدا ہوئے۔ لیکن اب تو علیؑ بھی پانچ سال کے ہو چکے ہیں۔ اور دو لڑکیاں ان کے علاوہ ہیں۔ دونوں میاں بیوی خود بھی اس کنبے میں شامل ہیں۔ اس لیے تنگ دستی اور عسرت نے نڈھال کر دیا ہے۔ محمدؐ کو ان کی یہ حالت دیکھ کر بے حد دکھ ہوتا ہے۔ انہیں ابوطالب کی شفقت اور چچی فاطمہ کی محبت تڑپاتے دیتی ہے۔ ان کے دوسرے چچا عباس بنو ہاشم کے رئیس ہیں۔ اور نہایت خوشحالی کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ جنابِ محمدؐ ایک روز ان سے کہتے ہیں۔

"عم محترم۔ قحط کی وجہ سے چچا ابوطالب کی حالت بہت تکلیف دہ ہو چکی ہے۔ ان کی مدد کرنا ہمارا فرض ہے۔"

عباس "بے شک۔"

محمدؐ "آئیے (چلئے) ان کی مدد کریں۔"

عباس "کس طرح؟"

محمدؐ "ان کا ایک بیٹا آپ اپنے گھر لے جائیں۔ اور ایک کو میں اپنی کفالت میں لے لیتا ہوں۔ اس طرح ان کا بوجھ ہلکا ہو جائے گا۔"

عباس "آپ کی یہ تجویز بہت عمدہ ہے۔ مجھے اس سے پورا پورا اتفاق ہے۔"

محمدؐ "علیؑ کو میں لے لیتا ہوں۔"

عباس "جعفر (رضی اللہ عنہ) کا کفیل میں بن جاتا ہوں۔"

محمدؐ "آئیے۔ چچا کے پاس چلیں۔"

دونوں ابوطالب کے پاس جاتے ہیں۔ اور ان سے سارا ماجرا کہہ کر پرورش کے

لیے دونوں لڑکوں کو لے لیتے ہیں۔ علیؓ تو محمدؐ کے پاس آ گئے ہیں۔ اور جعفرؓ عباسؓ کے گھر پہنچ جاتے ہیں۔ اس طرح ابوطالب کی پریشانیوں میں کمی آجاتی ہے۔

۴۰

خدیجہؓ کے گھر میں اب بچوں کی وجہ سے بے حد رونق ہے۔ اس گھر میں زینبؓ[۱۵۸] ہیں۔ زیدؓ ہیں، علیؓ ہیں۔ ہند بن ابی ہالہ[۱۵۹] ہیں۔ دو ننھی ننھی گڑیاں رقیہ[۱۶۰] اور ام کلثومؓ[۱۶۱] ہیں۔ یہیں سب کی پرورش ہو رہی ہے۔ لیکن عرب کے دستور کے مطابق کمسنی میں ہی لڑکیوں کی منگنی کر دی گئی ہے۔

زینبؓ کی منگنی خدیجہؓ کی بہن ہالہ کے بیٹے ابوالعاص بن امیہ بن عبد شمس سے۔ رقیہؓ کی ابولہب کے بیٹے عتبہ سے اور ام کلثومؓ کی ابولہب کے دوسرے بیٹے عتیبہ سے کر دی گئی ہے۔

زینبؓ ابھی آٹھ نو سال کی ہیں۔ لیکن ان کی ہونے والی ساس ہالہ بنت خویلد نے اپنی بہن خدیجہؓ سے ان کی شادی کے لیے بار بار تقاضہ شروع کر دیا ہے۔ عربوں میں یوں بھی کم سنی میں شادی کا رواج ہے۔ لڑکیاں چھوٹی عمر میں ہی بالغ ہو جاتی ہیں۔ خدیجہؓ کچھ عرصہ سے ٹالتی چلی آ رہی ہیں۔

خدیجہؓ "زینب میری بچی ابھی تو گڑیا سی ہے۔ ذرا بڑی ہو جائے تو شادی کر دوں گی۔"

ہالہ "آپا۔ مجھے گڑیا ہی درکار ہے۔ میں اسے اپنے گھر کی رونق بناؤں گی۔"

خدیجہؓ "مجھے تو انکار نہیں۔ لیکن ابوالقاسم سے بھی بات کر لوں۔"

ہالہ "ہاں۔ ہاں اگر آپ کہیں تو میں خود ان سے درخواست کروں۔"

خدیجہؓ "نہیں۔ میں آج ان سے بات کروں گی۔ اور کل تمہیں جواب دوں گی۔"
ہالہ "بھول نہ جایئے۔ میں کل ضرور آؤں گی۔ میں ابوالعاص کو جلد از جلد دولہا بنتے دیکھنا چاہتی ہوں۔"

شام کو اوقاتِ فرصت میں خدیجہؓ محمدؐ سے ہالہ کی اس بات کا ذکر کرتی ہیں۔

خدیجہؓ "ہالہ کئی دنوں سے متواتر اصرار کر رہی ہیں کہ زینبؓ کی شادی کر دیجائے۔"
محمدؐ "پھر آپ نے کیا جواب دیا۔"
خدیجہؓ "میں نے اسے زیادہ دنوں تک ٹالنا مناسب نہیں سمجھا ہے۔ اس لیے آپؐ کی رائے معلوم کرنا چاہتی ہوں۔"
محمدؐ "جس طرح آپ مناسب سمجھیں۔ مجھے اس میں کوئی اعتراض نہ ہوگا۔"
خدیجہؓ "میرے خیال میں اس ذمہ داری سے سبکدوش ہو جانا ہی بہتر ہے۔"
محمدؐ "لڑکیوں کو آج یا کل اپنے گھر جانا ہی ہے۔ پھر زیادہ دنوں تک ٹالتے رہنے سے کیا فائدہ ہوگا۔ بہتر یہی ہے کہ دن مقرر کر کے شادی کا انتظام کیا جائے۔"
خدیجہؓ "مجھے آپؐ کی رضامندی کی ضرورت تھی۔ باقی بندوبست میں خود کر لوں گی۔ آپؐ اطمینان رکھیں۔"

دوسرے دن ہالہ سے شادی کا دن طے کر کے اس کی تیاریاں شروع کر دی جاتی ہیں۔ زینبؓ کے والد امین قریش جناب محمدؐ ہیں۔ اور والدہ رئیسۂ قریش خدیجہؓ ہیں۔ اس لیے دعوتوں کا انتظام کیا جا رہا ہے۔ جہیز کی فہرست مرتب ہو چکی ہے۔ رؤسائے مکہ کو دعوت نامے بھیجے جا رہے ہیں۔ لونڈی غلام گھر کو سجانے اور ضروری سامان فراہم کرنے میں مصروف ہیں۔ ہالہ کے گھر میں ابوالعاص کو دولہا بنایا جا رہا ہے۔ وہ مکہ کے شریف اور متمول تاجر ہیں۔ اس لیے بڑے ٹھاٹھ سے شادی کی تیاریاں کی جا رہی ہیں۔

آج شادی کا دن ہے۔ زینبؓ دلہن بنی بیٹھی ہیں۔ ابوالعاص دولہا بن کر آ گئے ہیں۔ برات میں مکّہ کے بڑے بڑے رئیس شامل ہیں۔ میزبانوں میں بنو ہاشم کے سب معزز افراد موجود ہیں۔ نکاح پڑھا گیا ہے۔ دسترخوان بچھ گئے ہیں۔ اور نہایت پُرتکلف کھانوں سے حاضرین کی تواضع کی جا رہی ہے۔ اس دن کے لیے دلہن کے بہادر دادا اور جنابِ محمدؐ کے شیر دل چچا حمزہؓ ہرن کا شکار کر کے لاتے تھے۔ تاکہ مہمانوں کو اس کے کباب کھلائے جائیں۔ یہ کباب خود خدیجہؓ نے اپنے ہاتھ سے تیار کیے ہیں۔ اس لیے بے حد لذیذ ہیں۔ جو کھاتا ہے انگلیاں چاٹتا رہ جاتا ہے۔ یوں تو ہر پکوان کی تعریف ہو رہی ہے۔ لیکن کبابوں کے معاملے میں سب رطب اللسان ہیں۔ حمزہؓ خوش ہو کر کہتے ہیں۔

"جس ہرن کو حمزہ نے شکار کیا ہو۔ اور اس کے کباب خدیجہؓ نے تیار کیے ہوں۔ اگر اس محفل میں ان کا ذکر بار بار نہ آتے۔ تو پھر کس کا تذکرہ ہو گا۔"

اس پر ایک قہقہہ بلند ہوتا ہے۔ لوگ کھانے کے ساتھ ساتھ دلچسپ باتوں میں محو ہیں۔ اتنے میں ایک مہمان کہتا ہے۔

"ہاں۔ ہاں۔ کھانے پینے کے نہایت عمدہ سامان موجود ہیں۔ پکوان بھی خوب ہیں۔ لیکن ایک چیز کی کمی شدت سے محسوس ہو رہی ہے!"

"وہ کیا؟" دوسرا بولتا ہے۔

"شراب۔"

اس پر زوردار قہقہہ بلند ہوتا ہے۔ اور کئی آوازیں ایک ساتھ سنائی دیتی ہیں۔

"اس کی کمی تو ہم بھی محسوس کرتے ہیں۔"

"لیکن اس کے اظہار کی ہمت نہیں ہوتی تھی۔" پہلا مہمان کہتا ہے۔

مہمان صورتِ استفہام بن گئے ہیں۔ خدیجہؓ ان کا مطلب خوب سمجھتی ہیں۔ ابولہب کی بیوی ام جمیل کہتی ہے۔

"خدیجہؓ! اگر شراب گھر میں موجود نہیں ہے تو بازار سے منگوا لو۔"

ابو لہب اس کی تائید کرتے ہوئے کہتا ہے۔

"ہاں۔ ہاں۔ بازار سے منگوا لیتے ہیں۔ کیا حرج ہے۔ شراب کے بغیر اس پُر تکلف دعوت کا مزہ کرکرہ ہو جائے گا۔"

خدیجہؓ نہایت پُر وقار لہجے میں جواب دیتی ہیں۔

"ہند کی موت کے بعد ہی میرے گھر میں شراب کے لیے کوئی گنجائش نہ تھی۔ لیکن جب سے ابو القاسمؐ یہاں تشریف لاتے ہیں۔ اس کا امکان بھی جاتا رہا ہے۔ آپ کو معلوم ہے وہ اسے سخت ناپسند کرتے ہیں۔"

یہ سن کر ولید کہتا ہے۔

"جس چیز کو لوگوں نے مدت العمر کے تجربات کے بعد ترک کیا ہے۔ اسے محمدؐ نے نو عمری سے ہی چھوا تک نہیں ہے۔ عبداللہ بن جدعان اور عثمان بن مظعون نے مدتوں سے شراب نہیں پی۔ یہ تو محمدؐ کا گھر ہے۔ یہاں اس کا گزر کیسے ممکن ہے۔"

"مہمانوں کی خاطر ہی سہی۔" ایک طرف سے نحیف سی آواز سنائی دیتی ہے۔

محمدؐ:۔ "جسے میں خود ناپسند کرتا ہوں۔ اسے آپ کے لیے کس طرح پسند کر سکتا ہوں۔"

اس کے بعد موضوعِ گفتگو کاروبار کی طرف بدل جاتا ہے۔ اور باتوں ہی باتوں میں خدیجہؓ سے سود کی شرح وغیرہ کے متعلق پوچھا جاتا ہے۔ جس کے جواب میں وہ کہتی ہیں۔

"ابو القاسم سودی کاروبار سے سخت نفرت کرتے ہیں۔"

"پھر تو آمدنی بھی خاصی کم ہو گئی ہو گی۔" ابو لہب پوچھتا ہے۔

خدیجہؓ جواب دیتی ہیں۔ "کوئی خاص کمی واقع نہیں ہوئی ہے۔ بلکہ کاروبار بڑھ گیا ہے۔ حالانکہ ابو القاسمؐ سود لینے کی بجائے دوسروں کو مالی امداد دیتے رہتے

ہیں۔"

ابولہب خاموش ہو جاتا ہے۔ مہمان کھانا کھا چکے ہیں۔ مجلس برخاست ہونے کو ہے۔ دلہن کے وداع ہونے کا وقت آگیا ہے۔ ام جمیل اپنے خاوند سے کہتی ہے۔

"اسی مجلس میں رقیہؓ اور ام کلثومؓ کی شادی کی تاریخ مقرر کر لو۔ پھر ایسا اچھا موقعہ نہیں ملے گا۔"

ابولہب اپنے بھتیجے محمدؐ سے مخاطب ہو کر کہتا ہے۔

"بھتیجے۔ اچھا ہوا تم نے زینبؓ کی شادی کا فرض ادا کر دیا۔ اب ہمیں بتاؤ۔ عتبہ اور عتیبہ[۱۶۲] کو کس دن لے کر آئیں۔"

محمدؐ "چچا جان۔ کچھ وقت دیجیے۔"

ابولہب "کب تک۔"

محمدؐ "زیادہ دیر نہیں ہو گی۔"

خدیجہؓ "ابھی تو بچیاں بہت ہی کم سن ہیں۔"

ابولہب "بچیاں تو سسرال میں ہی جا کر جوان ہوتی ہیں۔ اور پھر میرا گھر تو ان کا اپنا گھر ہے۔ ہنستے کھیلتے جوان ہو جائیں گی۔"

محمدؐ "چچا جان۔ ہم مشورہ کر کے آپ کو اطلاع دیں گے۔"

برات زینبؓ کی ڈولی کے ساتھ رخصت ہو جاتی ہے۔ بچی کی روانگی کا نظارہ اس قدر دردناک ہے کہ اس کے شفیق باپ کی آنکھیں پُرنم ہیں۔ ماں کے آنسو بہہ رہے ہیں۔ فضا بوجھل سی ہو گئی ہے۔ ان کی زبانیں خاموش لیکن دل دعا سے معمور ہیں۔ اور زینبؓ کی تصویر یہ کہتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔

"اچھی امّی آپ کی جدائی کے غم سے میرا دل روتا ہے۔ آپ کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر مجھ پر رقت طاری ہو جاتی ہے۔"

پیارے ابو میرے دل میں آپ کی شفقت کا چراغ ہمیشہ روشن رہیگا۔

امّی جان کی محبت کلیوں کی طرح مہکتی رہے گی۔ جن کی خوشبو دکھ درد میں

فرحت بخش ہو گی۔

میرے اچھے ابی وامی۔ ماں باپ کو لڑکیوں کی جدائی کا داغ دیکھنا ہی پڑتا ہے۔ اس غم کو میرے لیے دعاؤں میں تبدیل کر دیں۔ اس سے آپ کو سکون اور مجھے خوشی ہو گی۔"

اس کے تھوڑے ہی عرصہ بعد رقیہؓ اور ام کلثومؓ کی شادی کم سنی میں ہی ابولہب کے بیٹوں عتبہ اور عتیبہ سے ہو جاتی ہے۔ اور اب کاشانہ محمدؐ میں صرف زیدؓ۔ علیؓ اور ہندؓ رہ جاتے ہیں۔

۴۱

محمدؐ کی عمر اب اکتالیس سال سے زائد ہو چکی ہے۔ وہ اپنی بیٹیوں زینبؓ، رقیہؓ اور ام کلثومؓ کی شادیوں سے فارغ ہو چکے ہیں۔ فاطمہؓ ابھی دودھ پیتی بچی ہے۔ علیؓ کمسن ہیں۔ زیدؓ نوجوان ہیں۔ تجارت کا کاروبار زیادہ تر کارندوں کے سپرد ہے۔ تنگ دستی کی فکر نہیں رہی ہے۔ خدیجہؓ کی ساری جائداد آپؐ کے لیے ہے جس طرح چاہیں خرچ کریں۔ اتنی فراغت اور دولت کسی دوسرے کے پاس ہو تو عیش و نشاط کی بساط بچھا دے۔ طائف کے بازار خرید لے۔ آسائش کے سب سامان ڈھونڈنے لگے۔ کیونکہ امارت جب آتی ہے تو بڑی شان و شوکت اور چمک دمک سے جلوہ گر ہوتی ہے۔ ہوا کے دوش پر آتی ہے۔ اور فرشِ خاک پر رنگینیوں کے پھول بکھیرتی چلی جاتی ہے۔ مکہ کے سردار نام و نمود کے رسیا اور عیش و عشرت کے دلدادہ ہیں۔ ان کی راتیں رنگین اور دن حسین ہیں۔ شراب و شاہد سے دل بہلاتے ہیں۔ دولت کے انبار دیکھ دیکھ کر خوش ہوتے ہیں لیکن جناب محمدؐ ہیں جنہوں نے فراغت کو ریاضت اور دولت کو عبادت میں تبدیل کر دیا ہے۔

انہیں عزلت گزینی مرغوب ہے۔ تنہائی سے محبت ہے۔ غور و فکر سے شغف ہے۔ سن شعور سے لے کر آج تک انہوں نے زندگی اور کائنات کے جن بڑے بڑے مسئلوں پر سوچا تھا اب ان پر توجہ بڑھ گئی ہے۔ وہ اسرار کائنات کو پا لینے کے لیے مضطرب ہیں۔ یہ اضطراب تنہائی چاہتا ہے۔ تفکر کا متقاضی ہے۔ دلِ مضطر اس گوشۂ تنہائی کا متلاشی ہے جہاں کوئی نہ ہو۔ جہاں کسی کے آنے کا امکان تک نہ ہو۔ دولت محلات کو ڈھونڈتی

ہے۔ لیکن محمدؐ ویرانے کی تلاش میں ہیں۔ فراغت جلوت چاہتی ہے لیکن محمدؐ کو خلوت کی جستجو ہے۔ وہ دنیا کی نظروں سے چھپ کر اس حقیقت کو عیاں دیکھنا چاہتے ہیں۔ کائنات کے سربستہ رازوں سے آشنا ہونے کی تڑپ اب ہر روز بڑھتی جا رہی ہے۔ ان کی سوچ کے تین بڑے نقطے خالق، مخلوق اور مقصود ہیں جنہیں سمجھنے کے لیے مکمل تنہائی اور یکسوئی کی ضرورت ہے۔ سوچ کا یہ سیمابی دھارا لحظہ بہ لحظہ تیز رفتار ہوتا جا رہا ہے۔ روح کا یہ ملکوتی اور مقدّس اضطراب محبوب حقیقی تک پہنچنے کے لیے سمند شوق کو مہمیز لگا رہا ہے۔ اور روح پکار پکار کر کہہ رہی ہے۔

"اے معبود حقیقی تو کہاں ہے۔ کیوں اپنے چہرے سے نقاب نہیں الٹ دیتا۔ کیوں اپنے جمال جہاں آرا سے ان تاریکیوں کو دور نہیں کرتا جن سے میں مضطرب ہوں۔"[۱۶۳]

۴۲

اللہ جل شانہٗ نے دامانِ کوہسار میں دلفریبیوں کی وسیع و عریض قنات بچھادی ہے۔ جہاں جاذبیت و دلکشی کے سامان موجود ہیں۔ اور قدم قدم پر دعوتِ نظارہ کے ساتھ دعوتِ غور و فکر کا اہتمام بھی ہے۔ پہاڑوں کی رفعت اور ندی نالوں کی پستی خود خالقِ اکبر کی عظمت و ہیبت کی نشانیاں ہیں۔ ان میں جابجا غاروں کا وجود گویا راحت و سکون کے مراکز ہیں۔ جہاں اکثر انبیاء و رسل نے تلاشِ سکون اور یکسوئی قلب کے لیے بارہا پناہ لی ہے۔ ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ قبول ہونے کے بعد ان کی ملاقات حضرت حوّا سے جبل رحمت پر ہوئی۔ طوفانِ نوح میں حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی کوہ جودی (ارارط) پر جاکر ٹھہری۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تجلّی و کلام الٰہی کا شرف کوہ طور پر حاصل ہوا۔ اصحابِ کہف کا ذکر قرآن مجید میں موجود ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے عبادت کے لیے بیت المقدس کے پاس کوہ زیتون کے ایک غار میں قیام فرمایا ——— محمدؐ نے بھی تحنث[۱۶۴] کے لیے غارِ حرا[۱۶۵] کو پسند فرمایا۔

مکہ شب کی سیاہی کے دبیز پردوں میں مستور ہے۔ تاہم ٹمٹماتی ہوئی روشنیاں مختلف جگہوں پر نظر آتی ہیں۔ اگرچہ آدھی رات ہونے کو آئی ہے۔ لیکن چوپالوں میں رقص و سرود کی محفلیں ابھی تک اپنے جوبن پر ہیں۔ قمار بازی کے اڈوں کی رونق بدستور قائم ہے۔ میخانوں میں نائے نوش اور ہاؤ ہو کے ہنگامے ہنوز زوروں پر ہیں۔ قحبہ خانوں میں ابلیس ابھی تک محوِ رقص ہے۔ غرض عیش و نشاط کی جانی پہچانی راہیں سب اپنے اپنے راہ نوردوں سے معمور

ہیں۔ مفاسد کے ان سرچشموں سے ہٹ کر البتہ دن بھر کے تھکے ماندے گڈریے نیند کے نشے میں مدہوش پڑے ہیں اور کہیں کہیں بچوں کے رونے یا کبھی کسی بوڑھے کے کھانسنے کی آواز سنائی دیتی ہے۔

سرزمینِ عرب کے اس مرکزی شہر کی ہر رات ایسی ہی ہوتی ہے لیکن مکہ کی ان دلفریبیوں سے تین میل دُور جبلِ نور کی انتہائی بلندی سے ذرا نیچے ایک غار میں آدھی رات کی ان بھیانک گھڑیوں میں بھی رنج و راحت سے بے نیاز کوئی سربسجود ہے۔ اگرچہ بے حد تاریک رات اور ہُو کا عالم ہے، تنہائی اور خاموشی ہر طرف محیط ہے، جابجا حشرات الارض رینگتے پھر رہے ہیں لیکن وہ یکہ و تنہا اس سنسان اور ویران غار میں محوِ تحنث ہے۔

یہ آمنہ کے لال اور عبداللہ کے جگر گوشہ محمد ہیں۔ یہ دعائے خلیل اور نوید مسیحا ہیں۔ یہ مکہ کی سب سے پاک باز اور امیر خاتون کے سرتاج محمدؐ ہیں، جو اس بھیانک غار میں خالقِ اکبر کے جمالِ جہاں آرا کی ایک جھلک دیکھنے کے لیے بے تاب ہیں۔ یہاں شب کی سیاہی ہو یا دن کا اُجالا ہر حال میں محبت کی شمعیں فروزاں ہیں۔ اس لیے مہر و ماہ کو بھی ان کے غور و فکر اور انتظار و تصور میں مخل ہونے کی جرأت نہیں ہوتی اور وہ غار کے پہلو سے دامن بچا کر محوِ سفر رہتے ہیں۔

محمدؐ۔ اولادِ آدم کی گمراہی کا غم سینے میں دبائے اندھیری راتوں میں اسی طرح اپنے خالق و مالک سے ہدایت کے طالب رہتے ہیں۔ ہر روز روزِ امید اور ہر شب شبِ نوید کا یقین ہے۔ تاہم بے تابی اور بیقراری ہر لحظہ بڑھتی جاتی ہے۔ کیونکہ محبت کے اس آتش فشاں کے انفجار کا وقت اب قریب آپہنچا ہے۔

آج ۹ ربیع الاوّل دوشنبہ (۱۲ فروری ۶۱۰ء) ہے۔ محمدؐ اپنی عمر کے اکتالیس سال تین ماہ اور سولہ دن گزار چکے ہیں۔ اور رات کی تاریکی میں اس وقت بھی غارِ حرا میں محوِ تحنث ہیں۔ جذب کی سی کیفیت طاری ہے۔ یکایک غار تیز روشنی اور سرسراہٹ سے منور و معمور ہو جاتا ہے۔ آپؐ چونک اٹھتے ہیں۔

سامنے فرشتہ موجود ہے۔ آپؐ اسے اپنے سامنے یوں یکایک دیکھ کر حیران رہ

جاتے ہیں اور فرشتہ کہتا ہے۔

"محمدؐ، بشارت[۱۶۶] قبول فرمایئے۔ آپؐ اللہ کے رسول[۱۶۷] ہیں اور میں جبریل[۱۶۸] ہوں۔"

اللہ جل شانہٗ کا مقرب ترین فرشتہ اس کے محبوب ترین بندے کو بشارت دے کر غائب ہوگیا۔ یہی وہ مژدۂ جانفزا تھا جس کے انتظار میں ارض و سما کا ذرہ ذرہ ازل سے اب تک بے تاب تھا۔

۴۳

حضورؐ جبریل امین کے رخصت ہو جانے کے بعد جبلِ نور سے گھر کی طرف روانہ ہو جاتے ہیں۔ اضطراب کی ایک شدید کیفیت آپؐ پر طاری ہے۔ "یہ وہ مقدس اور ملکوتی اضطراب[۱۶۹] ہے جو اگر نہ ہو تو ایک نبی کے نبی ہونے کے لیے کوئی دلیل باقی نہیں رہتی۔"

حضورؐ گھر میں داخل ہوتے ہیں۔ خدیجہؓ ایک چوکی پر تشریف فرما ہیں۔ وہ اپنے پاکباز سرتاج کا چہرہ دیکھتے ہی بے چین ہو جاتی ہیں۔ انہیں روئے منور پر اضطراب کی لکیریں صاف نظر آتی ہیں۔ وہ بے قراری کے عالم میں آگے بڑھ کر قریب آجاتی ہیں اور حضورؐ ان سے فرماتے ہیں۔

"زملونی۔ زملونی" (مجھے اڑھادو۔ مجھے اڑھادو)

جاں نثار رفیقہ حیات نے لرزتے ہاتھوں سے جلدی جلدی ایک پلنگ پر بستر بچھایا۔ اور حضورؐ کے لیٹ جانے پر انہیں کمبل سے ڈھانپ دیا ہے۔ خدیجہؓ کے ہونٹ فرطِ غم سے کپکپا رہے ہیں۔ انہیں زبردست پریشانی لاحق ہو گئی ہے۔

"خدایا خیر ہو۔ ابوالقاسمؐ کو کیا ہو گیا ہے" ان کے لب ہلتے ہیں۔ لیکن آواز گلے میں رندھ کر رہ جاتی ہے۔

سوچ کی لہریں انہیں غارِ حرا تک پہنچا دیتی ہیں۔ جہاں انہوں نے خود کتنی بار اپنے سرتاج کو ستو اور پانی کا مشکیزہ پہنچایا ہے۔

"اوہ۔ آج کوئی غیر معمولی واقعہ پیش آیا ہے" انہوں نے دبی زبان سے کہا

اور آسمان کی طرف ملتجیانہ نظروں سے دیکھنے لگیں۔ اتنے میں حضورؐ کی طبیعت سنبھل گئی۔ انہوں نے روئے مبارک سے کپڑا سرکا دیا۔ انہیں یوں دیکھ کر خدیجہؓ کو سکون سا محسوس ہوا اور وہ آہستہ سے بول اٹھیں۔

"خدایا تیرا شکر ہے ابوالقاسمؐ کی طبیعت سنبھل گئی ہے۔ انہیں کیا ہو گیا تھا؟"

یہ سن کر حضورؐ کے رخ انور پر ہلکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ انہوں نے غارِ حرا میں جبرئیل امین کی آمد اور نبوت کی بشارت کا واقعہ سنانے کے بعد فرمایا۔

"خدیجہؓ! میں ایسے واقعات دیکھتا ہوں کہ مجھے اپنی جان کا ڈر ہو گیا ہے۔"[۱۷۰]

بیوی تو رفیقۂ حیات ہے اس سے بڑھ کر کون مونس و غم گسار ہو سکتا ہے۔ وہ خلوت و جلوت کی ہمراز ہے۔ اس سے شوہر کی زندگی کا کون سا گوشہ مستور رہ سکتا ہے پھر یہ رفاقت بھی پندرہ سالہ ہے۔ اس طویل عرصے میں بیوی نے اپنے سرتاج کے دل کی گہرائیوں میں بارہا جھانکا ہے۔ ان کی امنگوں اور آرزوؤں کو جانچا اور پرکھا ہے۔ انہیں دن کی روشنی اور رات کی تاریکی میں ہمیشہ معصوم، مخلص اور محبت پایا ہے۔ وہ اپنے سرتاج کی زبان سے ایسی بات سنتے ہی بے اختیار بول اٹھیں۔

"ہرگز نہیں۔ خدا کی قسم۔ خدا آپؐ کو کبھی اندوہ گین نہ کرے گا۔ آپؐ عزیزوں اور رشتہ داروں سے حسنِ سلوک کرتے ہیں۔ ناتوانوں، بیکسوں اور غریبوں کا بوجھ اٹھاتے ہیں۔

جن کے پاس کچھ نہیں ہوتا انہیں دیتے ہیں۔

مہمانوں کی تواضع کرتے ہیں۔

مصائب میں حق کے معاون و مددگار ہیں۔

آپؐ صادق القول ہیں۔"[۱۷۱]

خدیجہؓ جناب محمدؐ کو اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے آتی ہیں تاکہ اس

واقعہ کے متعلق مزید کچھ دریافت کریں۔ ورقہ عیسائی ہیں۔ بہت ضعیف اور نابینا ہیں۔
خدیجہؓ ان سے کہتی ہیں۔

"بھائی جان۔ ذرا اپنے بھتیجے کا قصہ تو سُنیئے۔"

ورقہ (جناب محمدؐ سے مخاطب ہو کر) بھتیجے۔ تم کو کیا نظر آیا۔"

جناب محمدؐ نے جو کچھ دیکھا اور سُنا تھا، ورقہ سے بیان کر دیا ہے۔ ورقہ غور سے سُنتے اور کچھ دیر تک سوچنے کے بعد کہتے ہیں۔

"یہ وہی ناموس اکبر ہے جو اللہ نے موسیٰ (علیہ السلام) پر نازل کیا تھا۔ کاش میں آپؐ کے زمانۂ نبوّت میں قوی جوان ہوتا۔
کاش میں اس وقت تک زندہ رہوں جب آپؐ کی قوم آپؐ کو نکالے گی۔"

"کیا یہ لوگ مجھے نکال دیں گے؟" جناب محمدؐ متعجب ہو کر پوچھتے ہیں۔

ورقہ "ہاں۔ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کوئی شخص وہ چیز لے کر آیا ہو جو آپؐ لائے ہیں اور اس سے دشمنی نہ کی گئی ہو۔ اگر میں نے آپؐ کا وہ زمانہ پایا تو میں آپؐ کی پُر زور مدد کروں گا۔"[۱۴۳]

واقعات کی ترتیبِ زمانی

واقعہ	وقت
۱۔ پیدائش حضورؐ صلی اللہ علیہ وسلم	موسم بہار میں دوشنبہ کے دن ۹ ربیع الاول سنہ ۱ عام الفیل واقعہ فیل کے ۵۰ دن بعد۔ بمطابق ۲۲ اپریل ۵۷۱ء بوقت صبح صادق (قبل از طلوع آفتاب) مشہور عام ۱۲ ربیع الاول ہے۔
۲۔ رضاعت	بہ عمر چار ماہ۔ پیدائش کے ۲-۳ روز بعد سے ثوبیہ (جو ابولہب کی کنیز تھی) کا دودھ حضورؐ نے کچھ وقت پیا۔ باقاعدہ دورِ رضاعت آپؐ نے دائی حلیمہ سعدیہ کے صحرائی گھر میں گزارا۔
۳۔ حضورؐ کی والدہ کا انتقال	بہ عمر ۶ سال
۴۔ حضورؐ کے دادا کا انتقال	بہ عمر ۸ سال ۲ ماہ ۱۰ دن
۵۔ پہلا سفر شام بمعیت جنابِ ابوطالب	بہ عمر ۱۲ سال ۲ ماہ۔ بحیرا راہب کا واقعہ اسی سفر سے متعلق مشہور ہے۔
۶۔ حربِ فجار میں شرکت بار اول	بہ عمر ۱۵ سال (یا کچھ زائد)
۷۔ حربِ فجار میں شرکت بار دوم	کچھ عرصہ بعد وقت کا تعین نہیں۔
۸۔ حلف الفضول میں شرکت	بہ عمر ۱۶ سال
۹۔ دوسرا سفر شام تاجرانہ حیثیت سے	بہ عمر ۲۳ یا ۲۴ سال

۱۰۔ ازدواج (حضرت خدیجہؓ سے)	بہ عمر ۲۵ سال ۲ ماہ ۱۰ دن
۱۱۔ غیبی اسرار کے ظہور کا آغاز	۷ سال قبل بعثت بہ عمر ۳۳ سال
۱۲۔ تحکیم	بہ عمر ۳۵ سال۔ حجرِ اسود نصب کرنے پر حَکَم بنائے گئے تھے۔
۱۳۔ بعثت	بہ عمر ۴۰ سال ۱۱ دن۔ ۹ ربیع الاوّل ۴۱ سال میلاد۔ بمطابق ۱۲ فروری ۶۱۰ء بروز دوشنبہ ۹ ربیع الاوّل بروز بعثت
۱۴۔ فرضیت نماز (فجر و عصر کی دو دو رکعتیں)	

تشریحات و تفصیلات

سلہ مکہ :- حجاز کا مشہور مقام جہاں خانہ کعبہ واقع ہے۔ روایات کے مطابق حضرت آدم علیہ السلام کے زمانہ سے متبرک مقام ہے۔ یہ قدیم زمانہ میں مغربی ایشیا کی تجارتی شاہراہ پر واقع ہونے کی وجہ سے ایشیا، افریقہ اور بحیرۂ روم کے علاقوں کی تجارت کا مرکز تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ سے اس کی مذہبی حیثیت بھی مسلّم ہو گئی۔ ظہورِ اسلام سے قبل اس کے پاس عکاظ کا مشہور بازار لگتا تھا اور اسی زمانہ میں حج ہوتا تھا جس میں شرکت کے لیے دُور و نزدیک سے لوگ آتے تھے اور بڑی رونق رہتی تھی۔ قریش یہاں کا مشہور قبیلہ تھا اور حرم کی خدمت اسی کے سپرد تھی۔ مکّہ کے قریب جو پہاڑیاں ہیں انہیں میں غارِ حرا واقع ہے۔

اس شہر کا پرانا نام بکّہ تھا۔ قرآن مجید میں اسی نام سے اس کا ذکر ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مقامِ پیدائش یہی شہر ہے۔ ۸ھ تک یہ شہر کفر کا مرکز بنا رہا۔ لیکن اس سن میں حضورؐ کی قیادت میں مسلمانوں نے اسے فتح کر لیا۔ اس وقت سے لے کر آج تک یہ شہر اسلامی دنیا کا سب سے اہم اور مقدس شہر ہے۔ اور ہر سال حج کے موقع پر تمام دنیا سے لاکھوں مسلمان یہاں جمع ہوتے رہتے ہیں۔ (اردو انسائیکلوپیڈیا صفحہ ۱۴۴۶۔ قرآن مجید سورہ آل عمران آیت ۹۶۔ رحمۃ للعالمین جلد اول صفحہ ۲۶۱)

سلہ حضرت ابراہیم علیہ السلام :- آپ حضرت مسیح علیہ السلام کی پیدائش سے کوئی دو ہزار سال قبل دریائے فرات کے بائیں کنارے بابل سے جانبِ جنوب مشرق مقامِ اُر میں

پیدا ہوئے۔ اس مقام کا موجودہ نام مغیرہ ہے۔ یہ شہر ۱۹۴۰ء کی کھدائی میں برآمد ہوا تھا۔ اُس وقت یہاں کا بادشاہ نمرود تھا۔ لوگ بُت پرست تھے اور نمرود کو بھی اپنے اللہ ہونے کا دعویٰ تھا۔

آپ کا والد آذر نمرود کا بہت بڑا عہدیدار تھا۔ اُس وقت ننار یعنی چاند دیوتا کی پوجا کا سب سے بڑا مندر اسی شہر میں موجود تھا۔ جب آپ نے بُت پرستی کے خلاف آواز اٹھائی تو سب سے پہلے آپ کے والد نے آپ پر ظلم کرنا شروع کر دیا۔ پھر نمرود نے آپ کو آگ میں ڈلوا دیا۔ لیکن اللہ کے حکم سے آگ ٹھنڈی ہو گئی۔ اور آپ سلامتی سے باہر آگئے۔ اس وقت صرف آپ کے بھتیجے حضرت لوط علیہ السلام (جو حاران کے بیٹے تھے) ہی ایسے شخص تھے جنہوں نے آپ کی رسالت کی تصدیق کی اور باقی لوگ اتنا بڑا معجزہ دیکھ کر بھی بُت پرست ہی رہے۔

آپ اپنی بیوی سارہ اور اپنے بھتیجے حضرت لوط علیہ السلام کو لے کر فلسطین میں چلے آئے۔ آپ کی بیوی ہاجرہ سے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام اور سارہ بی بی سے حضرت اسحاق علیہ السلام پیدا ہوئے۔ آپ کی قبر بیت المقدس سے چند میل دور الخلیل شہر میں ہے۔ آپ کا لقب خلیل اللہ ہے۔ (تفہیم القرآن۔ جلد اوّل صفحہ ۵۵۳-۵۵۴۔ اردو انسائیکلوپیڈیا صفحہ ۵۲)

سے حضرت ہاجرہ:۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دوسری بیوی ہیں۔ رحمۃ للعالمین جلد اول صفحہ ۲۳-۲۴ پر لکھا ہے۔ "حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی گزران کے لیے بھیڑ بکریاں رکھ لی تھیں۔ خدا نے ان میں برکت دی اور وہ بڑھ کر بہت سے گلّے بن گئے۔ امساکِ بارش سے وہ سرسبز میدان جہاں ان کے گلّے رہتے اور پلتے تھے جب کفدست میدان بن گیا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام وہاں سے آگے بڑھے چلے گئے اور مصر پہنچ گئے۔ مصر پر اس وقت جو بادشاہ تھا اس کا نام رقیون تھا۔ اور وہ دراصل بابل ہی کا باشندہ تھا۔ (ممکن ہے مصر جاتے ہوئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ہموطنی کے رشتہ کو وجہ تعارف خیال کر لیا ہو) بادشاہ مصر لے بی بی سرّہ (سارہ) کو اپنے ملک کی خاتون سمجھ کر اپنے لیے

پسند کیا لیکن خدا نے جلد ہی اسے معلوم کرا دیا کہ وہ خدا کے برگزیدہ نبی کی بیوی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السّلام کی اس نے بڑی قدر و منزلت کی اور جب وہ وہاں سے وطن کو واپس ہوتے تو اس نے اپنی بیٹی ہاجرہ بھی ساتھ کر دی تاکہ اس نیک خاندان میں اس کی تربیت ہو۔ اور وہ اپنے ہی ملک اور قدیم نسل کے باشندوں میں بیاہی جائے۔ سو اپنے مہمان نواز بادشاہ کی خوش آئند آرزو کو پورا کرنے کے لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ہاجرہ سے نکاح کر لیا۔ خدا نے انہیں پہلوٹھا بیٹا اسی کے بطن سے عنایت کیا۔ اس بچے کا نام اسماعیل علیہ السلام رکھا گیا۔

ہاجرہ کو صرف یہی شرف حاصل نہیں کہ وہ شہزادی ہیں، بلکہ توراۃ سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا کے ہاں بھی ان کا درجہ بالا تر تھا۔ خدا کے فرشتے ہاجرہ کے سامنے خود آتے اور خدا کا حکم انہیں پہنچایا کرتے تھے۔ (کتاب پیدائش ۱۶/۷ - ۲۱/۱۶ - ۱۰/۱۸)

۴۔ حضرت اسماعیل علیہ السّلام:۔ آپ حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے بڑے صاحبزادے تھے۔ آپ کی والدہ کا نام بی بی ہاجرہ ہے۔ ابھی آپ شیر خوار ہی تھے کہ آپ کے والد اللہ کے حکم سے آپ کو اور آپ کی والدہ کو اس بنجر اور ویران جگہ چھوڑ آئے جو مکہ معظمہ کے نام سے مشہور ہے۔ وہاں حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ایڑیوں کی ضرب سے چاہ زمزم برآمد ہوا۔ اور اس پانی کو دیکھ کر بنو جرہم یہاں آباد ہوتے جن میں حضرت اسماعیلؑ نے شادی کی۔ جب آپ کی عمر بارہ تیرہ سال کی ہوئی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا۔ "بیٹے میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ تمہیں ذبح کر رہا ہوں اب بتاؤ تمہاری کیا رائے ہے"؟ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے نہایت جرأت سے کہا۔ "آپ مجھے ثابت قدم پائیں گے"۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آپ کو ذبح کرنے کے لیے منہ کے بل لٹایا تو خدا کی طرف سے آواز آئی کہ ابراہیم تو نے اپنے خواب کو سچا کر دکھایا۔ ہم احسان کرنے والوں کو اسی طرح جزا دیا کرتے ہیں۔ اور ہم نے اس کے لیے ذبح عظیم کا فدیہ دیا۔ چنانچہ جبرائیلؑ ایک مینڈھا لائے جو حضرت اسماعیلؑ کی جگہ ذبح کیا گیا۔ یہی قربانی کی یادگار اب تک قائم ہے۔ (اردو انسائیکلوپیڈیا صفحہ ۱۱۱) آپ کے وفات کے بعد اپنی والدہ کی قبر کے برابر خانہ کعبہ کے متصل حجر کے اندر دفن کیے گئے تھے۔ (محمد رسول اللہ صفحہ ۶۷)

۵۔ بنو جرہم :۔ یہ عرب کا قدیم حکمران قبیلہ تھا۔ اور اس کا سردار مضاض اپنے علاقہ کا واحد فرمانروا تھا حضرت اسماعیل علیہ السلام کی شادی اسی مضاض کی بیٹی سے ہوئی تھی۔ (رحمۃ للعالمین جلد اوّل صفحہ ۲۶) حضورؐ کی پیدائش سے کچھ عرصہ قبل بنو خزاعہ نے بنو جرہم سے تولیت کعبہ چھین کر انہیں مکہ سے نکال دیا تھا۔

۶۔ خانہ کعبہ :۔ اسلامی روایات کے مطابق کعبہ کی تعمیر حضرت آدم علیہ السلام نے کی اور طوفان نوح کے بعد اس کی از سر نو تعمیر حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام نے کی۔ پھر کعبہ کی کلید برداری حضرت اسماعیلؑ کی اولاد میں رہی۔ حتیٰ کہ بنو جرہم اور پھر بنو خزاعہ نے اس پر قبضہ کر لیا۔ اور بت پرستی کی ابتدا کی۔ پھر اس پر قریش کا قبضہ ہوا جنہوں نے قدیم اسماعیلی نسل کا تسلسل جاری رکھا حضرت اسماعیل نے دوران تعمیر میں حضرت جبرائیل علیہ السلام سے حجر اسود حاصل کیا جو عمارت کعبہ کے جنوب مشرقی گوشے میں اب تک نصب ہے۔ اور اس کا استلام کرنا (بوسہ لینا) حج کا حصہ ہے۔ کعبہ مکہ کی عظیم الشان مسجد میں واقع ہے۔ یہ قدیم عرب کا بھی معبد تھا۔ یہ مختصر سی مربع شکل میں ہے۔ مسلمان کعبہ (قبلہ) کی طرف منہ کر کے نماز ادا کرتے ہیں۔ یہ مقدس اور انتہائی تعظیم کا مقام ہے۔ احتراماً اسے کعبہ شریف کہتے ہیں۔ (اردو انسائیکلو پیڈیا، صفحہ ۱۲۴۸)

کعبہ کو بیت العتیق بھی کہتے ہیں جس کے معنی ہیں قدیم، آزاد، مکرم اور معزز۔ اس کا طواف حجر اسود سے شروع کیا جاتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب اس کی تعمیر مکمل کی تو سب لوگوں کو حج کا اذن عام دے دیا تھا۔ اور وہاں اوّل روز سے ہی مقامی اور غیر مقامی باشندوں کے حقوق یکساں قرار دیئے گئے تھے۔ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ سے لے کر عربوں کے لیے مرکز وحدت رہا ہے۔ اسی کے حج کی بدولت عرب کی بدامنی میں بھی کم از کم چار مہینے امن کے میسر آجاتے تھے۔ جاہلیت کے زمانہ میں عرب جس طرح بتوں کا گوشت ان کے استھانوں پر چڑھاتے تھے۔ اسی طرح اللہ کے نام کی قربانی کا گوشت کعبہ کے سامنے لا کر رکھتے اور خون اس کی دیواروں پر مل دیتے تھے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی اولاد کو یہاں آباد کرتے وقت دعا کی تھی کہ اسے

پروردگار یہ میں نے اس لیے کیا ہے کہ یہ لوگ یہاں نماز قائم کریں۔ لہٰذا تو لوگوں کے دلوں کو ان کا مشتاق بنا اور انہیں کھانے کو پھل دے۔ چنانچہ اس دُعا کی برکت ہے کہ پہلے سارا عرب مکہ کی طرف حج اور عمرہ کے لیے کھنچ کر آتا تھا اور اب دنیا بھر کے لوگ کھنچ کھنچ کر وہاں آتے ہیں۔ پھر یہ بھی اس دعا کی برکت ہے کہ ہر زمانے میں ہر طرح کے پھل، غلّے اور دوسرے سامان رزق وہاں پہنچتے رہتے ہیں۔ حالانکہ اس وادیٔ غیر ذی زرع میں جانوروں کے لیے چارہ تک پیدا نہیں ہوتا۔

(تفہیم القرآن جلد سوم صفحہ ۲۱۹-۲۲۱ - جلد دوم صفحہ ۴۸۸-۴۹۱)

ے مقام ابراہیم:- قریش حضرت ابراہیم علیہ السّلام اور حضرت اسماعیل علیہ السّلام کی اولاد میں سے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدم کا نشان کعبے کے اندر مقام ابراہیم میں اب تک محفوظ ہے۔ ابن سعد کے مطابق ایک مرتبہ قبیلہ بنو خدیج کا ایک قیافہ شناس کھوجی مکہ آیا تو اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے متعلق کہا تھا کہ آپؐ کے قدم سے زیادہ مقام ابراہیم کے نقش سے کسی اور کو مشابہت نہیں ہے۔ یہاں نفل پڑھنے کا بڑا ثواب ہے۔

(رسول اکرمؐ کی سیاسی زندگی صفحہ ۴۳ - فٹ نوٹ)

ؔ عدنان:- حضرت اسماعیل علیہ السّلام کے دوسرے فرزند قیدار کے ۳۷ ویں پشت میں پوتے ہو گزرے ہیں۔ یہ نہایت اولوالعزم شخص تھے۔ ان کے چھوٹے بھائی عک نے یمن میں سلطنت قائم کر لی تھی (رحمۃ للعالمین جلد اول صفحہ ۲۸)

۹ے اسعد شاہ یمن:- (غلافِ کعبہ کی تاریخ، صفحہ ۱۵)

۱۰ے ابو ربیعہ:- (″ ″ ″ ″ ″)

۱۱ے نتیلہ:- (″ ″ ″ ″) (محمد رسول اللہ صفحہ ۶۹)

۱۲ے بنو خزاعہ:- قُصیّ نے قبضہ کیا تھا (رحمۃ للعالمین جلد اول، صفحہ ۲۸)

۱۳ے عبد المطّلب:- آپ کے والد کا نام ہاشم اور والدہ کا سلمٰی تھا۔ آپ مدینہ میں ۴۹۷ء میں پیدا ہوئے۔ پیدائش کے وقت آپ کے سر پر چند سفید بال تھے۔ اس لیے

والدہ نے آپ کا نام شیبہ (بڈھا) رکھا۔ آپ مدینہ میں سات سال تک رہے۔ پھر آپ کے چچا مُطلب کو پتہ چلا تو مدینہ سے لے آئے۔ جب آپ مکہ میں داخل ہوئے تو اپنے چچا کے پیچھے پھٹے پرانے کپڑوں میں ملبوس اونٹ پر سوار تھے۔ لوگوں نے پوچھا کون ہے تو مطلب نے کہا میرا غلام اس واسطے عبد المطلب مشہور ہوئے (سیرت رسول عربی صفحہ ۲۵) (سیرت ابن ہشام مطبوعہ مقبول اکیڈیمی لاہور اردو ترجمہ صفحہ ۲۷) مُطلب ان کا چچا تھا جس نے انہیں پالا تھا اس لیے شکر گزاری میں تمام عمر عبد المطلب ہی کہلائے۔

(رحمۃ للعالمین۔ جلد اول، صفحہ ۲۸)

آپ بڑے وجیہہ اور اولوالعزم تھے کعبہ کی تولیت آپ کے سپرد تھی۔ مکہ کی سرداری بھی آپ کے پاس تھی۔ ابرہہ بادشاہ نے جب کعبہ پر حملہ کیا تھا تو آپ نے اس سے بحیثیت سردار مکہ گفتگو کی تھی حضورؐ سے بے حد محبت کرتے تھے۔ آپ نے ۸۸ سال کی عمر میں انتقال کیا اور حجون میں دفن ہوئے۔

(اردو انسائیکلو پیڈیا۔ صفحہ ۱۰۵۷)

آپ مکے کے ان چند لوگوں میں سے تھے جو شراب نہیں پیا کرتے تھے۔

(رسول اکرمؐ کی سیاسی زندگی۔ صفحہ ۴۲)

۱۴ حارث :۔ آپ عبد المطلب کے بڑے لڑکے تھے جو ان کی زندگی میں ہی فوت ہو گئے تھے۔ جب حضرت عبد اللہ کے مدینہ میں بیمار پڑ جانے کی خبر ملی تو عبد المطلب نے انہیں ہی مدینہ بھیجا تھا کہ حضرت عبد اللہ کو لے آئیں۔ لیکن ان کے وہاں پہنچنے سے پیشتر ہی حضرت عبد اللہ کا انتقال ہو چکا تھا (محمد عربی صفحہ ۲۵) چاہ زمزم کی کھدائی کے وقت تک صرف حارث ہی عبد المطلب کے اکلوتے لڑکے تھے۔ (سیرت ابن ہشام۔ صفحہ ۴۷)

۱۵ خواب :۔ (سیرت ابن ہشام صفحہ ۷۷) (سیرت رسول عربی صفحہ ۳۷)

۱۶ عبد المطلب کے بیٹے :۔ عبد المطلب کے بیٹوں کی تعداد اور ان کے ناموں کے متعلق کئی روایتیں ہیں۔ لیکن جن دس ناموں پر سب متفق ہیں وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

حارث۔ ابوطالب۔ عبد اللہ۔ ابولہب۔ مغیرہ۔ حمزہ۔ ضرار۔ قثم۔ زبیر

عباس اور مصعب۔ بعض روایات میں بیٹوں کی تعداد تیرہ بتائی گئی ہے۔
(رحمۃ للعالمین۔ جلد دوم) (سیرت رسول عربی۔ صفحہ ۳۹)

۸۔ سقایہ۔ حاجیوں کو پانی پلانے کی ذمہ داری۔ یہ متولیانِ کعبہ کا ایک باقاعدہ منصب تھا۔

۹+۷۔ اساف اور نائلہ:۔ اساف بدکار مرد تھا اور نائلہ بدکار عورت تھی جو دوران طواف بدکاری کے مرتکب ہوتے تھے۔ انہیں مظہر عشق (کیوپڈ) سمجھ کر ان کے بت بنائے گئے۔ اور باقاعدہ ان کی پوجا ہونے لگی۔ یہ اس جگہ نصب تھے جہاں اب چاہِ زمزم ہے۔

۱۷۔ قربان کرنا:۔ (سیرت ابن ہشام صفحہ ۷۷، سیرت رسول عربیؐ صفحہ ۳۷)

۱۸۔ قرعہ اندازی:۔ سیرت ابن ہشام صفحہ ۷۸۔ محمد عربیؐ صفحہ ۳۱

۱۹۔ ننھیال:۔ مغیرہ بن عبداللہ بن عمرو بن مخزوم (سیرت ابن ہشام صفحہ ۷۸)

۲۰۔ ابو طالب:۔ حضورؐ کے چچا (یعنی جناب عبداللہ کے ماں جائے بھائی) اور حضرت علیؓ کے والد تھے۔ عبدالمطلب وفات کے وقت اپنے یتیم پوتے محمدؐ کو ان کے سپرد کر گئے تھے۔ انہوں نے حضورؐ کو کمال شفقت سے پالا۔ اعلانِ نبوت کے بعد بھی انہوں نے حضورؐ کا ساتھ نہ چھوڑا اور انہی کی تقلید میں تمام ہاشمی سوائے ابو لہب کے حضورؐ کے ساتھ رہے۔ یہاں تک کہ قریش کی سختیوں سے تنگ آ کر انہیں اس درّہ میں محصور ہونا پڑا جو بعد میں شعبِ ابوطالب کے نام سے مشہور ہوا۔ آپ نے ہجرت سے تین برس قبل وفات پائی۔ (اردو انسائیکلو پیڈیا صفحہ ۹۸) آپ کا اصلی نام عبد مناف تھا لیکن اپنے بیٹے طالب کی کنیت کی وجہ سے ابو طالب مشہور ہوئے اور کسی کو آپ کا نام تک یاد نہ رہا۔ آپ کی ایک ٹانگ میں نقص تھا اور آپ لنگڑاتے تھے۔ (محمد رسول اللہ صفحہ ۲۱۰)

جب عبدالمطلب کی وفات ہوئی تو ابو طالب بزرگ خاندان بنے۔ ان میں دل کی خوبیاں چاہے کتنی بھی رہی ہوں۔ کاروباری سلیقہ اتنا نہ تھا کہ اپنی سرداری کے لیے اپنی دولت کو اپنا مددگار بنا سکتے۔ ابو طالب کے بعد ان کے بچوں میں دل کی خوبیاں بھی اتنی نہ تھیں کہ بے رحم چچا ابو لہب کو سردار بننے سے روک سکتیں۔ آنحضرتؐ ہجرت پر مجبور ہوئے

تو عقیل بن ابی طالب نے آنحضرتؐ کا (بی بی خدیجہؓ والا) مکان تک بیچ کھانے میں باک نہ کیا تھا۔ (رسول اکرمؐ کی سیاسی زندگی، صفحہ ۳۵)

عبد المطلب نے بستر مرگ پر فیاض و فراخ حوصلہ بیٹے ابو طالب کو وصیت کی تھی کہ اپنے حقیقی مرحوم بھائی عبد اللہ کی یادگار (محمدؐ) کو اپنی کفالت میں لے لیں اور پوری خبر گیری کریں۔ نئے سرپرست چچا ابو طالب کا دل تو فراخ تھا لیکن کثیر العیال ہونے کی وجہ سے ہاتھ تنگ تھا۔ پھر بھی اپنے عزیز بھائی کی واحد یادگار کو اس محبت و شفقت سے اپنے گھر لے جاتے ہیں کہ اس کا غم غلط ہو جائے۔

(رسول اکرمؐ کی سیاسی زندگی، صفحہ ۴۰)

عبد المطلب کی وفات کے بعد آپؐ کے حقیقی چچا ابو طالب نے آپؐ کی کفالت اپنے ذمہ لی اور آپؐ کے ساتھ ایسی محبت کا برتاؤ کیا کہ کوئی باپ بھی اس سے زیادہ نہیں کر سکتا۔ حتیٰ کہ نبوت کے بعد جب ساری قوم آپؐ کی دشمن ہو گئی تھی تو اس وقت دس سال تک وہی آپؐ کی حمایت میں سینہ سپر رہے۔ (تفہیم القرآن، جلد ششم صفحہ ۳۷۲) سورۃ والضحیٰ میں " اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيمًا فَآوَىٰ " میں اسی ٹھکانے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ شیعہ حضرات آپ کے مسلمان ہونے کے قائل ہیں۔

۲۱ سو اونٹ ذبح کرنا:۔ سیرت رسول عربی، صفحہ ۳۸۔ سیرت ابن ہشام صفحہ ۷۹۔

۲۲ فاطمہ بنت مرالخثعمیہ:۔ مدارج النبوۃ، صفحہ ۱۸۔ سیرت ابن ہشام صفحہ ۷۹۔

۲۳ سیدہ آمنہؓ:۔ سیدہ آمنہؓ بنت وہب حضورؐ کی والدہ ہیں۔ آپ خاندان قریش سے تھیں۔ مگر آپ کے والد وہب یثرب میں آ کر آباد ہو گئے تھے۔ آپ بڑی نیک سیرت خاتون تھیں۔ جب حضورؐ کی عمر چھ سال کی ہوئی تو آپ حضورؐ کو ساتھ لے کر یثرب گئیں اور واپسی پر مقام ابواء پر آپ کا انتقال ہو گیا۔ حضورؐ کا بیان ہے کہ آپؐ کی والدہ سوکھا گوشت کھایا کرتی تھیں۔ اس سے آپ کی کفایت شعاری اور سلیقہ مندی کا پتہ

چلتا ہے۔ انتقال کے وقت آپ کی عمر تقریباً تیس سال تھی۔ چونکہ جناب عبداللہ نے ترکہ (ورثے میں) میں صرف ایک لونڈی اور دو اونٹ چھوڑے تھے اس لیے بی بی آمنہ نے تنگدستی میں وقت گزارا۔ (رسولِ اکرم کی سیاسی زندگی صفحہ ۳۹۔ سیرت رسول عربی، صفحہ ۴۹۔ سیرت ابن ہشام، صفحہ ۸۷)

۲۴۔ قریش کی شہرت و عظمت :۔ قرآن مجید سورۃ قریش تفہیم القرآن جلد ششم صفحہ ۴۷۷۔ ۴۷۸۔ سیرت ابن ہشام صفحہ ۲۷۔ رسول اکرم کی سیاسی زندگی، صفحہ ۳۱-۳۲ رحمۃ للعالمین جلد اول، صفحہ ۲۸۔

۲۵۔ یثرب :۔ مدینہ کا اصلی نام یثرب ہے۔ حضورؐ کے وہاں تشریف لے جانے کے بعد مدینۃ النبیؐ (نبیؐ کا شہر) کہلایا اور اب صرف مدینہ مشہور ہو گیا ہے۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ اب اسے یثرب کہنا درست نہیں۔ اس شہر کو حضورؐ کی پیدائش سے ایک ہزار سال پہلے عمالقہ نے آباد کیا تھا۔

مکہ معظمہ کے بعد یہ حجاز کا دوسرا معزز شہر ہے جو مکہ معظمہ سے تقریباً ۲۷۵ میل شمال میں واقع ہے۔ یہ شہر ایک میدانی علاقہ میں ہے اور یہاں پانی کی افراط اور کھجوروں کے باغات کی بہتات ہے۔ حضورؐ کی آمد سے پہلے یہاں اوس اور خزرج اور یہودیوں کی چند بستیاں تھیں۔ ہجرت کے بعد حضورؐ نے یہاں مسجد نبویؐ کی بنیاد ڈالی۔ جس کے ایک حجرہ میں حضورؐ کا روضہ مبارک ہے۔

(اردو انسائیکلو پیڈیا، صفحہ ۱۳۹۹)

۲۶۔ دفن کر دیا گیا :۔ سیرت رسول عربی، صفحہ ۴۰۔ محمد عربیؐ، صفحہ ۳۵)

۲۷۔ برکہ :۔ برکہ بنت ثعلبہ سردار عبداللہ کی لونڈی تھیں حضورؐ کو ورثہ میں ملی تھیں۔ حضورؐ کے والد سردار عبداللہ نے اپنے ترکہ میں صرف یہ لونڈی اور دو اونٹ چھوڑے تھے۔ اس لیے حضورؐ کی والدہ بی بی آمنہ کو تنگ دستی کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ برکہ کا پہلا نکاح عبید الحبشی سے ہوا تھا جس سے ایک لڑکا ایمن پیدا ہوا۔ جو غزوۂ حنین میں شہید ہوا۔ اس لیے بیٹے کی کنیت کی وجہ سے برکہ اُمِ ایمن کہلائیں۔ ان کا دوسرا

نکاح حضورؐ نے حضرت زیدؓ بن حارثہ سے اس وقت کیا جب حضرت زیدؓ نے حضرت زینبؓ کو طلاق دے دی تھی۔ حضرت زیدؓ سے ان کے ہاں حضرت اسامہؓ پیدا ہوئے۔ جنہیں حضورؐ بہت محبوب رکھتے تھے۔ چنانچہ فتح مکہ کے موقعہ پر حضرت اسامہؓ ہی حضورؐ کے ردیف تھے۔ اور حضورؐ نے اپنے وصال سے کچھ دن پہلے لشکرِ اسلام کو حضرت اسامہؓ کی قیادت میں جنگ موتہ کا بدلہ لینے کے لیے شام کی طرف جانے کا حکم دیا تھا۔

۲۸۔ احمدؐ:۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ زمین پر میرا نام محمدؐ اور آسمان پر احمدؐ ہے۔ توریت میں اسم مبارک محمدؐ اور انجیل میں احمدؐ تھا۔ سیدہ آمنہ کو نام رکھنے کی بشارت فرشتے کی معرفت ملی تھی جیسا کہ فرشتے کی معرفت ہاجرہ بی بی نے اسماعیل علیہ السلام کا نام رکھا تھا۔ (رحمۃٌ للعالمین جلد اول صفحہ ۱۴۰)۔

۲۸۔الف شعرا۔ رسول اکرمؐ کی سیاسی زندگی صفحہ ۴۱-۴۲

۲۹۔ ہاشم:۔ آپ حضورؐ کے پردادا تھے۔ آپ کا اصلی نام عمرو تھا۔ اور والد کا نام عبد مناف۔ اپنی غربا پروری کی وجہ سے ہاشم کے لقب سے مشہور ہوئے۔ آپ بہت مہمان نواز تھے۔ ایک سال قریش میں سخت قحط پڑا۔ تو یہ ملک شام سے خشک روٹیاں خرید کر ایام حج میں مکہ پہنچے اور روٹیوں کا چورا کر کے اونٹوں کے گوشت کے شوربے میں ڈال کر ثرید بنایا اور لوگوں کو پیٹ بھر کر کھلایا۔ اس دن سے ان کو ہاشم (روٹیوں کا چورا کرنے والا) کہنے لگے۔ آپ بڑے ہوشیار اور کاربرآر تھے۔ اس لیے قیصرِ روم۔ کسریٰ ایران۔ نجاشی حبش اور اقیال یمن سے ایلاف یعنی منشور تجارت حاصل کر لیے تھے کہ ان ممالک میں کارواں لایا اور لیجایا کریں۔ اور راستے میں کوئی کھٹکا نہ ہو۔ آپ کی شادی مدینہ کے بنو عدی بن نجار کے ایک شخص عمرو بن زید بن لبید خزرجی کی بیٹی سلمٰی سے ہوئی۔ جن سے شیبہ (عبدالمطلب) پیدا ہوئے۔ ہاشم کا انتقال پچیس سال کی عمر میں ملک شام کے ایک شہر غزہ میں ہوا اور وہیں دفن ہوئے۔ (رسول اکرمؐ کی سیاسی زندگی، صفحہ ۳۱۔ سیرت رسول عربیؐ صفحہ ۳۵)

۳۰۔ ابرہہ:۔ یہ شخص شاہِ حبش کی طرف سے یمن کا گورنر تھا جس نے بغاوت کی

اور اپنے ساتھیوں کی مدد سے شاہ پرستوں اور اپنے مخالفین کو تباہ کر کے اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا۔ یہ مذہباً عیسائی تھا اور چاہتا تھا کہ اس کا بنایا ہوا گرجا عرب کی مرکزی عبادت گاہ بن جائے۔ اور کعبہ کا احترام جاتا رہے۔ اس نے مکہ پر چڑھائی کی تھی۔ تاکہ کعبہ کو مسمار کر دے۔ مگر خدا نے اسے تمام لشکر سمیت تباہ کر دیا۔ اس واقعہ کا ذکر قرآن مجید میں سورۃ فیل میں ہے۔

(تفہیم القرآن جلد ششم، صفحہ ۴۶۳)

۳۱۔ میمتھ:۔ میمتھ نسل کے ہاتھی افریقہ میں پائے جاتے تھے۔ بڑے ڈیل ڈول کے ہوتے تھے۔ ان کی نسل اب مفقود ہو چکی ہے۔ لیکن بعض عجائب خانوں میں ان کے ڈھانچے موجود ہیں ان کو (MAMMOTH) کہتے ہیں۔ (رسول اکرمؐ کی سیاسی زندگی صفحہ ۱۰۳)

۳۲۔ حناطہ حمیری:۔ ابرہہ نے اپنے اس سردار کو ایلچی بنا کر سردار عبدالمطلب کے پاس مکہ پر حملہ کرنے سے پہلے بھیجا تھا۔ کہ اہلِ مکہ لڑائی سے باز رہیں۔

(سیرت ابن ہشام صفحہ ۴۴)

۳۳۔ خانہ کعبہ میں بُت:۔ خانہ کعبہ میں جب حضورؐ فتح مکہ کے بعد داخل ہوئے تو آپؐ کے دستِ مبارک میں ایک کمان تھی جس کی نوک سے بُتوں کو گراتے جاتے تھے۔ اور ساتھ ساتھ ارشاد فرماتے تھے۔ قَدْ جَاءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِلُ۔ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا۔ (حق ظاہر ہو گیا اور باطل نابود ہوا۔ اور باطل اسی لیے تھا کہ نابود ہو کر رہے)

خانہ کعبہ کی دیواروں پر حضرت ابراہیم و اسماعیل و عیسیٰ علیہم السّلام کی تصویریں تھیں جنہیں آپؐ نے مٹا دیا۔ (رسولِ رحمت، صفحہ ۴۲۸)

۳۴۔ عزیٰ:۔ یہ وادی نحراص (مکہ سے جانبِ شمال دو دن کا سفر) میں تھا۔ فتح مکہ کے بعد اسے حضرت خالدؓ نے تباہ کیا۔ (سیرت ابن ہشام، صفحہ ۵۰۸)

(سیرت رسولِ عربیؐ، صفحہ ۶۳)

۳۵۔ لات:۔ یہ بُت طائف میں تھا۔ اسے حضرت مغیرہؓ نے توڑا تھا۔
(سیرت رسولِ عربیؐ، صفحہ ۶۳)

۳۶؎ عمرو بن لحی:۔ یہ قبیلہ بنو خزاعہ کا مورث اعلیٰ تھا جس نے قبیلہ جرہم کو بیت اللہ سے نکال کر خود تولیت حاصل کر لی تھی۔ اس کا اصلی نام عمرو بن ربیعہ بن حارثہ بن عمرو بن عامر ازدی تھا۔ (سیرت رسول عربی صفحہ ۶۰)

۳۷؎ سائبہ:۔ مشرکین کا قاعدہ تھا کہ جو اونٹنی دس مادہ بچے جن لیتی تھی اور ان کے درمیان کوئی نر بچہ پیدا نہ ہوتا تھا تو اس کو آزاد کر دیتے تھے۔ ایسی اونٹنی کو سائبہ کہا کرتے تھے۔ (سیرت ابن ہشام صفحہ ۵۶)

۳۸؎ وصیلہ:۔ جب کوئی بکری پانچ حمل میں دس مادہ بچے متواتر جنتی تھی تو اس کو وصیلہ کہتے تھے (یعنی اپنے کمال کو پہنچ گئی) اس کے بعد اگر وہ کوئی بچہ جنتی تو اس کو صرف ان کے مرد کھا سکتے تھے۔ عورتوں کے واسطے اس کا گوشت حرام سمجھا جاتا تھا۔ مگر مردہ گوشت میں مرد اور عورت مساوی خیال کیے جاتے تھے۔

(سیرت ابن ہشام صفحہ ۵۷)

۳۹؎ بحیرہ:۔ اگر سائبہ اونٹنی اس حالت میں کوئی مادہ بچہ جنتی تو اس کا کان چیر کر اسے بھی ماں کے ساتھ آزاد چھوڑ دیتے تھے۔ اور اس پر کوئی سواری نہ کرتا تھا نہ اس کے بال کترتے تھے۔ اور مہمان کے سوا کسی اور کو اس کا دودھ نہ پلاتے تھے۔ اس کا نام بحیرہ ہوتا تھا۔ (سیرت ابن ہشام، صفحہ ۵۶)

۴۰؎ حامیہ:۔ جس بیل سے دس مادہ بچے متواتر جنوائے جاتے تھے، اس کو آزاد کر دیتے تھے۔ اور اسے حامیہ کہتے تھے۔ اس پر سواری کرنا، اس کے بال کاٹنا یا اس سے کسی قسم کا فائدہ اٹھانا حرام خیال کرتے تھے۔

قرآن مجید میں ارشاد ہے۔

بحیرہ۔ سائبہ۔ وصیلہ اور حامیہ سے فائدہ اٹھانا خدا نے تو حرام نہیں کیا۔ ہاں کافر لوگ اللہ پر افتراء باندھتے ہیں۔ اور اکثر ان میں سے عقل نہیں رکھتے۔

(سیرت ابن ہشام، صفحہ ۵۷)

۴۱؎ عبدالمطلب کی دعا:۔ سیرت رسول ... صفحہ ... تفہیم ... حاشیہ صفحہ ...

۴۲ ابو قیس بن اصلت :۔ تفہیم القرآن، جلد ششم، صفحہ ۴۶۸

۴۳ خدائے واحد کی عبادت :۔ تفہیم القرآن، جلد ششم، صفحہ ۴۶۸

۴۴ ربیع الاول کی ۹ تاریخ یعنی ۲۲ اپریل ۵۷۱ء :۔ بعض روایات میں ۱۲ ربیع الاول لکھا ہے لیکن ۹ ربیع الاول پر سب متفق ہیں۔ اس سلسلہ میں مصنف رحمۃ للعالمین نے قاعدہ تقویم سے صحیح تاریخ ۹ ربیع الاول قرار دی ہے۔

رحمۃ للعالمین جلد اول، صفحہ ۴۲ - ۴۳ ۔ محسنِ انسانیت، صفحہ ۶۰۳

۴۵ عبد المطلب کا طواف :۔ سیرت رسول عربی، صفحہ ۴۳

۴۶ بیٹا :۔

۴۷ سیدہ آمنہ کا گھر :۔ حضورؐ کی ولادت مکہ مکرمہ میں مقام سوق اللیل کے اس مکان میں ہوئی جو بعد میں حجاج بن یوسف کے بھائی محمد بن یوسف ثقفی نے خریدا تھا۔ اور اسی کے نام سے مشہور تھا۔ (محمد رسول اللہ صفحہ ۳۰)

۴۸ ابو لہب :۔ یہ حضورؐ کا چچا تھا۔ بہت امیر اور بخیل تھا۔ بعثت کے بعد حضورؐ کا جانی دشمن بن گیا۔ حضورؐ کے دشمنوں میں سے قرآنِ پاک میں صرف ابو لہب ہی کا نام لیا گیا ہے جس سے اس کی شقاوت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

عبد اللہ المحاربی کہتے ہیں۔ میں نے ذو المجاز کے بازار میں دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہتے جاتے ہیں۔ لوگو لا الہ الا اللہ کہو فلاح پاؤ گے۔ اور پیچھے ایک شخص ہے جو آپؐ کو پتھر مار رہا ہے۔ یہاں تک کہ آپؐ کی ایڑیاں خون سے تر ہو گئی ہیں۔ اور وہ کہتا جاتا تھا۔ یہ جھوٹا ہے اس کی بات نہ مانو۔ میں نے لوگوں سے پوچھا یہ کون ہے۔ لوگوں نے کہا یہ ان کا چچا ابو لہب ہے۔

حضورؐ معہ بنو ہاشم جب شعب ابی طالب میں محصور ہو گئے تو تنہا یہی بد بخت تھا جس نے اپنے خاندان کا ساتھ دینے کی بجائے کفار قریش کا ساتھ دیا۔ اس کا یہ حال تھا کہ ان تک کوئی چیز نہیں جانے دیتا تھا۔ تجارتی مال کو بھی روکتا تھا۔ اس کی ان ظالمانہ حرکات کی وجہ سے سورۃ اللہب میں اس کا نام لے کر اللہ تعالیٰ نے مذمت کی ہے۔

(تفہیم القرآن، جلد ششم، صفحہ ۵۲۴)

اس کا اصلی نام عبدالعزیٰ تھا۔ مگر چونکہ رنگ بہت چمکتا ہوا سرخ و سفید تھا، اس لیے ابولہب یعنی شعلہ رو مشہور ہوا۔ جنگ بدر میں خود شامل نہیں ہوا تھا۔ بلکہ اپنی طرف سے عوضی بھیجا تھا۔ اس جنگ کے سات دن بعد اسے عدسہ کی بیماری ہو گئی تھی۔ اور اسی میں مرگیا تھا۔ چھوت لگنے کے خیال سے اس کے گھر والے بھی قریب نہ آتے تھے۔ اس لیے مزدور حبشیوں سے گڑھا کھدوا کر لکڑیوں سے اس کی لاش اس میں دھکیل دی گئی۔ اس کے دو بیٹے عتبہ اور معتب فتح مکہ کے موقعہ پر حضرت عباسؓ کی وساطت سے حضورؐ کے سامنے پیش ہوئے اور اسلام قبول کر لیا۔ (تفہیم القرآن جلد ششم صفحہ ۵۲۶)
ہجرت کی رات حضورؐ کے گھر کا محاصرہ کرنے والوں میں ابولہب بھی شامل تھا۔

(رسولِ رحمت، صفحہ ۱۸۰)

۴۹۔ ثوبیہ :۔ ثوبیہ کے اسلام لانے میں محدثین کا اختلاف ہے۔ بعض مؤرخین انہیں صحابیات میں شمار کرتے ہیں۔ سیرت کی بعض کتابوں میں ہے کہ حضورؐ نے ان کا احترام کیا۔ کیونکہ انہوں نے ان کا دودھ پیا تھا۔ اور مدینہ شریف سے حضورؐ نے ان کے لیے کپڑے اور انعام بھیجا۔ ان کی وفات واقعہ خیبر کے بعد ہوئی۔

(مدارج النبوۃ، جلد دوم، صفحہ ۲۶)

۵۰۔ حمزہؓ :۔ یہ حضورؐ کے چچا تھے۔ بڑے بہادر اور جوان مرد تھے۔ جنگِ اُحد میں شہید ہوئے تھے۔ ہند زوجہ ابوسفیان نے آپ کا مثلہ کیا تھا۔ حضورؐ کو آپ کی شہادت کا بے حد صدمہ ہوا تھا۔ نبوت کے چھٹے برس کا ذکر ہے کہ ایک روز حضورؐ کو ابوجہل نے پتھر مار کر زخمی کر دیا تھا۔ حمزہؓ کو جب اس کی خبر ملی تو مسلمان نہ ہونے کے باوجود قرابت داری کے خیال سے ابوجہل کے سر پر کمان مار کر اس کا بدلہ لے لیا اور کہا۔ بھتیجے، میں نے تمہارا بدلہ لے لیا ہے۔ حضورؐ نے فرمایا۔ چچا میں ایسی باتوں سے خوش نہیں ہوا کرتا۔ ہاں! تم مسلمان ہو جاؤ تو مجھے بڑی خوشی ہو گی۔ چنانچہ آپ اسی وقت مسلمان ہو گئے۔

(رحمۃ للعالمین، جلد اوّل، صفحہ ۷۶)

۵۰ - "محمد"۔ حضرت سلیمان علیہ السلام فرماتے ہیں۔

"خلو محدیم زہ دودی زہ رعی"

"وہ ٹھیک محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں۔ وہ میرے محبوب ہیں میری جان"

(النبی الخاتم صفحہ ۲۲۔ تسبیحات سلیمان پ ۵ - ۱۲)

۵۱ - عبداللہ:۔ مائی حلیمہ کے بیٹے اور حضورؐ کے دودھ شریک بھائی۔

۵۲ - حارث:۔ حارث بن عبدالعزیٰ بی بی حلیمہ کے خاوند ہیں۔ حضورؐ کی بعثت کے بعد جب ایک دفعہ حارث مکہ تشریف لائے۔ تو قریش نے کہا۔

"کچھ سنا تم نے تمہارا بیٹا کہتا ہے۔ کہ لوگ مر کر پھر زندہ ہوں گے۔"

انہوں نے حضورؐ سے دریافت کیا۔ بیٹا تم یہ کیا کہتے ہو۔ آپ نے نہایت زوردار الفاظ میں فرمایا "ہاں وہ دن آئے گا جب میں آپ کا ہاتھ پکڑ کر بتاؤں گا کہ میں جو کچھ کہتا تھا سچ کہتا تھا" ان پر اس کا ایسا اثر ہوا کہ وہ فوراً مسلمان ہو گئے۔ اور یہ اثر ایسا دیرپا ثابت ہوا کہ وہ کہا کرتے تھے کہ میرا بیٹا ہاتھ پکڑے گا۔ تو جنت میں پہنچا کر چھوڑے گا۔ (سیرت النبی جلد چہارم صفحہ ۳۸۱)

۵۳ - حلیمہ سعدیہ:۔ یہ وہ مبارک خاتون ہیں جنہیں حضورؐ کو دودھ پلانے کا شرف حاصل ہوا ہے۔ آپ قبیلہ سعد بن بکر میں سے تھیں۔ والد کا نام ابی ذویب عبداللہ بن الحرث ہے۔ خاوند کا نام حارث بن عبدالعزیٰ ہے۔ آپ مسلمان ہو گئی تھیں۔ حضورؐ نے آپ کا بے حد احترام کیا ہے۔ اور جب کبھی آپ حضورؐ سے ملنے آئی ہیں تو حضورؐ نے اپنی چادر بچھا دی ہے۔ اور امی بعد امی کہا ہے۔

(سیرت ابن ہشام صفحہ ۸۴)

رضاعی ماں سے حضورؐ کو ہمیشہ محبت رہی۔ چنانچہ سہیلی نے صفحہ ۱۱۱ میں لکھا ہے۔ کہ آپ کی شادی کے بعد ایک مرتبہ یہ بوڑھی دودھ پلائی آئی۔ اور اس مرتبہ نئی دلہن بی بی خدیجہؓ نے خاص سلوک کیا اور کئی اونٹنیاں عطا کیں۔ جن کو لے کر حلیمہ سعدیہ دعا دیتی رخصت ہوئیں۔ ابن سعد کے مطابق بی بی حلیمہ نے قحط سالی کی شکایت کی تھی۔ چالیس بکریاں اور

ایک اونٹ بی بی نے عطا کیا تھا۔ (رسول اکرمؐ کی سیاسی زندگی صفحہ ۵۴)

آپ ایک حلیم الطبع بدویہ تھیں۔ زیادہ حریص اور طماع نہ تھیں۔ قناعت پسند، ملنسار اور با محبت تھیں۔ غریب اور بے وسیلہ بھی تھیں۔

(رسول اکرمؐ کی سیاسی زندگی صفحہ ۳۸)

عہدِ نبوت میں ایک بار آپ مکہ میں آئیں۔ تو حضورؐ میری ماں میری ماں کہہ کر بے اختیار ان سے لپٹ گئے۔ (سیرت النبیؐ جلد اول صفحہ ۱۷۴)

۵۴ بی بی فرماتی ہیں (رسول اکرمؐ کی سیاسی زندگی صفحہ ۳۸) (فٹ نوٹ)

۵۵ لوری:۔ رسول اکرمؐ کی سیاسی زندگی صفحہ ۴۲

اردو ترجمہ:۔ اے میرے رب جب تُو نے اسے مجھ کو عطا فرما دیا۔ تو میں اس کی طلب میں ہوں۔

اور اسے بلندی تک پہنچنے کا ذریعہ جانتی ہوں۔ اور اس کی نگہداشت کرتی ہوں۔

اس کے صدقہ میں دشمن کی دلیلوں کو باطل کر دیتی ہوں۔ توڑ دیتی ہوں۔ ردّ کر دیتی ہوں۔

۵۶ بکریوں کا دودھ:۔ سیرت رسول عربیؐ صفحہ ۴۶

۵۷ دراز گوش:۔ سیرت رسول عربیؐ صفحہ ۴۰

۷ے حضورؐ کو حلیمہؓ سے دودھ ملا۔ یا حلیمہؓ حلیمہؓ کی اونٹنی۔ حلیمہؓ کی بکریوں حلیمہؓ کے شوہر حلیمہؓ کے بچوں بلکہ آخر میں قبیلہ والوں تک کو۔ ان سب کو دودھ آپ ہی کے ذریعہ ملا۔ (النبی الخاتم صفحہ ۲۸)

۵۸ شیما بنت حلیمہ سعدیہ:۔ آپ غزوۂ حنین میں گرفتار ہو کر آئیں۔ اور حضورؐ کو بتایا کہ میں آپؐ کی رضاعی بہن شیما بنت حلیمہ سعدیہ ہوں۔ حضورؐ نے نشانی پوچھی۔ تو عرض کیا آپؐ نے بچپن میں کھیلتے ہوئے میری پشت میں کاٹ لیا تھا۔ اس کا نشان ابھی تک موجود ہے۔ یہ سن کر حضورؐ پر رقت طاری ہو گئی۔ اپنی چادر بچھا کر اس پر بٹھایا۔ اور فرمایا۔

چاہو تو میرے پاس رہو۔ لیکن شیما نے واپس اپنی قوم کے پاس جانا چاہا۔ حضورؐ نے بہت انعام و اکرام دے کر رخصت کیا۔ (سیرت ابن ہشام صفحہ ۵۱۸

۵۹ سینہ چاک کیا:۔ سیرت رسول عربی صفحہ ۴۹

بعض روایات میں شق صدر کے کئی واقعات مختلف اوقات میں ہونے کا تذکرہ ہے۔

۶۰ شیطان:۔ سیرت رسول عربی صفحہ ۴۸۔ سیرت ابن ہشام صفحہ ۸۶۔

۶۱ دار النابغہ:۔ اسی مکان میں آنحضرت صلعم کے والد کی قبر تھی۔ اور یہ اب ۱۳۶۹ھ تک مسجد نبوی کے مغرب میں چند فٹ کے فاصلہ پر موجود ہے۔

(رسول اکرمؐ کی سیاسی زندگی صفحہ ۳۹)

۶۲ انیسہ:۔ (رسول اکرمؐ کی سیاسی زندگی صفحہ ۳۹

۶۳ ابوا:۔ یہ مقام مکہ اور مدینہ کے درمیان طریقِ سلطانی کا مشہور مقام تھا۔ جو رابغ کے شمال میں مستورہ کے قریب ہے۔ یہ علاقہ فرح کے توابع میں سمجھا جاتا تھا۔

رسولِ رحمت صفحہ ۶۹

حدیث شریف میں ہے کہ عروجِ اسلام کے وقت آنحضرت صلعم ایک ہزار مسلح مجاہدین کو ساتھ لے کر بمقام ابوا والدہ محترمہ کی قبر کی زیارت کے لیے حاضر ہوتے۔ وہاں آپؐ پر رقت طاری ہو گئی اور دوسرے مجاہد بھی فرطِ تاثر سے رو پڑے۔

(محمد رسول اللہ صفحہ ۴۲)

۶۴ گدی:۔ جب دادا قبیلے کے اہل الرائے لوگوں کے ساتھ ہم بزم ہوتے اور سردار، یا حاکم عدالت یا پنچ کی حیثیت سے ان کے لیے مسند بچھائی جاتی تو اس وقت بھی لاڈلا پوتا ساتھ ہوتا۔ اور مسند پر ہی اپنے لیے جگہ چاہتا۔ لوگ منع کرتے اور کسی کونے میں بیٹھنے کو کہتے۔ لیکن دادا فوراً دخل دے کر اپنے پاس بلا لیتے اور بتاتے کہ بچے میں خود شناسی کا نادر وصف ہے۔ اور وہ اپنے آپ کو بزرگ سمجھتا ہے۔ اور مجھے امید ہے کہ وہ بہت بڑے مرتبے والا ہو گا۔ آپؐ کا ادب، تمیز محفل میں شکایت

کا باعث نہ بنتا۔ دادا کو یہاں تک محبت تھی کہ ایک مرتبہ خشک سالی میں اپنے اس پوتے کی خوبیوں کا واسطہ دے کر خدا سے بارش کے لیے گڑگڑا کر التجا بھی کی بروایت ابن سعد وہ تنہا کھانا نہیں کھاتے تھے اور پوتے کو بلانے کا حکم دیتے تھے۔

(رسولِ اکرمؐ کی سیاسی زندگی، صفحہ ۴۰)

۶۵ حضرت عباسؓ:- کنیت ابوالفضل۔ آنحضرتؐ کے چچا تھے۔ اور عمر میں آپؐ سے دو سال بڑے تھے۔ قریش کے سربرآوردہ رئیس تھے۔ مسلمان ہونے سے پیشتر ہی رسولؐ اللہ کی ہر طرح معاونت کرتے۔ اور آپؐ کے ہر دعویٰ کی تصدیق کرتے رہے لیکن اعلانیہ اسلام قبول کرنے سے احتراز کرتے رہے۔ جب رسولؐ اللہ مکہؐ سے مدینہ ہجرت کر گئے تو حضرت عباس مکہ میں ہی رہے۔ لیکن ہر وقت دھیان رسولؐ اللہ کی طرف رہتا۔ اور مکہ میں قریش مکہ کو رسولؐ اللہ کی مخالفت سے باز رکھنے کی کوششوں میں معروف رہے۔ جنگِ بدر میں قریش نے پہلے آپ کو مسلمانوں کے خلاف لڑایا۔ چنانچہ جنگ کے خاتمہ پر آپ قیدیوں میں گرفتار ہو کر رسولؐ اللہ کے سامنے پیش ہوئے۔ اور دیگر قیدیوں کی طرح زرِ فدیہ دے کر رہا ہوئے۔ کچھ عرصہ بعد ہجرت کر کے مدینہ آ گئے تھے۔ اور آپ نے اسلام کا اعلان کر دیا تھا۔ غزوۂ حنین، غزوۂ طائف اور غزوۂ تبوک میں رسولؐ اللہ کے ہمراہ شریکِ جنگ ہوئے۔ عم بزرگوار ہونے کی وجہ سے رسولؐ اللہ آپ کی بہت عزت کرتے تھے۔ چنانچہ رسولؐ اللہ کی وفات کے بعد بڑے بڑے معزز صحابہ بھی حضرت عباسؓ کی تعظیم اور ادب کرتے تھے۔ آپ بڑے فیاض، مہمان نواز اور صاحبِ ثروت تھے۔ آپ تجارت کے علاوہ فتح مکہ تک روپے کا سودی کاروبار کرتے رہے۔ تا وقتیکہ رسولؐ اللہ نے فتح مکہ کے دن خطبہ میں اس کی ممانعت فرما دی۔ ۳۲ھ میں بعمر ۸۷ برس وفات پائی۔

اردو انسائیکلوپیڈیا صفحہ ۱۵۲۴

۶۶ یتیمی کا احساس:- چالیس سال بعد خداوند تعالیٰ نے مشکلات کے دور میں حضورؐ کو یتیمی کا یہ وقت یاد دلا کر تسلی دی تھی کہ اَلَمْ یَجِدْكَ یَتِیْمًا فَاٰوٰی

"کیا آپ کو یتیم پا کر ہم نے پناہ نہیں دی۔"

(پارہ عم۔ سورہ والضحیٰ)

۶۶ عمر:۔ آٹھ سال اور دس دن۔ (رسول رحمت، صفحہ ۴۹)

۶۷ دادا کا جنازہ۔ (رسول اکرمؐ کی سیاسی زندگی صفحہ ۴۰)

۶۸ طالب:۔ ابوطالب کا بڑا بیٹا تھا۔ جنگ بدر میں کفار کی طرف سے جنگ میں شامل ہونے کے لیے مکہ سے روانہ ہوا۔ لیکن چند لوگوں نے کہا۔ تم اگرچہ ہمارے ساتھ ہو۔ مگر تمہارا دل محمدؐ کے ساتھ ہے۔ اس لیے بر راستہ سے ہی مکہ واپس آ گیا۔ اور حالتِ کفر میں ہی جوانی کے عالم میں مر گیا۔

سیرت ابن ہشام، صفحہ ۳۰۱

۶۹ فاطمہ اسدیہ:۔ آپ ابوطالب کی بیوی، علیؑ کی والدہ اور حضورؐ کی چچی تھیں۔ آپ مسلمان ہو گئی تھیں اور مدینہ آ گئی تھیں۔ جب آپ کا انتقال ہوا تو حضورؐ آپ کے سرہانے آ بیٹھے اور فرمایا۔ "اے میری ماں کے بعد میری ماں۔ اللہ تجھ پر رحم کرے۔" اور آپ کی تعریف کی اپنی چادر میں کفنایا۔ پھر اسامہ بن زیدؓ، ابوایوبؓ انصاری، عمرؓ بن خطاب اور ایک سیاہ فام غلام کو بلایا۔ انہوں نے قبر کھودی۔ جب لحد تک پہنچے تو خود حضورؐ نے اپنے دستِ مبارک سے کھودی اور آپؐ اس میں لیٹ گئے۔ پھر یوں دعا کی:

"یا اللہ میری ماں فاطمہ بنت اسد کو بخش دے اور اس پر اس کی قبر کو کشادہ کر دے بوسیلہ اپنے نبی کے اور ان نبیوں کے جو مجھ سے پہلے ہوئے ہیں۔ کیونکہ تو ارحم الرحمان ہے۔"

فاطمہؓ نے حضورؐ کی کفالت میں خاص توجہ دی تھی۔ یہ اس احسان کا بدلہ تھا کہ آپؐ نے فاطمہؓ کو اپنی چادر میں کفنایا۔ تاکہ آتشِ دوزخ سے محفوظ رہیں۔ اور آپ کی لحد میں لیٹ گئے۔ تاکہ راحت و آرام ملے۔

سیرت رسولِ عربیؐ، صفحہ ۸۲۷

۷۰؎ خورد و نوش :- ابن سعد کے مطابق ابوطالب کے گھر میں بچوں کا ناشتہ جب آتا سب مل کر لوٹ لیتے لیکن جب چند مرتبہ دیکھا کہ یتیم بھتیجا اس لوٹ میں شریک نہیں رہتا تو پھر آپ کا ناشتہ الگ اور مستقل دیا جانے لگا۔

رسول اکرمؐ کی سیاسی زندگی صفحہ ۴۴

۷۱؎ سقایہ :- حاجیوں کو پانی پلانے کی خدمت۔

۷۲؎ رفادہ :- چندہ اکٹھا کر کے حاجیوں کو کھانا کھلانے کا منصب۔

قصی نے جو عدنان دوم سے پندرہویں پشت میں ہے مکہ پر قبضہ کر لیا۔ اس میں مشترکہ حکومت کی بنیاد ۴۴۰ء میں رکھ کر مندرجہ ذیل عہدے قائم کیے۔ رفادہ، سقایہ، حجابہ، قیادہ۔

نیز قومی نشان بنایا جسے لواء کہتے تھے اور قومی مجلس قائم کی جسے ندوہ یا دارالندوہ کہتے تھے۔

اس قصی کے فرزند عبد مناف۔ اور ان کے فرزند ہاشم کے بیٹے حضورؐ کے دادا عبدالمطلب (جو ۴۹۷ء میں پیدا ہوئے) تھے سب اپنے اپنے وقت میں مکہ کے سردار رہے۔ اور عبدالمطلب کے بعد یہ سند ابوطالب کو ملی۔

(رحمۃ للعالمین، جلد اول صفحہ ۲۸)

۷۳؎ لات و منات :- عرب کے مشرکین ان دونوں بتوں کو خدا کی بیٹیاں کہا کرتے تھے۔ اور یقین رکھتے تھے کہ یہ ان کی سفارش کریں گی۔

۷۴؎ دعائے محمدؐ :- سیرت رسولِ عربی صفحہ ۵۰

اس سلسلے میں ابوطالب کا ایک شعر ہے۔

" وہ گورا چٹا جس کے روئے انور کا واسطہ دے کر بارش کی دعا کی جاتی تھی۔ جو یتیموں اور بیواؤں کا ملجا و ماویٰ تھا۔

رسول اکرمؐ کی سیاسی زندگی، صفحہ ۳۷

۷۵؎ بکریاں چرانا :- ابوطالب بہت غریب تھے۔ مدت سے ان کی گزران ان

قراریط (سکے) پر تھی۔ جو بکریوں اور اونٹوں کو چرانے کے صلے میں ان کا بھتیجا مکہ والوں سے مزدوری میں پاتا تھا۔

اگر ابو طالب معاشی طور پر تنگدست نہ ہوتے تو آٹھ نو سال کا ان کا یتیم بھتیجا بکریاں چرانے پر کیوں مجبور ہوتا۔ (النبی الخاتم، صفحہ ۲۸)

ایک مرتبہ آپ نے فرمایا تھا کہ اراک (پیلو) کے وہ پھل کھاؤ۔ جو سیاہ ہو چکے ہوں چوپائی کرنے وقت میں بھی کھایا کرتا تھا۔

(رسول اکرمؐ کی سیاسی زندگی، صفحہ ۴۱)

۵ٹ۔ راگ رنگ کی محفل میں جانا۔ رسول اکرمؐ کی سیاسی زندگی، صفحہ ۴۱

۶ٹ۔ نیند کا آجانا۔ رسولِ اکرمؐ کی سیاسی زندگی، صفحہ ۴۱

محمدؐ عربی۔ صفحہ ۶۴۔

۸-۶ٹ۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ اس قسم کا واقعہ دو بار ہوا ہے۔

النبی الخاتم، صفحہ ۳۱

۷ٹ۔ قریش کا تجارتی قافلہ:۔ محمدؐ کے پردادا ہاشم کو سب سے پہلے یہ خیال پیدا ہوا کہ اس بین الاقوامی تجارت میں حصّہ لیا جائے۔ جو عرب کے راستے بلادِ مشرق اور شام و مصر کے درمیان ہوتی تھی۔ اور ساتھ ساتھ اہلِ عرب کی ضروریات کا سامان بھی خرید کر لایا جائے۔ تاکہ راستے کے قبائل ان سے مال خریدیں۔ اور مکہ کی منڈی میں اندرونِ ملک کے تجار خریداری کے لیے آنے لگیں۔ یہ وہ زمانہ تھا جب ایران کی ساسانی حکومت اس بین الاقوامی تجارت پر اپنا تسلّط قائم کر چکی تھی۔ جو شمالی علاقوں اور خلیج فارس کے راستوں سے رومی سلطنت اور بلادِ شرق کے درمیان ہوتی تھی۔ اس لیے جنوبی عرب سے بحیرۂ احمر کے ساتھ ساتھ جو تجارتی راستہ شام و مصر کی طرف جاتا تھا۔ اس کا کاروبار بہت چمک اٹھا تھا۔ دوسرے عرب قافلوں کی بہ نسبت قریش کو یہ سہولت حاصل تھی کہ راستے کے تمام قبائل بیت اللہ کے خدّام ہونے کی حیثیت سے ان کا احترام کرتے تھے۔ حج کے زمانے میں نہایت فیاضی کے ساتھ حاجیوں کی جو خدمت قریش کے لوگ کرتے تھے۔ اس کی

بنا پر سب ان کے احسان مند تھے۔ انہیں اس کا کوئی خطرہ نہ تھا کہ راستے میں کہیں ان کے قافلوں پر ڈاکہ مارا جائے گا۔ راستے کے قبائل ان سے رہگذر کے وہ بھاری ٹیکس بھی وصول نہ کر سکتے تھے جو دوسرے قافلوں سے طلب کیا جاتا تھا۔ ہاشم نے انہی تمام پہلوؤں کو دیکھ کر تجارت کی اسکیم بنائی۔ اور اپنی اس اسکیم میں اپنے باقی تینوں بھائیوں کو شامل کیا۔ شام کے غسانی بادشاہ سے ہاشم نے، حبش کے بادشاہ سے عبد شمس نے۔ یمنی امراء سے مطلب نے اور عراق و فارس کی حکومتوں سے نوفل نے تجارتی مراعات حاصل کیں۔ اس طرح ان لوگوں کی تجارت بڑی تیزی سے ترقی کرتی چلی گئی۔ اس بنا پر یہ چاروں بھائی متجرین (تجارت پیشہ) کے نام سے مشہور ہو گئے۔ اور جو روابط انہوں نے گردوپیش کے قبائل اور ریاستوں سے قائم کیے تھے، ان کی بناء پر ان کو اصحاب الایلاف بھی کہا جاتا تھا جس کے لفظی معنی ہیں الفت پیدا کرنے والے۔

اس کاروبار کی وجہ سے قریش کے لوگوں کو شام، مصر، عراق، ایران، یمن اور حبش کے ممالک سے تعلقات کے وہ مواقع حاصل ہوئے۔ اور مختلف ملکوں کی ثقافت و تہذیب سے براہ راست سابقہ پیش آنے کے باعث ان کا معیارِ دانش و بینش اتنا بلند ہوتا چلا گیا کہ عرب کا کوئی دوسرا قبیلہ ان کی ٹکر کا نہ رہا۔ مال و دولت کے اعتبار سے بھی وہ عرب میں سب پر فائق ہو گئے۔ اور مکہ جزیرۃ العرب کا سب سے اہم تجارتی مرکز بن گیا۔ ان بین الاقوامی تعلقات کا ایک بڑا فائدہ یہ بھی ہوا کہ عراق سے یہ لوگ وہ رسم الخط لے کر آئے جو بعد میں قرآن مجید لکھنے کے لیے استعمال ہوا۔ عرب کے کسی دوسرے قبیلے میں اتنے پڑھے لکھے لوگ نہ تھے۔ جتنے قریش میں تھے۔ انہی وجوہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔" قریش لوگوں کے لیڈر ہیں۔"

(تفہیم القرآن، جلد ششم صفحہ ۵، ۴۴)

گرمی کے زمانے میں قریش کے تجارتی سفر شام و فلسطین کی طرف ہوتے تھے، کیونکہ وہ ٹھنڈے علاقے ہیں۔ اور جاڑے کے زمانے میں وہ جنوب عرب کی طرف ہوتے تھے کیونکہ وہ گرم علاقے ہیں۔ (تفہیم القرآن، جلد ششم، صفحہ ۷، ۴۴)

۷۸؎ شام کا سفر:۔ سیرت ابنِ ہشام، صفحہ ۸۹ ۔ رسولِ اکرم کی سیاسی زندگی، صفحہ ۴۳۔

۷۹؎ سایہ:۔ سیرت ابن ہشام، صفحہ ۸۹

۸۰؎ بُصریٰ:۔ ۶۰۰ء میں صحرائے عرب کا شمالی شہر بصریٰ بحرہ لوط کے جنوبی ساحل سے پندرہ بیس کوس کی مسافت پر علاقہ ادوم اور ارض بنی لواب کے درمیان کوہستان سمیر کے مشرقی دامن سے پانچ چھ میل بنی ضجعم کے پایہ تخت کے قریب تھا۔ لیکن یہ تجارتی مرکز کسی سلطنت کا مستقر نہ تھا۔ اور نہ کسی حکومت کا مرکز مانا جاتا تھا محض غیر ممالک کا مرکزِ تجارت ہونے کی وجہ سے اس میں شاہانہ عظمت و جبروت کا سماں نظر آتا تھا۔ جدھر دیکھیے دولت مند امراء کے سربفلک ایوان اور بڑے بڑے تاجروں کے عالیشان محل نظر آتے تھے۔

شہر بصریٰ کی اس سطوت اور شاہانہ تمکنت کی وجہ دراصل یہ تھی کہ اس زمانے میں یہاں مشرق سے ایران و عراق کے قافلے مالِ تجارت لے کر آتے تھے۔ جس کے ساتھ اہلِ فارس اور شمالی ہندوستان و خطا و ختن کی نادر روزگار چیزیں ہوتی تھیں۔ جنوب سے عربوں کے قافلے حضرموت، عمان اور بحرین کی پیداوار لاتے۔ مغرب سے مصر اور افریقہ کے قافلے سامانِ تجارت لے کر پہنچتے۔ شمال سے دمشق اور روم کا مال آتا۔ غرض دن میں کوئی ایسی گھڑی نہ گذرتی تھی کہ بصریٰ میں جرسِ کارواں کی آواز نہ سُنی جاتی ہو۔ تاجر لوگ مہینوں یہاں قیام کر کے مالِ تجارت کا تبادلہ کرتے۔ اور جیسے لدے پھندے بصریٰ میں آتے تھے۔ ویسے ہی علاقہ عرب کی نئی چیزیں اور نئے مال لے کر لدے ہوئے واپس ہوتے تھے۔

اس مرکز تجارت میں اس کاروبار کے علاوہ عیسائیوں کی آبادی بھی کثرت سے تھی۔ کہ سلطنت روم اس وقت کیتھولک مسیحیت کی مانی جاتی تھی۔ اس لیے تمام فرقے بالخصوص عیسائیوں کے گروہ کے گروہ ان کے مظالم سے تنگ آ کر شہر بصریٰ میں پناہ گزین ہو رہے تھے۔ چونکہ بصریٰ عرب کا سرحدی شہر ہونے کے باعث

اپنی عربی آزادی کو عزت و آبرو کے ساتھ بچائے ہوئے تھا جس میں دنیا کے ہر ستم زدہ شخص کو پناہ مل جاتی تھی۔ اس لیے نصاریٰ کے ہر فرقے کے راہب اور اسقف بھی یہیں آکر سکونت پذیر ہو گئے تھے۔ جن کے بڑے بڑے کنیسے اور عالیشان خانقاہیں ہر طرف پھیلی ہوتی تھیں۔

اس مرکزِ تجارت میں کوئی مذہب ایسا نہ تھا جس کے پیرو یہاں موجود نہ ہوں۔ اور جن کے معابد اور عزلت کدے عرب کے اس شمالی شہر میں تعمیر نہ ہو گئے ہوں۔ یہودی۔ مجوسی۔ بت پرست۔ عیسائی اور پھر عیسائیوں کے بھی تینوں فرقوں کے مقلدین آپس میں مل جل کر یہاں آزادی سے زندگی بسر کرتے تھے۔

(تاریخ اسلام از عبدالرحمان شوق، صفحہ ۳۰-۳۱)

۸۱۔ بحیرہ راہب:۔ قاضی سلیمان منصور پوری اپنی کتاب رحمۃ للعالمین جلد اوّل صفحہ ۴۹ پر لکھتے ہیں۔ اکثر کتابوں میں بیان کیا گیا ہے کہ آنحضرتؐ جب بارہ سال کے ہوئے تو اپنے چچا ابوطالب کے ساتھ شام کے سفر میں گئے۔

بصریٰ میں بحیرہ راہب نے آپ کو پہچان لیا کہ نبی موعود یہی نوجوان ہے۔ چچا سے کہا کہ اسے یہودیوں کے ملک میں نہ لے جاؤ۔ وہ اسے پہچان کر کہیں گزند نہ پہنچائیں۔ شفیق چچا نے آنحضرتؐ کو بصریٰ سے ہی واپس کر دیا۔ اور اس بارہ میں جو حدیث ترمذی میں ہے اس میں یہ بھی ہے کہ چچا نے واپس کرتے وقت آنحضرتؐ کے ساتھ بلالؓ کو بھیجا تھا۔ ابن قیم کہتے ہیں یہ صریح غلطی ہے۔ اوّل تو اس وقت بلالؓ نہ ابوطالب کے پاس تھا نہ ابوبکرؓ کے پاس۔ دوسرا یہ بھی ممکن ہے کہ وہ ان دنوں موجود ہی نہ ہو۔

۲۔ قرآن مجید کی آیت وکانوا من قبل یستفتحون علی الذین کفروا فلما جاءھم ما عرفوا کفروا بہ۔ (ترجمہ:۔ یہ لوگ نبی کے آنے سے پیشتر کافروں پر فتح اس کے ذریعے پانے کی آرزو میں رہا کرتے تھے۔ جب نبی ظاہر ہوئے اور انہوں نے پہچان بھی لیا تب اس سے منکر ہو بیٹھے) سے ثابت ہوتا ہے کہ یہودی رسول موعود کے انتظار میں رہا کرتے تھے۔ اور سمجھتے تھے کہ اس کے آنے پر یہودیوں کو کافروں پر فتح د

نصرت ہوگی۔ یہ اعتقاد ان کا اس وقت تک رہا جب تک کہ حضورؐ کی بعثت نہ ہوئی۔ اس آیت سے یہ بھی ثابت ہوگیا کہ بحیرہ راہب کا قول غلط تھا۔ کیونکہ اگر یہودی اس لڑکپن میں آنحضرتؐ کو پہچان لیتے تو اپنے اعتقاد کے مطابق حضورؐ کو اپنی فتح و نصرت کا دیوتا سمجھ کر خدمت گزاری کرتے۔ نتیجہ یہ ہے کہ راہب کی داستان ناقابلِ اعتبار ہے۔ (صفحہ ۴۵)

تقریباً ایسے ہی خیالات کا اظہار مولانا شبلی نعمانی نے اپنی کتاب سیرت النبیؐ میں کیا ہے۔ لیکن سیرت کی باقی تمام کتابوں میں بحیرہ سے ملاقات کا واقعہ درج ہے — ازالۃ الخفاء میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے بھی اسے درست قرار دیا ہے۔ راقم نے جب ادارہ ترجمان القرآن اچھرہ لاہور سے اس سلسلہ میں رجوع کیا تو مولانا غلام علی صاحب معاون خصوصی مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب نے اپنے گرامی نامہ ۲۵۶/ح مورخہ ۵ فروری ۷۴ء میں لکھا:

"بحیرہ اور نسطورہ راہب کے واقعات پر مولانا شبلی اور مولانا سلیمان صاحب نے سیرت (حصہ سوم) میں تنقید کی ہے۔ لیکن میرے نزدیک تنقید کا یہ انداز بھی محلِ نظر ہے۔ اس طرح تو سیرت کا بہت بڑا ذخیرہ ساقط ہو جائے گا جس میں وہ مواد بھی شامل ہے جسے سیرت النبیؐ میں جمع کیا گیا ہے۔ عیسائیوں نے اس پر جو حاشیہ آرائی کی ہے اس کا ردّ دوسری طرح بھی ممکن ہے۔ آخر دس برس کے ایک نوجوان ایک یا دو راہبوں سے اتفاقیہ ملاقات سے کیا کچھ اخذ کر سکتے ہیں۔ پھر اسلام کی تعلیمات نے مسیحیت کی تعلیم کے کتنے حصے کی تردید کی ہے، اور کتنے کی تصدیق۔ یہ بھی تو دیکھا جائے کہ مولانا عبدالرؤف دانا پوری نے بھی اصح السیر میں مولانا شبلی سے اختلاف کیا ہے۔"

محمد رسول اللہ صفحہ ۵۳ پر بھی اس واقعہ سے متعلق طویل بحث کرنے کے بعد اسے درست ثابت کیا گیا ہے۔

رسول اکرمؐ کی سیاسی زندگی، صفحہ ۴۴ پر اس واقعہ کو درست قرار دیا گیا ہے۔

۸۲ء مستندی سے کام کرنا:۔ رسول اکرمؐ کی سیاسی زندگی، صفحہ ۴۳

۷ء بعض روایات میں آیا ہے کہ حضورؐ کی ابوبکرؓ سے دوستی کا آغاز حضرت خدیجہؓ سے شادی کے بعد ہوا تھا۔ جب کہ حضورؐ حضرت خدیجہؓ کے مکان میں آ گئے تھے۔ جو اس محلہ میں تھا جہاں ابوبکرؓ کا مکان تھا۔

۸۳ء حیرہ:۔ اس جگہ واقع تھا جہاں آج کل کوفہ کا شہر آباد ہے۔

۸۴ء نعمان اکبر:۔ ابوبکر صدیقؓ، صفحہ ۲۶۱

۸۵ء ابن قابوس:۔ ابوبکر صدیقؓ، صفحہ ۲۷۳

۸۶ء ذی قار:۔ ابوبکر صدیقؓ، صفحہ ۲۷۴

۸۷ء بازار عکاظ:۔ مکہ سے دس میل طائف اور نخلہ کے درمیان چھوٹے سے جنگل میں سال میں ایک بار عربوں کا یہ قومی میلہ لگتا تھا۔ جس میں تمام عرب قبائل اس لیے جمع ہوتے تھے کہ اس میں لین دین کریں۔ اس طرح یہ بازار اجتماعی مفاد کا مرکز بن جاتا تھا۔ اسے بازار عکاظ کہتے تھے۔ عرب عورتیں اور بچے کمبل تان کر خیمے بنا لیتے تھے۔ تاکہ کئی دن تک آرام سے رہ سکیں۔ اس بازار میں شام و عدن کا کپڑا، یمن کی چادریں، نجد کے کمبل، عراق کا غلہ، عربوں کے مشکیزے، حیرہ اور غسان کے مشک نافہ وغیرہ فروخت ہوتے تھے۔ اس میلے میں کشتیاں، شعر و شاعری کے مقابلے اور سپاہ گری کے کرتب دکھلائے جاتے تھے۔ یہ میلہ عربوں کی زندگی کی صحیح عکاسی کرتا تھا۔

تاریخ اسلام از عبدالرحمٰن شوق، صفحہ ۲۷

۸۸ء براض:۔ سیرت ابن ہشام، صفحہ ۹۲-۹۳

۸۹ء عروہ رحال:۔ سیرت ابن ہشام، صفحہ ۹۲-۹۳

۹۰ء حرب فجار:۔ حرب فجار کے چار دور ہوئے۔

اوّل۔ کنانہ اور ہوازن کے درمیان۔

دوم۔ قریش اور کنانہ کے درمیان۔

سوم۔ کنانہ اور بنو نضر بن معاویہ کے درمیان

چہارم۔ قریش کنانہ اور ہوازن کے درمیان

ان سب کا دور ۵۸۰ء سے ۵۹۰ء تک رہا

یہ جنگیں حرمت والے مہینوں میں لڑی گئی تھیں اس لیے حرب فجار کے نام سے مشہور ہوئیں۔ محمد رسول اللہ صفحہ ۵۰

سیرت ابن ہشام صفحہ ۹۱

رسولِ اکرم کی سیاسی زندگی صفحہ ۴۵

۹۱ تیر اکٹھے کرنا:۔ سیرت ابن ہشام صفحہ ۴۲

رسول اکرم کی سیاسی زندگی صفحہ ۴۶ پر لکھا ہے :۔

"عرب میں ابو براء ملاعب الاسنۃ نامی ایک مشہور تیر باز تھا۔ کہتے ہیں کہ آنحضرت نے ایک حرب فجار میں بڑی بہادری سے اس کو نیزہ مارا تھا۔ ابن ہشام نے چوتھے حرب فجار کے بارے میں لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان تیروں کو روک کنے میں حصہ لیتے تھے۔ جو آپ کے چچاؤں پر ان کے دشمن نشانہ لگا کر چلاتے تھے۔ ابن سعد نے اس وقت آنحضرتؐ کی عمر بیس سال بتائی۔ اور آپؐ کا یہ جملہ نقل کیا ہے کہ

"میں تب وہاں اپنے چچاؤں کے ساتھ شریک تھا اور کچھ تیر بھی چلاتے اور مجھے پسند نہیں ہے کہ میں نے ایسا کیا ہوتا"

۹۲ شہر زبید:۔ یہ یمن کا شہر ہے۔ رسول اکرم کی سیاسی زندگی صفحہ ۴۶

سیرت رسول عربی صفحہ ۵۲

۹۳ عاص بن وائل:۔ سیرت رسولِ عربی صفحہ ۵۳

یہ وہی بدبخت ہے جس کے متعلق محمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ جب اس کے سامنے (بعثت کے بعد) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کیا جاتا۔ تو وہ کہتا

"اجی چھوڑ دانہیں وہ تو ایک ابتر (جڑ کٹے) آدمی ہیں۔ ان کی کوئی

اولاد نرینہ نہیں ہے۔ مرجائیں گے تو کوئی ان کا نام لیوا بھی نہ ہوگا۔"

تفہیم القرآن، جلد ششم، صفحہ ۴۵۰

قرآن مجید میں اس کی مذمت ہے۔ سیرت ابن ہشام، صفحہ ۱۷۵

عمرو بن عاص فاتح مصر اسی کے بیٹے تھے۔

۹۴ زبیر بن عبد المطلب :- یہ حضورؐ کے سگے چچا تھے۔ یعنی حضرت عبد اللہ، زبیر اور ابو طالب تینوں ایک ماں کے بیٹے تھے۔ انہیں حضورؐ سے بہت پیار تھا۔ اکثر کتابوں میں ان کی لوری ملتی ہے۔ جو حضورؐ کو دیا کرتے تھے۔ چونتیس سال کی عمر میں قبل از اسلام فوت ہوئے۔ ان کا ایک لڑکا عبد اللہ صحابی اور دو لڑکیاں ضباعہ اور ام حکیم صحابیہ ہیں۔ آپ نے حلف الفضول کے رضا کاروں کی شان میں بہت سے شعر بھی لکھے ہیں۔

بعض روایات کے مطابق حلف الفضول کے اصل محرک یہی تھے۔

۹۵ عبد اللہ بن جدعان :- حرب فجار کے بعد اس کے مکان پر لوگ ضیافت کی دعوت پر جمع ہوئے تھے۔ وہ بہت بوڑھا اور با اثر بھی تھا۔ اور بعض دفینوں کے ملنے سے بڑا مال دار بھی تھا۔ اور غالباً اس کا مکان سب سے کشادہ تھا۔ یہی حلف الفضول کی تجدید کا اصل محرک تھا۔ رسول اکرمؐ کی سیاسی زندگی، صفحہ ۴۶

۹۶ حلف الفضول :- اس کے محرک زبیر بن عبد المطلب اور عبد اللہ بن جدعان تھے۔ اور جن لوگوں نے اسے اس سے قبل مرتب کیا تھا۔ ان میں سے ہر ایک کا نام فضل تھا۔ اس لیے حلف الفضول کے نام سے مشہور ہوا۔ (فضول جمع ہے فضل کی)

۹۷ حلف :- رسول اکرمؐ کی سیاسی زندگی، صفحہ ۴۷

۹۸ شفقیں :- رحمۃ للعالمینؐ جلد اول، صفحہ ۴۷

۹۹ رفتار :- محسنِ انسانیتؐ، صفحہ ۹۴

۱۰۰ خوشبو :- محسنِ انسانیتؐ، صفحہ ۹۳

(مشہور بات ہے کہ آپؐ جس کوچے سے گذر جاتے۔ دیر تک اس میں مہک رہتی تھی۔ اور فضائیں بتاتی تھیں کہ گذر گیا ہے ادھر سے وہ کاروانِ بہار)

۱۰۰ـ حسن ادا :۔ مدینہ میں ایک تجارتی قافلہ وارد ہوا اور شہر سے باہر ٹھہرا۔ حضورؐ کا اتفاقاً اس طرف گزر ہوا۔ ایک اونٹ کا سودا کیا اور یہ کہہ کر اونٹ ساتھ لے آئے کہ قیمت بھجوائے دیتا ہوں۔ بعد میں قافلے والوں کو تشویش ہوئی کہ بغیر جان پہچان کے معاملہ کر لیا۔ اس پر سردار قافلہ کی خاتون نے کہا۔

"مطمئن رہو۔ میں نے اس شخص کا چہرہ دیکھا تھا۔ جو چودھویں کے چاند کی طرح روشن تھا۔ وہ تمہارے ساتھ بدمعاملگی کرنے والا شخص نہیں ہو سکتا۔ اگر ایسا آدمی (اونٹ کی رقم) ادا نہ کرے تو میں اپنے پاس سے کر دوں گی۔" محسنِ انسانیت، صفحہ ۸۴

سیرت النبیؐ جلد دوم، صفحہ ۲۰۸

۱۰۱ـ قیام امن :۔ ابن ہشام اور حمیدی وغیرہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس بیان کی روایت کی ہے کہ "میں عبداللہ بن جدعان کے گھر حلف لینے کے لیے شریک ہوا تھا۔ اور سرخ اونٹوں کے گلے کے عوض بھی اس شرکت کے اعزاز سے دست بردار ہونا نہیں چاہتا۔ اور اگر اب زمانۂ اسلام میں بھی مجھے کوئی اس کی دہائی دے کر پکارے تو اس کی مدد کو دوڑوں گا۔" رسولِ اکرمؐ کی سیاسی زندگی صفحہ ۷۴

محسنِ انسانیت صفحہ ۱۲۵

۱۰۲ـ رحمۃ للعالمین :۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے :۔

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ۔

گوتم بدھ کی سانس اکھڑ رہی ہے۔ اور اس کا ایک مخلص خادم اس کے قدموں کو اپنے آنسوؤں سے یہ کہتے ہوئے دھو رہا ہے۔ "آقا، آپ کے جانے کے بعد دنیا کو کون تعلیم دے گا۔"

بدھ نے اس کے جواب میں کہا :۔ "نندہ میں پہلا بدھ نہیں ہوں جو زمین پر آیا۔ نہ میں آخری بدھ ہوں۔ اپنے وقت پر ایک اور بدھ آئے گا۔ مقدس۔ منور القلب۔ عملاً ہو... انائی سے لبریز۔ مبارک عالم کائنات ... وں کا عدیم النظیر سردار جو غیر فانی

حقائق میں ظاہر کر رہا ہوں وہ بھی وہی ظاہر کرے گا۔ وہ ایک مکمل اور خالص مذہبی نظامِ زندگی کی میری طرح تبلیغ کرے گا۔"

نندہ نے کہا۔" ہم اس کو کس طرح پہچانیں گے۔"

آقا نے فرمایا۔" وہ تیسریا کے نام سے موسوم ہوگا۔"

۱۲ر اکتوبر ۱۹۳۰ء کی اشاعت میں الٰہ آباد کے مشہور ہندو انگریزی اخبار "لیڈر" میں ایک بدھسٹ کا یہ مضمون سات کالم میں شائع ہوا تھا جس میں اسی "تیسریا" لفظ کا ترجمہ نامہ نگار مذکور نے لکھا تھا۔

" وہ جس کا نام رحمت ہے۔"

النبی الخاتم، صفحہ ۲۱

۱۰۳۔ خرافات:۔ سیرت حلبیہ میں ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایک مرتبہ ابو طالب نے مکّہ والوں کی ایک بُت پرستانہ عید میں حصّہ لینے کے لیے آپ کو بہت بُرا بھلا کہہ کر مجبور کیا۔ لیکن کچھ ایسے واقعات پیش آئے کہ ابو طالب نے پھر کبھی آپ کو مجبور نہیں کیا۔

ایسے ہی ایک دفعہ بُوانہ نامی بت کی سالانہ تقریب تھی۔ لوگ اس کی پوجا کے بعد سر منڈوانے تھے۔ جب وہاں جانے سے سال بہ سال آنحضرتؐ نے انکار کیا تو ایک سال ابو طالب بھی خفا ہوئے اور پھوپھیاں بھی اتنی بضد ہوئیں کہ آنحضرتؐ ساتھ جانے پر آمادہ ہوئے۔ اور پھر غیبی حوادث پیش آئے۔

رسول اکرمؐ کی سیاسی زندگی، صفحہ ۴۵-۴۴

ایک دفعہ بتوں کے چڑھاوے کا جانور پکا کر لایا گیا تو آپؐ نے کھانے سے انکار کر دیا۔ عریانی میں طواف سے انکار کیا۔ وقوفِ عرفات اختیار کیا۔

محسنِ انسانیت، صفحہ ۱۲۵

۱۰۴۔ زید بن نفیل:۔ یہ وہی بزرگ ہیں جو لڑکیوں کو زندہ درگور ہونے سے بچا لیتے تھے اور جو شخص اپنی لڑکی کے ساتھ ایسا کرنے کا ارادہ رکھتا، اسے کہتے ٹھہر جا۔

اسے قتل نہ کر۔ میں اس کے بار کا کفیل ہوں۔ پھر اس لڑکی کو لے لیتے۔ اس کی پرورش کرتے۔ جب وہ لڑکی چھوٹی بات کرنے لگتی تو اس کے باپ سے کہتے کہ اگر تو چاہے تو لڑکی کو تجھے واپس کر دوں۔ اور اگر تو چاہے تو میں اس کے بار میں تیری کفالت کروں۔ آپؓ کی وفات حضورؐ کی بعثت سے پانچ سال قبل تعمیر کعبہ کے وقت ہوئی۔ موت کے وقت کہہ رہے تھے۔ میں دین ابراہیم پر قائم ہوں۔ آپ کو کوہِ حرا کے دامن میں دفن کیا گیا۔

طبقات ابن سعد، حصّہ سوم صفحہ ۳۷۳

۱۰۵ اشار:۔ محسنِ انسانیت، صفحہ ۱۳۱

۱۰۶ ورقہ بن نوفل:۔ پورا نام ورقہ بن نوفل بن اسد القریشی تھا۔ حضورؐ کی پہلی زوجہ محترمہ حضرت خدیجہؓ کے چچازاد بھائی تھے۔ آپ حنفاء کے اس مختصر گروہ میں شمار ہوتے ہیں۔ جو حضورؐ کی بعثت سے پیشتر بت پرستی سے تائب ہو کر راہِ حق کی تلاش میں سرگرداں تھا۔ ورقہ عبرانی جانتے تھے۔ انجیل کے عالم تھے اور عیسائی ہو گئے تھے۔ پہلی وحی کے بعد جب حضورؐ خوفزدہ حالت میں گھر تشریف لائے تو حضرت خدیجہؓ انہیں بلا لائیں۔ انہوں نے حضورؐ کو تسلّی دی اور بتایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السّلام آپ کے متعلق پیش گوئی کر چکے ہیں۔ اور آپؐ پر وحی لانے والا وہی ناموسِ اکبر ہے جو حضرت موسیٰ پر وحی لا چکا ہے۔ آخری عمر میں نابینا ہو گئے تھے۔ حضورؐ کی بعثت کے دوسرے سال وفات پائی۔

اردو انسائیکلو پیڈیا، صفحہ ۱۵۲۸

۱۰۷ حکیم بن حزام:۔ آپ حضرت خدیجہؓ کے بھتیجے ہیں۔ آپ نے جنگِ بدر کو رد کرنے کے لیے قریش کو ترغیب دی تھی۔ اور قریش کے سرداروں عتبہ بن ربیعہ اور ابو جہل سے اس سلسلہ میں گفتگو بھی کی مگر ناکام رہے۔

سیرت ابن ہشام، صفحہ ۳۰۲

آپ حضورؐ کے دوست تھے۔ اور بعثت سے قبل ہی دوستی کا آغاز ہو چکا تھا۔ ہجرت کے آٹھویں برس تک ایمان نہیں لائے تھے۔ لیکن پھر بھی آنحضرتؐ سے گہری محبت رکھتے

تھے۔ اور اسی محبت کے تحت ایک مرتبہ پچاس اشرفیوں کا ایک قیمتی حلہ خرید کر مدینہ میں آکر پیش کیا۔ مگر آنحضرتؐ نے باصرار قیمت ادا کر دی۔

محسن انسانیت، صفحہ ۱۲۶

فتح مکہ کے موقعہ پر آپ کے گھر کو بھی جائے امن قرار دیا تھا۔

رسولِ رحمت، صفحہ ۴۲۶

شعبِ ابوطالب کے محاصرہ کے دنوں میں یہ حضرت خدیجہؓ کو کبھی کبھی کھانا بھجوایا کرتے تھے۔

رسولِ اکرمؐ کی سیاسی زندگی، صفحہ ۷۸

۱۰۸۔ ابوبکر صدیقؓ :۔ بنو تیم کے جناب ابو قحافہ کے بیٹے تھے۔ حضورؐ کے یارِ غار صحابہ کرام میں سے پہلے پہلے ایمان لانے والے۔ حضورؐ کے بعد مسلمانوں کے خلیفہ اوّل اور اپنے صدق اور ایثار کی وجہ سے صدیق کہلانے والے ہیں۔ آپ نے مکی دور کی تیرہ سالہ زندگی میں بھی ہر وقت حضورؐ کا ساتھ دیا۔ ہجرت میں ساتھ تھے۔ حضورؐ فرماتے تھے کہ ۔۔ "میں نے ہر ایک کے احسانات کا بدلہ چکا دیا ہے۔ لیکن ابوبکر صدیق کے احسانوں کا بدلہ خدا ہی قیامت کے روز دے گا۔" آپ کی بیٹی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضورؐ کی زوجہ محترمہ تھیں۔

آپ نے پُر آشوب دور میں خلافت سنبھالی۔ منکرین زکوٰۃ اور نبوت کے جھوٹے دعوے داروں کے خلاف جہاد کیا۔ سوا دو سال تک منصبِ خلافت پر رہنے کے بعد ۲۲ جمادی الثانی ۱۳ھ بمطابق ۲۴ اگست ۶۳۴ء بروز دوشنبہ ۶۳ سال کی عمر میں وفات پائی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں دفن ہوئے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

اردو انسائیکلو پیڈیا، صفحہ ۶۳

۱۰۹۔ ولید بن مغیرہ :۔ حضرت خالدؓ کا والد۔ حضورؐ کا دشمن اور قریش کا مشہور سردار۔

۱۱۰۔ عفان بن ابو العاص :۔ حضرت عثمانؓ کے والد۔

۱۱۱؎ ابو سفیان بن حرب :۔ صخر نام اور ابو سفیان کنیت ہے۔ قریش کے رئیس تھے۔ جنگِ بدر، جنگ احد اور جنگِ احزاب میں مسلمانوں کے خلاف لڑے۔ اور فتح مکہ کے موقع پر حضرت عباسؓ کی وساطت سے مسلمان ہو گئے۔ اور حضورؐ نے ان کے گھر کو دارالامان قرار دے دیا۔ قبولِ اسلام کے بعد جنگِ حنین اور پھر جنگِ طائف میں شامل ہوئے۔ جس میں ایک آنکھ جاتی رہی۔ حضرت عمرؓ کے زمانے میں وہ پورے خاندان سمیت شام کی مہمات میں شریک ہوئے۔ جنگِ یرموک میں نہایت بہادری سے لڑے۔ اور دوسری آنکھ بھی جاتی رہی۔ آپ کے بیٹے حضرت معاویہؓ اور حضرت یزیدؓ بھی اس میں شامل تھے۔

۳۴ھ میں بعہد حضرت عثمانؓ ۸۰ سال کی عمر میں وفات پائی۔ آپ کی بیٹی حضرت ام حبیبہؓ حضورؐ کی زوجہ محترمہ تھیں۔

اردو انسائیکلوپیڈیا صفحہ ۶۸

۱۱۲؎ عتبہ :۔ رسولِ عربی اور عصرِ جدید، صفحہ ۲۰۴

۱۱۳؎ حضرت عمرؓ :۔ حضرت عمرؓ بن خطاب قبولِ اسلام سے قبل سپہ گری اور تجارت میں نام پیدا کر چکے تھے۔ دانش مند۔ دور اندیش اور بہادر انسان تھے۔ قبولِ اسلام کے بعد آپ نے کھلم کھلا نمازیں ادا کیں۔ مدینے پہنچ کر اسلامی جنگوں میں شریک ہوئے۔ آپؓ کی بیٹی حضرت حفصہؓ حضورؐ کی زوجہ محترمہ تھیں۔ حضرت ابو بکرؓ کے بعد امیر المومنین ہوئے۔ اور ایران، عراق اور شام میں فتوحات حاصل کیں۔ زبردست منتظم، محبِ رسولؐ اور مخلص مسلمان تھے۔ خلافت کے گیارھویں سال میں ایک پارسی غلام فیروز نے حالتِ نماز میں آپ کو سخت زخمی کیا۔ تین روز بعد ۲۸ ذی الحجہ ۲۳ھ میں وفات پائی۔ اور حضورؐ کے پہلو میں دفن ہوئے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

اردو انسائیکلوپیڈیا، صفحہ ۱۰۹۲

۱۱۴؎ حضرت خالدؓ بن ولید :۔ مشہور جرنیل تھے۔ جنگِ احد میں مسلمانوں کو شکست دی۔ ۸ھ میں آپ نے اسلام قبول کر لیا۔ جنگِ موتہ میں اپنی بہادری اور

دانائی کا لوہا منوایا۔ ایرانیوں، عراقیوں اور رومیوں کو پے در پے شکستیں دے کے دھاک بٹھا دی۔ جنگ یرموک میں قلیل تعداد کے ساتھ کثیر تعداد دشمنوں کو شکست دی۔ ۲۱ھ میں وفات پائی مسلمانوں کے بہترین جرنیل شمار ہوتے ہیں۔

اردو انسائیکلوپیڈیا، صفحہ ۶۶۲

۱۱۵ رکانہ:۔ رکانہ بن عبد یزید بن ہاشم قریشی مطلبی قریش میں سب سے طاقتور پہلوان تھا۔ حضورؐ کے شعب ابی طالب سے نکلنے کے بعد ایک روز مکہ کی راہ میں آپؐ سے ملا۔ آپؐ نے فرمایا۔ "رکانہ کیا تو خدا سے نہیں ڈرتا۔ اور میری دعوتِ اسلام کو قبول نہیں کرتا" رکانہ بولا "اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ جو کچھ آپ فرماتے ہیں، وہ سچ ہے تو میں آپ پر ایمان لے آؤں" آپؐ نے اس کے ذوق کو ملحوظ رکھتے ہوئے فرمایا۔ "اگر میں تجھے کشتی میں پچھاڑ دوں تو کیا تو مان جائے گا کہ میں جو کچھ کہتا ہوں سچ ہے۔" وہ بولا "ہاں۔" آپؐ نے اسے پکڑا اور چاروں شانے چت کر دیا۔ کہنے لگا "اب مجھ سے دوبارہ کشتی لڑیں۔" آپؐ نے دوسری بار بھی پچھاڑ دیا۔ اس پر کہنے لگا "اے محمدؐ۔ خدا کی قسم آپؐ کا مجھے پچھاڑ دینا عجیب ہے" اس کے باوجود فتح مکہ کے بعد اسلام لایا۔

(سیرت رسولِ عربیؐ، صفحہ ۳۹۴)

۱۱۶ ابوالاسود جمی:۔ ابوالاسود جمی کو بھی آپؐ نے بعثت کے بعد کشتی میں پچھاڑا تھا۔ مگر وہ اس کے باوجود ایمان نہ لایا۔

(محسنِ انسانیت، صفحہ ۸۰)

۱۱۷ عبداللہ بن ابی الحساد:۔ یہ مسلمان ہو گئے تھے۔

(طبقات ابن سعد، حصہ ہفتم، صفحہ ۷۷)

۱۱۸ اعتراف:۔ نضر بن حارث جو آپؐ کا جانی دشمن ہے جب قریش کی طرف سے آپؐ کے پاس نمائندہ بن کر آتا ہے کہ آپؐ اسلام کی تبلیغ بند کریں۔ اور ہم آپؐ کی شرائط قبول کر لیں گے۔ تو واپس آکر کہتا ہے۔

"محمدؐ بچپن میں تم سب سے زیادہ پسندیدہ۔ سب سے زیادہ سچا اور سب سے بڑھ کر امانت دار مانا جاتا تھا۔ اب جو اس کی ڈاڑھی کے بال پک گئے۔ اور اس نے اپنی تعلیم تمہارے سامنے پیش کی تو تم نے کہہ دیا کہ وہ ساحر ہے۔ نہیں۔ نہیں باخدا وہ ساحر نہیں ہے۔"

(رحمۃ اللعالمین جلد دوم، صفحہ ۲۳۶)

ابو جہل جو آپؐ کا جانی دشمن تھا کہتا تھا:

"اے محمدؐ۔ میں تمہیں جھوٹا نہیں سمجھتا۔ مگر تمہاری تعلیم پر میرا دل نہیں جمتا۔" (رحمۃ اللعالمین۔ جلد دوم، صفحہ ۳۹۱)

۱۱۹ مجھے مشقت میں مبتلا کیا ہے:۔

(طبقات ابن سعد حصہ ہفتم، صفحہ ۷۷)

۱۲۰ ابن مریم:۔ (رحمۃ اللعالمین۔ جلد اوّل، صفحہ ۳۰۶) فٹ نوٹ

۱۲۱ یوحنا:۔ رحمۃ اللعالمین۔ جلد اول، صفحہ ۴۸۔ ۴۹ فٹ نوٹ

۱۲۲ قسم:۔ قرآن مجید تیسواں پارہ اور سورہ البلد میں ہے

لا اقسم بھذا البلد ۰ وانت حل بھذا البلد

(ہم قسم کھاتے ہیں اس شہر کی۔ اس لیے اے نبی کہ آپ اس شہر میں رہتے ہیں)

مولانا ابو الکلام آزاد رسول رحمت صفحہ ۳۳ میں فرماتے ہیں۔

اور ظاہر ہے۔ کہ خدائے تعالیٰ آپؐ کے نام کی عزت و احترام کی شان کیوں نہ قائم کرتا۔ حالانکہ جس شہر کی خاک آپؐ کے قدموں سے مس ہو یا اس کو تو وہ بھی اس درجہ محبوب ہے کہ اس کی قسم کھاتا ہے۔ (اے پیغمبر ہم اس شہر مکہ کی قسم کھاتے ہیں اور اس لیے کہ تم اس میں مقیم ہو۔)

۱۲۳ میسرہ:۔ حضرت خدیجہؓ کے نہایت معتمد اور وفادار غلام۔ جنہوں نے

شام کے سفر سے واپسی پر حضورؐ کی سیرت کو نہایت دلنشیں انداز میں بیان کیا۔

اس سفر میں حضرت خدیجہؓ کے ایک رشتہ دار خزیمہ بھی ساتھ تھے جنہیں بی بی خدیجہؓ نے بھیجا تھا۔ (رسول اکرمؐ کی سیاسی زندگی، صفحہ ۵۰)۔

۱۲۴ حضرت خدیجہؓ:۔ آپ کی پہلی بیوی ہیں۔ تقریباً ساری اولاد بھی ان ہی کے بطن سے ہوئی ہے۔ آپ کی زندگی میں حضورؐ نے شادی نہیں کی۔ آپ حضورؐ کی مونس و غمخوار تھیں۔ حضورؐ آپ سے بے حد محبت کرتے تھے۔ چنانچہ ایک بار حضرت عائشہؓ نے حضورؐ سے کہا۔ یا رسول اللہ آپ حضرت خدیجہؓ کا ذکر بار بار فرماتے ہیں۔ اور ان کی بے حد تعریف کرتے ہیں۔ وہ تو بوڑھی عورت تھیں۔ حق تعالیٰ نے آپ کو ان کا نعم البدل عطا فرمایا۔ یہ سن کر آپؐ کو جلال آگیا۔ اور فرمایا۔ نہیں۔ خدا کی قسم۔ اللہ نے مجھے اس کا نعم البدل عطا نہیں فرمایا۔ جب لوگوں نے مجھ پر ایمان لانے سے انکار کر دیا تھا تو وہ مجھ پر ایمان لائیں۔ جب لوگوں نے مجھے جھٹلایا تو انہوں نے مجھے سچا کہا۔ جب لوگوں نے مجھے معاش سے محروم کر دیا تھا تو انہوں نے اپنے مال سے میری مدد کی۔ جب خدا نے دوسری بیویوں سے مجھے اولاد سے محروم رکھا تو ان سے مجھے اولاد عطا فرمائی۔ محمد رسول اللہ، صفحہ ۴۷

آپ کا انتقال ہجرت سے تین سال پیشتر ۶۵ سال کی عمر میں ہوا۔ اور کوہ حجون میں دفن ہوئیں۔ حضورؐ آپ کی قبر میں اترے تھے۔ اسی سال ابو طالب کا انتقال ہوا تھا۔ اس لیے یہ سال عام الحزن کہلاتا ہے۔

۱۲۵ عتیق بن عائذ:۔ سیرت رسول عربی، صفحہ ۶۹

۱۲۶ ابو ہالہ:۔ سیرت رسول عربی، صفحہ ۶۹

۱۲۷ نور:۔ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ حضورؐ اپنے نعل کو پیوند لگا رہے تھے۔ اور میں چرخہ کات رہی تھی۔ میں نے دیکھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی مبارک پر پسینہ آرہا ہے۔ اور اس کے اندر ایک نور ہے جو ابھر رہا ہے اور بڑھ رہا ہے۔ یہ ایسا نظارہ تھا کہ میں سراپا حیرت بن گئی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر مجھ پر

پڑی فرمایا۔ عائشہؓ تو کیوں حیران ہو رہی ہے ۔ میں نے کہا یا رسول اللہؐ میں نے دیکھا ہے کہ حضورؐ کی پیشانی پر پسینہ ہے اور پسینے کے اندر ایک چمکتا دمکتا نور ہے ۔ اس پاک نظارے نے مجھے سراپا چشم کر دیا ہے ۔ بخدا اگر ابو کبیر ہذلی (زمانہ جاہلیت کا شاعر) حضورؐ کو دیکھ پاتا تو اسے معلوم ہو جاتا کہ اس کے اشعار کے صحیح مصداق حضورؐ ہی ہو سکتے ہیں ۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کے شعر کیا ہیں ۔ میں نے پڑھ کر سنا دیئے ۔

ترجمہ :۔

وہ ولادت اور رضاعت کی آلودگیوں سے مبرا ہیں ۔
ان کے درخشاں چہرے پر نظر کرو تو معلوم ہوگا کہ نورانی اور روشن برق جلوہ دے رہی ہے ۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں جو کچھ تھا رکھ دیا ۔ اور میری عائشہؓ کی پیشانی کو چوما اور زبان مبارک سے فرمایا :

" جو سرور مجھے تیرے کلام سے حاصل ہوا ہے اس قدر سرور تجھے میرے نظارے سے نہ ہوا ہوگا "

رحمۃ اللعالمین ۔ جلد سوم ، صفحہ ۱۸۶

۱۲۸ ۔ سعدیؓ :۔ طبقات ابن سعد ۔ جلد سوم ، صفحہ ۲۳۶

۱۲۹ ۔ زیدؓ :۔ طبقات ابن سعد جلد سوم ، صفحہ ۲۳۶ تا ۲۳۸

آپ بڑے فضائل کے مالک ہیں ۔ آپ کو آزاد شدہ غلاموں اور نوجوانوں میں سب سے پہلے اسلام لانے کا شرف حاصل ہے ۔ حضورؐ نے آپ کو اپنا بیٹا کہہ کر پکارا ہے ۔ مومنوں میں سے قرآن مجید میں صرف آپ کا نام آیا ہے ۔ حضورؐ نے آپ کا نکاح اپنی پھوپھی زاد بہن حضرت زینبؓ سے کیا تھا لیکن جب دونوں میاں بیوی میں ان بن ہو گئی اور آپ نے حضرت زینبؓ کو طلاق دے دی تو حضورؐ نے آپ کا نکاح ام ایمن سے کر دیا ۔ جن سے حضرت اسامہؓ پیدا ہوئے ۔ جو حضورؐ کو اس قدر عزیز تھے کہ فتح مکہ کے موقعہ پر وہی حضورؐ کے ردیف تھے ۔ انہیں ہی حضورؐ نے اپنی وفات سے

چند روز قبل لشکرِ اسلام کا سپہ سالار بنا کر جنگِ موتہ کا انتقام لینے کے لیے شام کی طرف روانہ کیا۔ اس جنگ میں حضرت زیدؓ جو سالارِ لشکر تھے شہید ہو گئے۔ سلسلۂ مواخات میں آپ حضرت حمزہؓ کے بھائی بنائے گئے تھے۔ سفر و حضر میں حضورؐ کے ساتھ رہے۔

رحمتہ اللعالمین کے صفحہ ۲۸۸ جلد سوم پر لکھا ہے کہ ایک دفعہ آپ نے مکہ سے طائف جانے کے لیے کرایہ پر خچر لیا اور سفر پر روانہ ہو گئے۔ خچر والا ڈاکو تھا۔ اس نے ویرانے میں جانے کے بعد آپ کو قتل کرنا چاہا۔ آپؐ نے کہا میں دو رکعت نفل پڑھ لوں۔ اس نے ادھر اُدھر سرہڈیوں کے پنجر دکھا کر کہا۔ یہ سب نماز پڑھنے والے تھے۔ تمہارا بھی یہی حشر ہو گا۔ آپ نے نماز شروع کی اور بار بار ارحم الراحمین پڑھا۔ حضرت جبرائیل نازل ہوئے اور ڈاکو کو قتل کر ڈالا۔

۱۳۰ لے تحفہ :۔ طبقات ابن سعد۔ جلد سوم، صفحہ ۲۳۶

۱۳۱ لے حسین تر :۔ حضرت جابر بن سمرہؓ کا بیان ہے کہ میں ایک مرتبہ چاندنی رات میں حضورؐ کو دیکھ رہا تھا۔ آپؐ اس وقت سرخ جوڑا زیب تن کیے ہوئے تھے۔ میں کبھی چاند کو دیکھتا تھا اور کبھی آپؐ کو۔ بالآخر میں اس فیصلے پر پہنچا کہ حضور اکرمؐ چاند سے کہیں زیادہ حسین ہیں۔

محسنِ انسانیت، صفحہ ۸۴

۱۳۲ لے خوشبو :۔ رسولِ رحمت، صفحہ ۶۶۵ فٹ نوٹ

۱۳۳ لے نبی آخرالزماں :۔ محمد رسول اللہ، صفحہ ۶۲

۱۳۴ لے نیک سیرت :۔ حضرت خدیجہؓ حضورؐ کی سیرت سے اس قدر متاثر ہوئیں کہ انہوں نے حضورؐ سے شادی کر لینے کا ارادہ کیا تو نفیسہ کے ذریعہ بات چیت ہوئی۔ لیکن محمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ حضرت خدیجہؓ نے آپؐ کو بلا کر بالمشافہ بات چیت کی۔ اور اس موقعہ پر اس پسند کی وجہ جو انہوں نے بیان کی وہ خود ان کے الفاظ میں یہ ہے:

انها قالت لما خطبتا انی قد رغبت فیك لحسن خلقك

وصدق حدیثک۔

یعنی میں نے آپؐ کی صداقت اور اچھے اخلاق کی وجہ سے آپؐ کو پسند کیا۔

رسول اکرمؐ کی سیاسی زندگی، صفحہ ۵۲

۔ اور ابن ہشام نے لکھا ہے کہ:

حضرت خدیجہؓ نے حضورؐ کو پیغام بھیجا کہ اے میرے چچازاد کیونکہ تم مجھ سے قرابتِ قریبی رکھتے ہو۔ اور امانت وصدق، اور اخلاقِ حسنہ کے ساتھ موصوف ہو لہٰذا تمہاری جانب میرا میلانِ خاطر ہے۔

۔ سیرت ابنِ ہشام، صفحہ ۹۸

ابنِ سعد سے معلوم ہوتا ہے کہ مکے میں وقتاً فوقتاً آنحضرتؐ بی بی خدیجہؓ سے ملتے جلتے تھے۔ جو آپؐ کو بہت چاہنے لگی تھیں۔ اور کسی وقت اپنی سہیلیوں میں بیٹھی ہوتیں۔ اور آنحضرتؐ آتے تو آپ ان سے بھی ضرور ملتیں۔ ان سماجی ملاقاتوں میں اور امور کے ساتھ ساتھ معاشی کاروبار امور پر بھی گفتگو ہوتی ہوگی۔

رسولِ اکرمؐ کی سیاسی زندگی، صفحہ ۵۰

۱۳۵۔ نفیسہ بنت علیہؓ۔ محمدؐ عربی، صفحہ ۷۳

رسولِ اکرمؐ کی سیاسی زندگی، صفحہ ۵۲

(اس میں نفیسہ بنت امیہ یعنی اخت یعلیٰ بن امیہ لکھا ہے)

حضورؐ حضرت خدیجہؓ کی سہیلیوں کا بہت احترام کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ ایک بار حسانہ مزنیہ نبیؐ سے ملنے آئیں۔ آپ نہایت مہربانی سے اس کا حال دریافت کرتے رہے اور پوچھتے رہے کہ ہمارے بعد تمہارا کیا حال رہا۔ وہ چلی گئیں تو میں نے پوچھا یہ بڑھیا کون تھی جس سے آپؐ اس عنایت سے پیش آئے۔ حضورؐ نے فرمایا۔ یہ خدیجہؓ کی سہیلی ہے۔ اسے خدیجہؓ سے بہت محبت تھی

رحمۃ اللعالمینؐ۔ جلد دوم، صفحہ ۱۷۵

حضورؐ حضرت خدیجہؓ کی سہیلیوں کو اکثر تحائف بھی دیا کرتے تھے۔

۱۳۶ـ یمن کا سفر:۔ حضرت خدیجہؓ نے آپؐ کو جہاں جہاں تجارت کی غرض سے بھیجا تھا۔ ان میں جرش شامل ہے۔ جو یمن میں ہے۔ نبوت کے بعد جس سال آپؐ کی خدمت میں عرب کے دور دراز مقامات سے وفود آئے تھے۔ ان میں جب بحرین سے عبدالقیس کا وفد آیا تو آپؐ نے بحرین کے ایک ایک مقام کا نام لے کر وہاں کا حال پوچھا۔ لوگوں نے تعجب سے عرض کی کہ آپؐ تو ہمارے ملک کا حال ہم سے بھی زیادہ جانتے ہیں۔ تو آپؐ نے فرمایا: میں نے تمہارے ملک کی خوب سیر کی ہے۔

(سیرت النبیؐ از شبلی)

رسول اکرمؐ کی سیاسی زندگی، صفحہ ۴۹

۱۳۷ـ صفیہؓ:۔ آپ عبدالمطلب کی بیٹی اور حضورؐ کی پھوپھی تھیں حضرت حمزہؓ کی سگی بہن تھیں۔ آپ کی پہلی شادی حارث بن حرب سے ہوئی تھی۔ اس کے انتقال کے بعد دوسری شادی حضرت خدیجہؓ کے بھائی عوام بن خویلد سے ہوئی۔ آپ بڑی بہادر عورت تھیں۔ جنگ احد میں اپنے شہید بھائی حضرت حمزہؓ کا مثلہ شدہ بدن دیکھ کر بھی بڑے ضبط اور صبر کا ثبوت دیا تھا۔ آپ کی والدہ ہالہ بنت وہب حضورؐ کی والدہ بی بی آمنہ بنت وہب کی بہن تھیں۔ اس طرح آپؓ حضورؐ کی خالہ زاد بہن بھی ہوتی ہیں۔ عوام بن خویلد سے شادی کے بعد آپ کے ہاں زبیرؓ پیدا ہوئے۔ آنحضرتؐ کی تمام پھوپھیوں میں یہ شرف صرف حضرت صفیہؓ کو حاصل ہے کہ انہوں نے اسلام قبول کیا۔ آپ نے ۲۰ھ میں ۷۲ سال کی عمر میں انتقال کیا۔

اردو انسائیکلوپیڈیا، صفحہ ۱۰۰۱

۱۳۸ـ صفیہؓ:۔ رسولِ عربی اور عصرِ جدید، صفحہ ۹۴

" رسول اکرمؐ کی سیاسی زندگی، صفحہ ۵۳

۱۳۹ـ ابوطالب:۔ رسول اکرمؐ کی سیاسی زندگی، صفحہ ۵۳

۱۳۹-۸ـ عمرو بن اسد:۔ سیرت ابنِ ہشام صفحہ ۹۸ میں لکھا ہے کہ حضورؐ کے ساتھ حضرت حمزہؓ حضرت خدیجہؓ کے والد خویلد کے پاس آئے تھے۔ حالانکہ شادی کا پیغام

ان سے چچا عمرو بن اسد کو دیا گیا تھا۔ اور بقول بعض ان کے بھائی عمرو بن خویلد نے ان کا نکاح کیا تھا۔ سیرت رسول عربی، صفحہ ۵۶

۱۴۰۔ خطبۂ نکاح :- سیرت رسولِ عربی، صفحہ ۵۶

" رسول اکرمؐ کی سیاسی زندگی، صفحہ ۵۳

" اس کتاب میں لکھا ہے کہ ابو طالب کے خطبہ کے بعد ورقہ بن نوفل نے بھی جو حضرت خدیجہؓ کے چچازاد بھائی تھے۔ مندرجہ ذیل خطبہ دیا:

"حمد وثنا خدا کے لیے ہے۔ جس نے ہمیں ویسا ہی بنایا جیسا کہ اے ابو طالب آپ نے ذکر کیا ہے۔ اور ہمیں وہ تمام فضیلتیں عطا فرمائیں جن کو آپ نے شمار کیا۔ پس ہم لوگ عرب کے پیشوا اور سردار ہیں اور آپ لوگ تمام فضائل کے اہل ہیں۔ کوئی جماعت آپ کے فضائل کا انکار نہیں کر سکتی اور کوئی شخص آپ کے شرف و فخر کو رد نہیں کر سکتا۔ اور بے شک ہم لوگوں نے نہایت رغبت سے آپ کے ساتھ شامل ہونے اور ملنے کو پسند کیا۔ پس اے قریش گواہ رہو کہ خدیجہؓ بنت خویلد کو میں نے محمدؐ بن عبداللہ کی زوجیت میں دیا۔ چار سو مثقال کے بدلے۔"

اس پر ابو طالب نے کہا کہ اے ورقہ عمرو بن اسد موجود ہیں۔ میں بہتر سمجھتا ہوں کہ وہ بھی آپ کے بیان میں شریک ہوں۔ عمرو بن اسد نے کہا کہ میں نے خدیجہؓ بنت خویلد کو محمدؐ کی زوجیت میں دیا۔ اس پر طرفین سے ایجاب و قبول ہو گیا۔

رسولِ اکرمؐ کی سیاسی زندگی، صفحہ ۵۵

۱۴۱۔ خاتونِ قریش :- حضرت خدیجہؓ کے فضائل تو بے شمار ہیں لیکن منجملہ ان میں سے چند ایک مندرجہ ذیل ہیں :-

۱۔ آپ عورتوں میں سب سے پہلے اسلام لائیں۔

۲۔ آپ کے ہاں سے حضورؐ کی ساری اولاد ہوئی (بجز ابراہیم کے)

۳۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو سلام بھیجا۔ یہ وہ شرف ہے۔ جو دنیا کی کسی عورت کو

نصیب نہیں ہوا۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ جبرائیل حضورؐ کی خدمت میں آئے اور کہا۔
خدیجہؓ آپ کے پاس برتن میں کچھ کھانے کی چیزیں لے کر آ رہی ہیں۔ آپ ان سے
رب العالمین کا سلام نیز میرا سلام کہہ دیجیے۔ اور ان کو ایک ایوانِ جنت کی بشارت
دیجیے جو خالص مروارید کا ہوگا۔ جس کے اندر کوئی رنج و الم نہیں۔

رحمۃ اللعالمین۔ جلد سوم، صفحہ ۱۲۵

۱۴۲؎ ابنِ قریش۔ حضورؐ نے اس موقعہ پر دعوتِ ولیمہ فرمائی جس میں ایک اور
بقول بعض دو اونٹنیاں ذبح کرائیں۔ اور لوگوں کو کھانا کھلایا۔ اور سیدہ خدیجہؓ نے
اپنی کنیزوں کو رقص کرنے اور دف بجانے کا حکم دیا۔ اور ابوطالب نے اس موقعہ پر
بے حد خوش ہو کر کہا۔

"خدا ہی کے لیے سب تعریفیں ہیں جس نے ہماری پریشانیوں
کو دور کیا اور ہمارے رنج والم کو مٹا دیا۔"

یہ پہلا ولیمہ تھا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا۔

محمد رسول اللہ، صفحہ ۶۵

۱۴۳؎ مستقل طور پر منتقل ہونا۔ رسولِ عربی اور عصرِ جدید، صفحہ ۹۹
" رسولِ اکرمؐ کی سیاسی زندگی، صفحہ ۲۵
" شادی کے بعد حضورؐ حضرت خدیجہؓ کے مکان پر آ گئے تھے لیکن
آپؐ کے پدری حصہ کا مکان مکہ ہی میں موجود تھا۔ عقیلؓ نے جو حضورؐ کے چچازاد بھائی اور
حضرت علیؓ کے حقیقی بھائی تھے اور اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے، اس مکان
پر قبضہ کر لیا۔ چنانچہ فتح مکہ کے بعد جب حضورؐ مکہ تشریف لائے تو لوگوں نے پوچھا۔ یا
رسول اللہ آپ کہاں قیام فرمائیں گے۔ کیا آپؐ اپنے دولت خانہ پر ٹھہریں گے۔ آپؐ نے
فرمایا عقیلؓ نے ہمارے لیے گھر کہاں چھوڑا۔

سیرت النبیؐ۔ جلد دوم، صفحہ ۱۹۳

۱۴۴؎ شاد بن ثعلبہ ازدی: - قبیلہ ازد کے رئیس تھے۔ کہتے ہیں جب میں

حضورؐ کی بعثت کے بعد مکہ میں آیا تو آپؐ کے مخالفوں سے سُنا کہ حضورؐ کو معاذ اللہ جنون ہو گیا ہے۔ میں جھاڑ پھونک جانتا تھا۔ اس لیے حضورؐ کے پاس گیا۔ اور کہا کہ میں جھاڑ پھونک کے کمالات دکھاتا ہوں۔ ابھی آپؐ کا جنون جاتا رہے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلمؐ نے فرمایا:-

"تمام ستائشیں اللہ کے لیے ہیں۔ ہم اسی کی ستائش کرتے ہیں۔ اسی سے مدد مانگتے ہیں۔ جسے اللہ ہدایت دے۔ اسے گمراہ کرنے والا کوئی غلط راہ پر نہیں ڈال سکتا۔ جسے اللہ راستے سے پھرا دے اسے کوئی ہدایت کرنے والا سیدھے راستے پر نہیں ڈال سکتا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ یگانہ و یکتا ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔"

ضماد نے تین بار اصرار کر کے یہ کلام سُنا اور مسلمان ہو گئے۔ اور اپنے قبیلے کی طرف سے بھی بیعت کی۔

رسولِ رحمت، صفحہ ۵۵۴

۱۴۵۔ قیس بن سائب مخزومی:- قیس سے روایت ہے کہ:

"زمانۂ جاہلیت میں میں نے محمدؐ سے بہتر ساجھی کوئی نہیں پایا۔ اگر ہم ان کا سامان لے کر جاتے تو واپسی پر وہ ہمارا استقبال کر کے صرف ہماری خیر و عافیت پوچھتے اور چلے جاتے۔ اور بعد میں حساب دینے پر قطعاً تکرار اور حجت نہ کرتے۔ حالانکہ دیگر لوگ سب سے پہلی بات صرف اپنے مال کی کیفیت کے متعلق پوچھتے۔ اس کے برخلاف اگر خود وہ ہمارا سامان لے کر جاتے تو واپسی پر جب تک پائی پائی بیباق نہ کر دیتے گھر تک نہ جاتے۔ اور اسی لیے ہم میں وہ الامین (امانت دار و دیانت مند) کے لقب سے معروف تھے۔" (رسول اکرمؐ کی سیاسی زندگی، صفحہ ۴۹)

ؔ۷ حضورؐ، خدیجہؓ سے عقد کے بعد کسی تجارتی سفر میں باہر تشریف نہیں لے گئے تھے۔ بلکہ مکہ میں ہی اقامت گزیں تھے۔ اور کاروبار کی نگرانی کیا کرتے تھے۔ حتیٰ کہ مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی۔ محمد رسول اللہ، صفحہ ۶۶

ؔ۱۴۵۔۱ شعر:۔ طبقات ابن سعد حصہ سوم، صفحہ ۲۳۷

ؔ۱۴۵۔۲ کہتے ہیں:۔ طبقات ابن سعد حصہ سوم، صفحہ ۲۳۷

ؔ۱۴۶ زینبؓ:۔ تفہیم القرآن سورۃ احزاب

〃 طبقات ابن سعد۔ جلد سوم، صفحہ ۲۳۸

ؔ۱۴۷ اوصاف:۔ طبقات ابن سعد۔ جلد سوم، صفحہ ۲۳۸

ؔ۱۴۸ وارث:۔ 〃 〃 〃 〃 〃 〃

ؔ۱۴۹ باتوم:۔ محمد عربیؐ، صفحہ ۸۱

ؔ۱۵۰ صُلح:۔ محمد عربیؐ، صفحہ ۸۲

ؔ۱۵۱ ولید بن مغیرہ:۔ حضرت خالدؓ کا والد۔ قریش کا مشہور، معمر اور بہادر سردار اور حضورؐ کا دشمن۔

ؔ۱۵۲ حجرِ اسود:۔ جسٹس قاضی محمد سلیمان صاحب رحمۃ اللعالمین، صفحہ ۸۴ پر لکھتے ہیں۔

حضرت ابراہیمؑ اور ان کی اولاد کا دستور تھا کہ میدان میں جس جگہ کو عبادت گاہ مقرر کرتے۔ وہاں ایک لمبا بن گھڑا پتھر ستون کی طرح کھڑا کر دیتے۔ جیسے اب بھی مسلمان کھلی جگہ میں نماز پڑھتے ہوئے اپنی چھتری وغیرہ گاڑ لیا کرتے ہیں جسے سترہ کہتے ہیں۔ حجرِ اسود بھی اسی قسم کا پتھر ہے۔ اور یہ بھی ایک شہادت اس امر کی ہے کہ کعبہ بنائے ابراہیمی ہے۔ اب کونے میں لگا دینے کے بعد یہ اتنا کام دیتا ہے کہ طواف کا شروع اور ختم اسی جگہ سے کیا جاتا ہے۔ مسلمانوں میں اس کا جو درجہ ہے وہ اس کے نام حجرِ اسود (کالا پتھر) سے ظاہر ہے۔ ایک دفعہ فاروقِ اعظمؓ نے لوگوں کو سنانے کے لیے حجرِ اسود کو مخاطب کر کے کہا تھا۔

"تو ایک پتھر ہے - نہ کسی کو نفع نہ ضرر دے سکتا ہے -"

بعض روایات میں یہ الفاظ بھی ہیں -

"میں تجھے اس لیے بوسہ دیتا ہوں کہ میرے آقا و مولا حضرت محمدؐ نے تجھے بوسہ دیا ہے -"

حجرِ اسود وہ سیاہ پتھر ہے جو خانہ کعبہ کے جنوب مشرقی کونے میں لگا ہوا ہے - حاجی جب مسجد حرام میں داخل ہوتے ہیں . تو سیدھے حجرِ اسود کی طرف جاتے ہیں - اور اس کو استلام کرتے ہیں - یعنی بوسہ دیتے ہیں - اور پھر طواف کرتے ہیں - حجرِ اسود کی طرف جاتے ہوئے دونوں ہاتھ کانوں تک اٹھا کر تکبیر و تہلیل کہتے ہیں - اور ہاتھ چھوڑ دیتے ہیں - جس طرح نماز میں تکبیر تحریمہ کرتے ہیں - حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی کیا ہے -

بعض روایات میں کہا ہے کہ یہ پتھر حضرت جبرائیل امین لائے تھے - اس لیے مقدس خیال کیا جاتا ہے - اگر یہ درست نہ بھی ہو تو کیا اس کے تقدس کے لیے یہ کم ہے کہ اسے حضرت ابراہیم خلیل اللہ نے چھوا ہے - حضرت اسماعیل ذبیح اللہ نے اسے دیوارِ کعبہ میں لگانے کے لیے اپنے جلیل القدر باپ کی مدد کی ہے - ان دونوں نے اسے بوسہ دیا ہے - ان کے علاوہ ہزاروں نفوس قدسی اسے چومتے آئے ہیں - اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اسے حضورؐ نے بوسہ دیا ہے - انبیائے کرام کے مقدس مس نے اس کی قدر و قیمت اس درجہ بڑھا دی تھی کہ ہر قبیلہ اسے اٹھانے اور مقررہ مقام پر نصب کرنے کو سب سے بڑا اعزاز سمجھتا تھا -

۳۲۲ھ کے لگ بھگ ایک قرمطی سلیمان بن الحسین نے خروج کیا - اور مکہ میں حاجیوں کو عین طواف کی حالت میں ذبح کر کے چاہِ زمزم میں پھینک دیا - یہ وقت قرامطہ کے فتنوں کے عروج کا تھا - یہ لوگ حجرِ اسود بھی اٹھا کر لے گئے تھے - حالانکہ جس اونٹ پر اسے لادتے تھے - وہ مر جاتا تھا - سات سال تک یہ قرامطہ کے قبضہ میں رہا - پھر فاطمی خلفاء میں سے اسماعیل عبید اللہ المہدی نے جس کے یہ داعی تھے

انہیں حکم دیا کہ حجرِ اسود قاضی نیشاپوری کے حوالے کیا جائے۔ اس طرح ۳۲۹ھ میں حجرِ اسود کو دوبارہ کعبہ کی دیوار میں لگا دیا گیا۔

۱۵۳ ابوامیہ بن مغیرہ:۔ قریش کا معزز ترین سردار۔

۱۵۴ ہٰذا الامین:۔ رحمۃ اللعالمین۔ جلد اول، صفحہ ۴۸

" سیرت ابن ہشام، صفحہ ۱۰۲

۱۵۵ چادر:۔ رحمۃ اللعالمین۔ جلد اول، صفحہ ۴۹

" سیرت ابن ہشام، صفحہ ۱۰۲

۲ بعثت کے بعد ایک بار حضورؐ نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا تھا۔

"قریش کو مسلمان ہوئے تھوڑے ہی دن گزرے ہیں۔ ورنہ میں اس عمارت کو گرا دیتا اور کعبہ میں دو دروازے رکھتا۔ ایک آنے کا ایک جانے کا۔"

۱۵۶ مدد کریں:۔ رسولِ اکرمؐ کی سیاسی زندگی، صفحہ ۷۰

" رسولِ عربیؐ اور عصرِ جدید، صفحہ ۱۰۱

۱۵۷ جعفرؓ:۔ آپ جنگِ موتہ میں بڑی بہادری سے لڑتے ہوئے شہید ہو گئے تھے۔ دونوں بازو کٹ گئے تھے۔ اللہ نے جنت میں دو پَر عطا کیے ہیں۔ اس لیے آپ کو جعفر طیار کہا جاتا ہے۔ آپ نے حبشہ کی طرف ہجرت کی اور مہاجرین کی نمائندگی کے وقت نجاشی کے دربار میں زبردست تقریر کر کے نجاشی کو اپنا مددگار بنا لیا تھا۔

سیرت ابن ہشام، صفحہ ۴۰۴

۱۵۸ زینبؓ:۔ حضورؐ کی سب سے بڑی صاحبزادی تھیں۔ جو بعثت کے بعد اسلام لے آئیں۔ لیکن آپ کے شوہر ابوالعاص کفر پر ہی جمے رہے۔ تاہم انہیں بھی حضرت زینبؓ سے بے حد محبت تھی۔ اس لیے جب قریش نے انہیں حضرت زینبؓ کو طلاق دینے پر مجبور کیا۔ تو انہوں نے صاف انکار کر دیا۔

جب قریش جنگِ بدر میں آئے تو ابوالعاص بھی ان کے ساتھ تھے اور گرفتار

ہو گئے تھے۔ حضرت زینبؓ نے جو اس وقت تک مکہ میں تھیں ان کے بھائی عمرو کے ہاتھ مکہ سے ان کا فدیہ بھیجا جس میں وہ ہار بھی تھا جو حضرت خدیجہؓ نے حضرت زینبؓ کو شادی پر پہنایا تھا۔ حضورؐ نے جب اس ہار کو دیکھا تو رقت طاری ہو گئی۔ اور حضرت خدیجہؓ کی یاد نے بیقرار کر دیا۔ حضورؐ کے ارشاد پر صحابہ کرام نے فدیہ واپس کر دیا۔ اور ابو العاص کو بھی چھوڑ دیا۔ اور ان سے وعدہ لے لیا کہ مکہ جا کر حضرت زینبؓ کو مدینہ بھیج دیں گے۔ ان کے ساتھ حضورؐ نے حضرت زیدؓ اور ایک انصاری کو بھیجا تاکہ حضرت زینبؓ کو اپنے ساتھ لے آئیں۔ مکہ پہنچ کر ابو العاص نے حضرت زینبؓ کو مدینہ کی طرف روانہ کر دیا۔ اور ان کا بھائی کنانہ تیر کمان لے کر اونٹ کے ساتھ ساتھ بطور محافظ چل دیا۔ قریش کے چند آدمیوں نے انہیں ذی طوٰی میں جا گھیرا۔ ہبار بن اسود نے حضرت زینبؓ کو نیزہ سے ڈرا کر اونٹ سے گرا دیا۔ وہ حاملہ تھیں۔ حمل ساقط ہو گیا۔ ہبار نے لوگوں کو دھمکایا کہ ان کے قریب نہ آئیں۔ لیکن ابو سفیانؓ نے کنانہ سے کہا کہ دو روز تک صبر کرو۔ پھر لے جانا۔ چنانچہ دو روز کے بعد حضرت زینبؓ حضرت زیدؓ اور انصاری کے ساتھ اسی حالت میں ہی مدینہ پہنچیں۔

محرم ۷ھ میں ابو العاص نے مدینہ آکر اسلام قبول کر لیا۔ حضرت زینبؓ نے ۸ھ میں انتقال کیا۔ ان کی اولاد میں سے ایک لڑکا علی اور ایک لڑکی امامہ تھی۔ علی چھوٹی عمر میں ہی فوت ہو گئے تھے۔ حضورؐ امامہ سے بہت پیار کرتے تھے۔ ان کا نکاح حضرت علیؓ سے ہوا تھا۔

سیرت رسول عربی، صفحہ ۲۱۷

۱۵۹ھ ہند بن ابی ہالہ:۔ آپ حضورؐ کے ربیب (پروردہ) ہیں۔ جنگِ جمل میں حضرت علیؓ کی طرف سے لڑے اور شہید ہوئے۔ آپ حضرت خدیجہؓ کے پہلے خاوند ہالہ کے بیٹے ہیں۔

۱۶۰ھ رقیہؓ:۔ ان کی شادی پہلے ابو لہب کے بیٹے عتبہ سے ہوئی تھی۔ حضورؐ کی بعثت کے بعد ابو لہب نے اپنے لڑکوں سے کہا کہ اگر تم محمدؐ کی بیٹیوں سے علیحدہ گی

اختیار نہیں کرتے تو تمہارے ساتھ میری نشست و برخاست حرام ہے۔ چنانچہ عتبہ نے طلاق دے دی۔ اور حضورؐ نے ان کا نکاح حضرت عثمانؓ سے کر دیا۔ نکاح کے بعد آپ نے حضرت عثمانؓ کے ساتھ حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ ان کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا۔ جس کا نام عبداللہ تھا۔ عبداللہ نے اپنی ماں کے بعد ۴ھ چھ برس کی عمر میں وفات پائی۔ حضرت عثمانؓ حبشہ سے مکہ میں آئے۔ اور مکہ سے دونوں نے مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ ایامِ بدر میں حضرت رقیہؓ بیمار تھیں۔ اس لیے حضرت عثمانؓ ان کی تیمارداری کے لیے غزوۂ بدر میں شامل نہ ہو سکے۔ جس روز حضرت زید بن حارث فتح کی بشارت لے کر مدینہ میں آئے۔ اسی روز حضرت رقیہؓ نے بیس سال کی عمر میں انتقال کیا۔ آنحضرت غزوۂ بدر کے باعث جنازہ میں شریک نہ ہو سکے۔

سیرت رسولِ عربی صفحہ ۱۶۷

۱۶۱ھ ام کلثومؓ :- پہلے عتیبہ بن ابی لہب کے نکاح میں تھیں۔ جب عتیبہ نے ان کو اپنے باپ کے کہنے سے طلاق دے دی۔ تو حضورؐ سے گستاخی سے پیش آیا۔ اور حضورؐ کی قمیص پھاڑ دی۔ تو حضورؐ کی زبانِ مبارک سے نکلا۔

"یا اللہ اپنے کتوں میں سے ایک کتے کو اس پر مسلط کر دے۔"

کچھ مدت کے بعد ابو لہب اور عتیبہ بغرضِ تجارت ایک قافلہ کے ساتھ شام کی طرف روانہ ہوئے۔ راستے میں ایک راہب کے صومعہ کے پاس اترے۔ راہب نے کہا یہاں درندے بہت ہیں۔ ابو لہب نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔ "تمہیں میری عمر اور میرا حق معلوم ہے!۔ وہ بولے ہاں۔ ابو لہب نے کہا کہ محمدؐ نے میرے بیٹے پر بد دعا کی ہے۔ تم اپنی متاع صومعہ میں جمع کر دو۔ اور عتیبہ کے لیے اس کے اوپر بستر کر دو۔ اور خود اس کے گرد اگرد سو جاؤ۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ رات کو ایک شیر آیا۔ اس نے سب کو سونگھا۔ پھر متاع پر کود کر عتیبہ کو پھاڑ ڈالا۔ اہلِ قافلہ نے ہر چند شیر کو ڈھونڈا مگر نہ ملا۔ حضرت رقیہؓ کے بعد ربیع الاول ۳ھ میں ام کلثوم رضہ کا نکاح حضرت عثمان رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے ہوا۔ اور شعبان ۹ھ میں انتقال ہوا۔ حضور صلی اللہ

علیہ وسلم نے نمازِ جنازہ پڑھائی۔

سیرت رسولِ عربیؐ، صفحہ ۷۱۶

تفہیم القرآن۔ جلد ششم، صفحہ ۵۲۲

(نوٹ) حضورؐ کی یہ دونوں صاحبزادیاں نکاح اور پھر طلاق کے وقت تک بالغ نہیں ہوئی تھیں۔ واضح رہے کہ حضرت فاطمۃ الزہرہؓ حضورؐ کی بعثت سے ایک سال پہلے پیدا ہوئی تھیں۔ نیز حضورؐ کے صاحبزادے عبداللہ اور ابراہیم بھی بعثت کے بعد پیدا ہوئے۔ جو بچپن میں ہی فوت ہو گئے تھے۔ حضرت عبداللہ کا لقب طیب اور طاہر بھی ہے۔

۱۶۲ے عتبہ اور عتیبہ :۔ تفہیم القرآن۔ جلد ششم، صفحہ ۵۲۲

ے " جنہیں تم میں برا بننے کا موقعہ دیا گیا ہے " تلاش کرو۔ وہ ویرانوں میں ملے گا۔ مکہ کے رئیس اپنی کوٹھیوں میں ہیں۔ اور طائف کے امراء پھلوں اور پھولوں سے لدے باغوں اور ان کے بنگلوں میں ہیں۔ لیکن جو سب سے بڑی امارت کا مختارِ کل اور متصرف و مجاز ہے۔ وہ پہاڑوں کے اندھیرے غاروں میں ہے۔"

وہ ہفتوں، عشروں غار میں ہی دن۔ بلکہ ڈراؤنی اور بھیانک راتیں گزارتا ہے۔ سانپوں، درندوں اور موذیوں سے بھرے ہوئے ان پہاڑوں میں اسے جانے کی کیا ضرورت تھی۔ جسے دولت کی سب فراوانیاں حاصل تھیں۔

النبی الخاتم، صفحہ ۳۶

۱۶۳ے تاریکیوں :۔ سورۃ والضحیٰ میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔ وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدَىٰ (اے رسولؐ۔ ہم نے تجھے اپنی تلاش میں سرگرداں پایا اور تجھے ہدایت کا راستہ بتا دیا)

۱۶۴ے تحنث :۔ عبادت جس میں ذکر اور تدبّر و تفکّر دونوں چیزیں شامل تھیں۔ اہلِ عرب میں سے جو تھوڑے سے لوگ دینِ ابراہیمی کے پیرو رہ گئے تھے

وہ بھی وقتاً فوقتاً تحنّث کیا کرتے تھے خصوصاً ماہِ رمضان میں یہی وہ عبادت تھی جو آپؐ کے دادا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نبوت سے پہلے کی تھی۔

رسولِ رحمت، صفحہ ۲۷

سیرت النبیؐ۔ جلد اوّل، صفحہ ۱۸۷

۱۶۵۔ غارِ حرا:۔ مکہ مکرمہ سے تین میل کے فاصلے پر کوہِ حرا جسے اب جبلِ نور بھی کہتے ہیں ایک الگ تھلگ ٹیلا ہے۔ یہ گول برج کی شکل میں خاصا بلند ہے۔ اور اوپر چڑھنے کا راستہ چکر کھاتا ہوا جاتا ہے۔ چوٹی تک جانے میں تقریباً پینتیس منٹ صرف ہوتے ہیں۔ اوپر پہنچیں تو قریباً نصف بالائی حصہ ہموار ہے۔ باقی نصف سو سوا سو فٹ اوپر اُٹھا ہوا ہے۔ ہموار حصے میں جو مکہ مکرمہ کی طرف ہے ٹیلے کے کنارے دو بڑی سلیں اوپر تلے مل گئی ہیں۔ اور خیمے کی سی شکل پیدا ہو گئی ہے۔ یہی غار ہے جسے غارِ حرا کہتے ہیں۔ اس کا طول و عرض قاضی سلمان منصور پوری مصنف رحمۃ للعالمین نے چار گز اور پونے دو گز لکھا ہے۔ مطلع صاف ہو تو اس حصے سے سمندر بھی نظر آتا ہے جو پینتالیس میل کے فاصلے پر ہو گا۔ حرم پاک اور شہر تو بالکل سامنے رہتے ہیں۔ اس غار میں کھڑے ہو کر نماز پڑھ سکتے ہیں۔ کنارے کی طرف کھلا ہوا حصہ نہیں حرم پاک کی طرف ہے۔

رسولِ رحمت صفحہ ۱۔۲۷ فٹ نوٹ

۱۶۶۔ بشارت:۔ بشارت اور واقعۂ اقراء میں چھ ماہ کا وقفہ ہے۔ واقعہ اقراء رمضان میں پیش آیا تھا۔ بشارت میں صرف رسول ہونے کی خوشخبری تھی اور واقعہ اقراء میں نزولِ قرآن کا آغاز ہوا تھا۔ ہم نے طویل بحثوں کو عمداً چھوڑ دیا ہے۔

رحمۃ للعالمین۔ جلد اول، صفحہ ۴۸ فٹ نوٹ

۱۶۷۔ رسول:۔ رحمۃ للعالمین۔ جلد اول، صفحہ ۵۲ یہاں سب بحثیں موجود ہیں۔

رسولِ رحمت، صفحہ ۲۷۔ محسن انسانیت، صفحہ ۱۰۵

۱۶۸۔ جبرائیل:۔ اللہ کا کلام انبیاء کرام تک پہنچانے پر حضرت جبریل امین مامور تھے۔ جبرئیل امین کے لیے ناموسِ اکبر۔ روح القدس۔ روح الامین اور

فرشتہ اور بعض جگہ قرآن میں صرف روح کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ آپ اللہ تعالےٰ کے مقرب فرشتے ہیں۔ فرشتہ پیغام لے جانے والے کو کہتے ہیں۔ چونکہ نبوت اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہوگئی ہے لہٰذا حضرت جبریلؑ کا سلسلہ پیامبری بھی منقطع ہو گیا ہے۔

۱۶۹ اضطراب :۔ رسولِ رحمت، صفحہ ۹۳۔ صفحہ ۱۰۲

مولانا شبلی فرماتے ہیں :۔

"یہ تردد۔ یہ اضطراب دراصل جلال الٰہی کا تاثر اور نبوت کے بارِ گراں کی عظمت کا تخیل تھا۔"

آپ نے کیا دیکھا۔ ناموسِ اکبر نے کیا کہا۔ کیا کیا مشاہدات ہوئے۔ یہ وہ نازک باتیں ہیں جو الفاظ کا تحمل نہیں کر سکتیں۔

سیرت النبیؐ۔ جلد اول، صفحہ ۱۸۹

۱۷۰ ڈر :۔ سیرت النبیؐ۔ جلد اول، صفحہ ۱۸۹۔

۱۷۱ بول اٹھیں :۔ تفہیم القرآن۔ جلد ششم صفحہ ۳۹۳

۱۷۲ صادق القول :۔ یہ پورا بیان حضورؐ کی بعثت سے قبل کی زندگی کا واضح نقشہ ہے۔ اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک کا ٹھیک ٹھیک اندازہ ہو سکتا ہے۔ یہ ہمراز و رفیقہ حیات کا بے ساختہ اعلان ہے۔ جو حق و صداقت کی منہ بولتی تصویر ہے۔

۱۷۳ مدد کروں گا۔ تفہیم القرآن۔ جلد ششم صفحہ ۳۹۳
(کچھ زیادہ مدت نہ گزری تھی کہ ورقہ کا انتقال ہو گیا)

کتابیات

۱۔ سیرۃ النبیؐ — علامہ شبلی نعمانی
۲۔ رحمۃ للعالمینؐ — جسٹس قاضی شاہ محمد سلیمان سلمان منصور پوری
۳۔ ازالۃ الخفاء — شاہ ولی اللہ
۴۔ سیرۃ رسول عربیؐ — محمد نور بخش توکلی
۵۔ محمدؐ عربیؐ — محمد عنایت اللہ سبحانی
۶۔ تفہیم القرآن — مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی۔
۷۔ غلاف کعبہ کی تاریخ — " " " " "
۸۔ محسنِ انسانیتؐ — نعیم صدیقی
۹۔ رسولِ عربیؐ اور عصرِ جدید — سید محمد اسماعیل
۱۰۔ آفتابِ نبوت — مولانا قاری محمد طیب
۱۱۔ خطباتِ مدراس — مولانا سید سلیمان ندوی
۱۲ طبقات ابن سعد — محمد بن سعد
۱۳۔ ابوبکر صدیقؓ — محمد حسین ہیکل
۱۴۔ عمر فاروقؓ — " "
۱۵۔ شمائل ترمذی

۱۶۔ تاریخ اسلام — اکبر شاہ خان

۱۷۔ تاریخ اسلام — عبدالرحمان شوق

۱۸۔ تاریخ اسلام — محب الدین طبری

۱۹۔ تاریخ اسلام — ابن خلدون

۲۰۔ سیرۃ النبیؐ — ابو محمد عبدالمالک بن ہشام

(المعروف بہ سیرت ابن ہشام)

۲۱۔ خلاصۃ السیرہ فی احوال سید البشر۔ محب الدین طبری

۲۲۔ نشر الطیب فی ذکر النبیؐ الحبیب۔ مولانا اشرف علی تھانوی

۲۳۔ سیارہ ڈائجسٹ قرآن نمبر

۲۴۔ سیارہ ڈائجسٹ رسول نمبر

۲۵۔ مدارج النبوۃ۔ شاہ عبدالحق محدث دہلوی

۲۶۔ تفسیر فتح العزیز (پارہ عم) شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی

۲۷۔ رسول رحمتؐ۔ مولانا ابوالکلام آزاد۔ مولانا غلام رسول مہر

۲۸۔ محمد رسول اللہؐ۔ شیخ محمد رضا سابق مدیر مکتبۂ جامعہ فواد قاہرہ (مصر)

۲۹۔ الخطبات الاحمدیہ فی العرب والسیرۃ المحمدیہ۔ سر سید احمد خان

۳۰۔ رسول اکرمؐ کی سیاسی زندگی۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ

۳۱۔ سیرت سید الانبیاء۔ مولانا مفتی محمد شفیع

۳۲۔ معارف القرآن۔ ″ ″ ″

۳۳۔ النبی الخاتمؐ۔ مولانا مناظر احسن گیلانی

۳۴۔ سفرنامہ ارض القرآن — مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی۔ مرتبہ محمد عاصم

۳۵۔ اردو انسائیکلوپیڈیا۔ مطبوعہ فیروز سنز، لاہور

اسلامی نظامِ زندگی کے مختلف پہلوؤں پر مختصر کتابیں

نمبر	کتاب	مصنف	قیمت
۱	توحید، رسالت اور زندگی بعد موت کا عقلی ثبوت	سیّد ابوالاعلیٰ مودودی	۱ —— ۷۵
۲	بناؤ اور بگاڑ	"	۱ —— ۲۰
۳	اسلام اور جاہلیت	"	۱ —— ۴۵
۴	سلامتی کا راستہ	"	۱ —— ۱۰
۵	اسلام کا نظریۂ سیاسی	"	۱ —— ۶۵
۶	دینِ حق	"	۱ —— ۴۰
۷	شہادتِ حق	"	۱ —— ۵۰
۸	اسلام کا اخلاقی نقطۂ نظر	"	۱ —— ۶۵
۹	اسلام اور عدلِ اجتماعی	"	۰۰ —— ۹۴
۱۰	جہاد فی سبیل اللہ	"	۱ —— ۴۵
۱۱	اسلامی حکومت کس طرح قائم ہوتی ہے؟	"	۱ —— ۳۰
۱۲	انسان کے بنیادی حقوق	"	۱ —— ۲۵
۱۳	ختمِ نبوت	"	۱ —— ۵۰
۱۴	مسئلہ قربانی	"	۱ —— ۲۵
۱۵	مسئلہ تعددِ ازواج	"	۱ —— ۱۰
۱۶	حُرمتِ سُود	"	۲ ——
۱۷	دعوتِ اسلامی اور اس کا طریقِ کار	"	۱ —— ۴۰
۱۸	کیا پردہ ملک کی ترقی کی راہ میں رکاوٹ ہے؟	پروین رضوی	۰۰ —— ۶۰
۱۹	کلمۂ طیبہ	بہاول خان ناگرہ	۱ —— ۱۰
۲۰	ایمان اور آزمائش	اخلاق حسین	۱ —— ۳۰

اِسلامی رہنمائی کیلئے مختصر کتب

نمبر	کتاب	مصنف	قیمت
۱	عالم اسلام کی تعمیر میں مسلمان طلبہ کا کردار	سید ابوالاعلیٰ مودودی	۱—۲۵
۲	زندگی بعد موت کا عقلی ثبوت	"	۱—۷۵
۳	اِسلامی قانون کے نفاذ کی عملی تدابیر	"	۲—۰۰
۴	اسلامی دستور کی تدوین	"	۲—۳۰
۵	برِ صغیر ہند و پاکستان میں اِسلامی تحریک کی تاریخ	مولانا مسعود عالم ندوی	۱—۳۰
۶	سیاست ایک دینی تقاضا	اخلاق حسین	۱—۴۰
۷	مولانا مودودی پر اعتراضات کی حقیقت	عاصم نعمانی	۱—۵۰
۸	عصرِ حاضر میں اسلام کی زبوں حالی	محمد رضا شیبی۔ عبداللہ کنون	۱—۲۵
۹	اپنی اصلاح آپ	نعیم صدیقی	۱—۲۵
۱۰	تحریکِ اسلامی دوسری اجتماعی تحریکوں کے مقابل میں		۲—۰۰
۱۱	اِسرائیل کی تعمیر میں اشتراکی ممالک کا کردار	خلیل احمد حامدی	۱—۹۰
۱۲	اِشتراکی نظام	فروغ احمد	..—۱۰
۱۳	اِسلامی نظامِ تعلیم	سید ابوالاعلیٰ مودودی	۱—۴۵
۱۴	اِسلامی حکومت میں ملازموں کے حقوق و فرائض	پروفیسر لبیب السعید	۱—۲۵
۱۵	راہ و رسم منزل	سید اسعد گیلانی	۱—۲۰

تعلیمِ بالغاں کے لیے مفید کتب

نمبر	کتاب	مصنف	قیمت
۱	قاعدہ	ادارہ الحسنات	..—۹۰
۲	پہلی کتاب	"	..—۴۴
۳	دوسری کتاب	"	..—۹۰
۴	تیسری کتاب	"	..—۴۴

لامی نظام زندگی کے مختلف پہلوؤں پر مختصر کتابیں

نمبر	کتاب	مصنف	قیمت
۱	قرآن کی معاشی تعلیمات	سید ابوالاعلیٰ مودودی	۲—۵۰
۲	اسلام کا نظام حیات	〃	۱—۷۵
۳	تحریک اسلامی کی اخلاقی بنیادیں	〃	۲—۲۵
۴	شہادت امام حسینؓ	〃	۱—۰۰
۵	مسلمانوں کا ماضی، حال اور مستقبل	〃	۴—۷۵
۶	ہدایات	〃	۱—۶۰
۷	اسلامی نظام اور مغربی لادینی جمہوریت	〃	۱—۰۰
۸	مسلم خواتین سے اسلام کے مطالبات	〃	۱—۲۵
۹	ذمیوں کے حقوق	〃	۱—۵۰
۱۰	سرورِ عالمؐ	〃	۱—۱۰
۱۱	اسلام، سرمایہ داری اور اشتراکیت	〃	۱—۴۰
۱۲	اسلامی نظم معیشت کے اصول و مقاصد	〃	۱—۲۰
۱۳	انسان کا معاشی مسئلہ اور اس کا اسلامی حل	〃	۱—۴۰
۱۴	ہمارے داخلی و خارجی مسائل	〃	۱—۶۰
۱۵	بیمۂ زندگی اسلامی نقطۂ نظر سے	نعیم صدیقی	۱—۲۵
۱۶	تعمیر سیرت کے لوازم	〃	۱—۲۵
۱۷	دنیائے اسلام کی موجودہ اسلامی تحریکیں	مولانا مسعود عالم ندوی	۰۰—۹۰
۱۸	ہم اس ملک میں کیا تغیرات چاہتے ہیں؟	امین احسن اصلاحی	۱—۲۵
۱۹	دعوت کی کامیابی کے شرائط	〃	۱—۱۰
۲۰	دماغ یا لادینیت	ڈاکٹر محمد ناصر	۱—۹۰

ہماری نئی مطبوعات

نمبر	کتاب		قیمت	
۱	اسلامی زندگی کی کہکشاں		۱۳ — ۵۰	روپے
۲	اسلام کا فوجداری قانون حصہ اول		۵۰ — ۰۰	"
۳	الحقوق والفرائض حصہ اول		۲۲ — ۵۰	"
۴	نماز میں آپ کیا پڑھتے ہیں؟	فی سینکڑہ	۲۰ — ۰۰	"
۵	مسائلِ نماز	"	۱۵ — ۰۰	"
۶	روزہ کا اصل مقصد	"	۱۵ — ۰۰	"
۷	روزہ اور ضبطِ نفس	"	۱۵ — ۰۰	"
۸	روزہ	"	۱۵ — ۰۰	"
۹	عبادت	"	۱۵ — ۰۰	"
۱۰	زکوٰۃ کی حقیقت	"	۱۵ — ۰۰	"
۱۱	وضو اور نماز کے مسائل	"	۱۰ — ۰۰	"
۱۲	نماز باجماعت	"	۱۵ — ۰۰	"
۱۳	دعوتِ اسلامی اور مسلمانوں کے فرائض		۶ — ۲۵	"
۱۴	کشف المحجوب		۲۲ — ۵۰	"

محمد صلی اللہ علیہ وسلم

آغوشِ آمنہ رضی اللہ عنہا سے غارِ حرا تک

It is a very good and useful for all muslims

علی اصغر چودھری

قمر لطیف

یونیورسل بکس
40-اے، اردو بازار، لاہور

اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ
۱۳-ای، شاہ عالم مارکیٹ لاہور